
جنوری 2012
ماہنامہ
حنا
سالگرہ نمبر
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

املا حبات

حمد	صائمہ اکبر	7
نعت	افشاں جبیں	7
پیارے نبی کی پیاری باتیں	سید اختر ناز	8

انشاء ناز

جنوری کی سرد راتیں	ابن انشاء	12
اس بستی کو چھوڑ	احمد ندیم قاسمی	14

سرورق

نیا سال نئی اُمیدیں	سید افراز علی نازش	19

افسانہ

وچھوڑا آپ روتا ہے	تحسین اختر	180

مسلسل ناول

کی جاناں میں کون	کنول ریاض	50
وہ اک ستارہ مہرباں	سندس جبیں	86
ستم گزیدہ	سدرہ سحر عمران	144

سلسلے وار ناول

وہ ستارہ صبح اُمید کا	فوزیہ غزل	26
تم آخری جزیرہ ہو	اُم مریم	202

ناولٹ

محبتوں میں حساب کیسا	مدیحہ تبسم	120

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، ماہنامہ حنا پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور، فون نمبر 042-37310797,37321690 ای میل ایڈریس
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com ویب سائٹ



مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ	فرزانہ نسیم	226
بیاض	تنزیلہ ناجیہ	230
رنگ حنا	باتیں ہنسی	234
میری ڈائری سے	صائمہ محمود	238
ستاروں کے آئینے میں	ڈرچر	241
خبر نامہ	عبداللہ	248
حنا کی محفل	عین نین	250
حنا کا دسترخوان	ثمینہ احتشام	252
کس قیامت کے یہ نامے	فوزیہ شفیق	255

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! حنا کا شمارہ جنوری 2012ء بطور "سالگرہ نمبر" پیش خدمت ہے۔

اس شمارے کے ساتھ ہی حنا نے اپنی عمر کے چونتیسویں سال میں قدم رکھ لیا ہے، آج سے تینتیس سال پہلے حنا کے آغاز کے وقت ہمارا مقصد ایک ایسے جریدے کا آغاز تھا جو کہ ہماری اسلامی اور معاشرتی اقدار کے اندر رہتے ہوئے خواتین کو تفریحی ادب فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا فرض بھی کما حقہ انجام دے، آج بھی ہمارا سب سے بڑا مقصد اپنی اقدار کا فروغ ہے، ہم اپنے اس مقصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب رہے ہیں، اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے، مگر ہم یہ بات بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ "حنا" ایک ایسا جریدہ ہے جسے کوئی شخص بھی اپنی ماں، بہن اور بیٹی کو اعتماد کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔

آج سالگرہ کے موقع پر ہمیں اپنے وہ تمام ہم سفر مصنفین اور قارئین یاد آ رہے ہیں جو آغاز سفر سے ہمارے ساتھ تھے اور جنہوں نے اس طویل سفر میں اب تک ہمارا ساتھ دیا ہے، ان میں سے کچھ لوگ ہم سے بچھڑ گئے اور کچھ نئے اس سفر میں شامل ہو گئے، ہم بچھڑنے والوں کی یاد کسک اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں اور نئے ساتھیوں کو خوش آمدید کہتے ہیں، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقاصد میں کامیاب کرے (آمین)۔

2011ء کا سورج اپنے ساتھ بہت سی آرزوئیں اور حسرتیں لئے ڈوب گیا، سال گزشتہ اپنے ساتھ بہت سے ذاتی اور قومی صدمے دے کر ماضی کا حصہ بن گیا ہے اور سال نو کا سورج اپنے ساتھ بہت سی امیدیں اور آرزوئیں لئے طلوع ہو رہا ہے، ہماری دعا ہے کہ نیا سال ہمارے، آپ اور تمام اہل وطن کے لئے امن، سلامتی اور خوشحالی کا پیغام لائے (آمین)۔

بیاد انشاء:۔ انشاء جی اردو ادب کا سرمایہ تھے، وہ نہ صرف ایک بے مثال مزاح نگار تھے بلکہ شاعری میں بھی ایک منفرد لہجہ اور پہچان رکھتے تھے، انشاء جی کو دنیا سے رخصت ہوئے ایک طویل عرصہ گزر گیا، لیکن وقت نے ان کی مقبولیت میں کمی کی بجائے اضافہ کیا، انشاء جی کے جانے سے ادب کی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہو سکتا، 11 جنوری کو ان کی برسی کے موقع پر آپ سب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں:۔ سال نو کے حوالے سے سروے، کنول ریاض، سندس جبیں اور سدرہ سحر عمران کے مکمل ناول، بدیعہ مبسم کا ناولٹ، تحسین اختر کا افسانہ، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر

سردار محمود

حمد

صائمہ کوثر

توفیق دے کہ لکھوں میں ایسی تری ثناء
جیسی لکھی نہ پہلے کبھی میں نے اے خدا

دنیا میں تیرے نام کو پھیلاؤں چار سو
عقبیٰ میں اجر یہ ہو کہ ہو جاؤں سرخرو

ہنگام نزع ہونٹوں پہ تیرا ہی نام ہو
اللہ! میری زیست کا یوں اختتام ہو

یارب! تری عطا سے نہ خالی یہ ہاتھ ہو
تیرے کرم کا دونوں جہانوں میں ساتھ ہو

وہ کامیاب زیست ہے جو لے خدا کا نام
ناکام ہے ملا نہ اگر خلد میں مقام

کوثر کی زندگی تری بخشش ہے اے خدا
یہ زندگی تباہ نہ ہو بس یہ ہے دعا

نعت

افشاں جبیں

شفقت کا سائباں ہیں پیارے رسولؐ
سراپا مہرباں ہیں پیارے رسولؐ

دنیا میں تیرے نام کو پھیلاؤں چار سو
درس انسانیت جس نے دنیا کو دیا

عقبیٰ میں اجر یہ ہو کہ ہو جاؤں سرخرو
وہ معلم ذیشان ہیں پیارے رسولؐ

ہنگام نزع ہونٹوں پہ تیرا ہی نام ہو
دشمنوں کے لیے بھی وہ پناہ گاہ ثابت ہوئے

اللہ! میری زیست کا یوں اختتام ہو
بلندیوں کا آسماں ہیں پیارے رسولؐ

یارب! تری عطا سے نہ خالی یہ ہاتھ ہو
ان کی محبت سے محروم نہ رہے حیواں تک

تیرے کرم کا دونوں جہانوں میں ساتھ ہو
رحمت دوجہاں ہیں پیارے رسولؐ

وہ کامیاب زیست ہے جو لے خدا کا نام
خدا سے آشنا کیا پھر بھٹکے ہوئے انسانوں کو

ناکام ہے ملا نہ اگر خلد میں مقام
عظیم رہبر انساں ہیں پیارے رسولؐ

کوثر کی زندگی تری بخشش ہے اے خدا
کیوں نہ ہوں ان کی زندگی پر عمل پیرا جبین

یہ زندگی تباہ نہ ہو بس یہ ہے دعا
کہ تفسیر قرآں ہیں پیارے رسولؐ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہرت کے لئے نیکی

حضرت جندب (بن عبداللہ بن سفیان) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو دکھلاوا کرے گا، اللہ اس کی حقیقت ظاہر کردے گا اور جو شہرت کے لئے نیکی کرتا ہے، اللہ اس کی تشہیر کرے گا۔''

فوائد و مسائل:۔

ریاکاری کرنے والا اس لئے کرتا ہے کہ لوگوں میں اس کی خوبی کی شہرت ہو اور وہ اس کی تعریف اور عزت کریں لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے اس کی یہ بری نیت ظاہر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ بدنام ہو جاتا ہے اور اس کی عزت ختم ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب مخلوق کے سامنے یہ ظاہر فرمادے گا کہ یہ شخص اخلاص کے ساتھ نیکی نہیں کرتا تھا جس سے سب کے سامنے اس کی بے عزتی ہو جائے گی۔

حسد کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد (رشک) صرف دو ہی کاموں میں جائز ہے، ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور اسے حق کی راہ میں خرچ کرنے پر لگا دیا، (اس سے رشک کرنا چاہیے) اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے (دین کی) سمجھ دی، وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

فوائد و مسائل:۔

''حسد'' کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی طرف سے نعمت ملی ہو تو اسے دیکھ کر یہ خواہش پیدا ہو کہ اس کی یہ نعمت ختم ہو جائے، یہ جذبہ رکھنا بہت بڑا گناہ ہے، اس حدیث میں حسد سے مراد ''رشک'' ہے، یعنی یہ خواہش کرنا کہ جیسی نعمت اس کے پاس ہے ویسی مجھے بھی مل جائے یہ جائز ہے۔

حسد تو کسی پر بھی جائز نہیں، رشک بھی دنیا کی دولت، شہرت اور حکومت پر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ کسی کا نیک عمل ہی اس قابل ہے کہ اس طرح کا عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

خوبیوں میں سب سے زیادہ قابل رشک دو خوبیاں ہیں سخاوت اور علم، یہ عمل بھی تب خوبیوں میں شمار ہو سکتے ہیں، جب اللہ کی رضا کے لئے خلوص کے ساتھ انجام دیے جائیں ورنہ شہرت کے لئے حاصل کیا جانے والا علم اور خرچ کیا جانے والا مال سخت ترین سزا اور شدید عذاب کا باعث ہوگا، اللہ محفوظ رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد (رشک) صرف دو کاموں میں

جائز ہے ایک اس آدمی سے (رشک کرنا چاہیے) جسے اللہ نے قرآن (کا علم) دیا، وہ رات کے اوقات میں بھی اس پر قائم رہتا ہے اور دن کے اوقات میں بھی اور (دوسرا) وہ آدمی جس کو اللہ نے مال دیا، وہ رات کے اوقات میں بھی اسے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتا ہے اور دن کے اوقات میں بھی (اس پر رشک کرنا چاہیے)۔''

فوائد و مسائل:۔

یقوم بہ کا مطلب اس پر عمل کرنا بھی ہے اور نماز کے قیام میں اس کی تلاوت بھی، خواہ فرض نمازوں میں ہو یا نوافل و تہجد میں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

مسجدوں کے میناروں اور دیواروں کی زیب و زینت کی بجائے علماء اور طلباء خرچ کرنا زیادہ ثواب ہے، اسی طرح مسجد کے مفلس یا مقروض نمازی اور مسجد کے قرب و جوار میں رہنے والے مدد کے مستحق غریب آدمیوں کو دینا زیادہ ضروری ہے، مسجد سادہ رہے تو افضل ہے۔

حسد

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور صدقہ گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی (دنیا کی) آگ کو بجھا دیتا ہے، نماز مومن کا نور ہے اور روزہ جہنم سے (بچانے والی) ڈھال ہے۔''

ظلم و زیادتی

حضرت ابوبکرہ (نفیع بن حارث ثقفی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''زیادتی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جلدی دے دیتا ہے جب کہ اس کے ساتھ اس کے لئے آخرت کا عذاب بھی سنبھال رکھتا ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اسلام کی اہم خوبی عدل اور رحم ہے۔

ظلم اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، خواہ ظلم کسی انسان پر کیا جائے یا کسی حیوان پر۔

جلد ثواب

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سب سے جلدی ثواب نیکی اور صلہ رحمی (رشتہ داروں سے حسن سلوک) کا ملتا ہے اور (اسی طرح) سب سے جلدی سزا زیادتی اور قطع رحمی (رشتہ داروں سے بدسلوکی) کی ملتی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''انسان کے لئے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، (یا اسے حقیر جانے)۔''

فوائد و مسائل:۔

مسلمان کو ذلیل کرنا یا اسے حقیر اور کم تر سمجھ کر بدسلوکی کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی میں صرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہی عیب ہو، کوئی اور عیب نہ ہو تو اسے برا آدمی قرار دینے کے لئے یہی عیب کافی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ تواضع اختیار کرو اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔"

فوائد و مسائل:۔

مسلمان پر ہر قسم کی زیادتی کرنا حرام ہے۔

احتیاط اور تقویٰ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عطیہ (بن عروہ) سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"بندہ تقویٰ کے (بلند) مقام تک نہیں پہنچتا حتیٰ کہ حرج والی چیز سے بچنے کے لئے وہ چیز بھی چھوڑ دے جس میں حرج نہیں (لیکن شک ہے کہ شاید منع ہو)۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا۔

"کون سا آدمی افضل ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر صاف دل والا، سچی زبان والا۔"

صحابہؓ نے عرض کیا۔

"سچی زبان والا تو ہم جانتے ہیں، صاف دل والا کون ہوتا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"پرہیز گار، پاک باز، جس (کے دل) میں نہ کوئی گناہ ہو، نہ زیادتی، نہ کینہ، نہ حسد۔"

فوائد و مسائل:۔

دل کی صفائی اور پاکیزگی آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

متقی آدمی دوسروں سے افضل ہے۔

کینہ کا مطلب ہے دل میں ناراضی رکھنا تاکہ موقع ملنے پر بدلہ لیا جا سکے، یہ بہت ہی بری عادت ہے۔

اللہ کا ڈر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے ایک فرمان، اور عثمان راوی نے کہا ایک آیت معلوم ہے، اگر سب لوگ اس پر عمل کر لیں تو ان کے لئے کافی ہو جائے۔"

صحابہؓ نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول کون سی آیت؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ آیت ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔

ترجمہ:۔ جو کوئی اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لئے (ہر مشکل سے) نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے۔"

اچھی رائے عامہ

حضرت ابو زہیر (معاذ بن رباح) ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نباوہ یا بناوہ کے مقام پر ہم سے خطاب فرمایا۔

"یہ مقام طائف کے قریب ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہو سکتا ہے تم جنتیوں اور جہنمیوں کو الگ الگ پہچان لو۔"

ہم نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول! کس علامت سے؟"

فرمایا۔

"اچھی رائے کے اظہار سے اور بری رائے کے اظہار سے، تم ایک دوسرے پر اللہ کے گواہ ہو۔"

فوائد و مسائل:۔

نیک متقی آدمی اسی کی تعریف کر سکتا ہے، جس میں وہ واقعی اچھی صفات دیکھے کیونکہ متقی خوشامد اور چاپلوسی نہیں کر سکتا۔

نیک متقی آدمی اسی کو برا کہے گا، جس میں واقعی بری عادات موجود ہوں کیونکہ وہ جھوٹ بول کے کسی کو بدنام نہیں کرتا۔

اچھی تعریف (یا لوگوں کی اچھی رائے) سے مراد ہر قسم کے عوام کی رائے نہیں بلکہ توحید و سنت پر کاربند نیک لوگوں کی رائے مراد ہے، جن میں سب سے بلند مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے، لہٰذا جس شخص کے بارے میں ایسے عظیم افراد اچھی رائے رکھتے ہوں، وہ یقیناً نیک اور جنتی آدمی ہوگا۔

خوارج، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کے گمراہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہؓ اور تابعین نے ان کی آراء کو غلط قرار دیا ہے اور پوری قوت سے ان کی تردید فرمائی ہے۔

اچھا کام

حضرت کلثوم (بن علقمہ) خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسولؐ! جب میں نیکی کروں تجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ میں نے اچھا کام کیا ہے اور جب میں گناہ کر بیٹھوں تو کیسے معلوم ہوگا کہ میں نے برا کام کیا ہے؟"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جب تیرے ہمسائے کہیں، تو نے اچھا کام کیا ہے تو (یقین کر لے کہ) تو نے اچھا کام ہی کیا ہے اور جب وہ کہیں تو نے برا کام کیا ہے تو پھر تو نے برا کام ہی کیا ہے۔"

فوائد و مسائل:۔

عام نیکیاں اور برائیاں ایسی ہیں کہ عام مسلمان انہیں اس حیثیت سے پہچانتے ہیں، خواہ عملی طور پر وہ نیکیوں میں سست اور برائیوں کے عادی ہوں۔

اخلاقی خوبیاں اور خامیاں سب سے زیادہ ہمسایوں کو معلوم ہوتی ہیں، جب کسی شخص کو معلوم ہوا کہ ہمسائے اسے اچھا نہیں سمجھتے تو اسے چاہیے کہ اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔

آج کل علم کی کمی کی وجہ سے اور غلط رسم و رواج زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بعض اچھے کام چھوٹ گئے ہیں، جب اس پر عمل کیا جائے تو عوام تنقید کرتے ہیں اور بعض غلط کام ایسے مشہور ہو گئے ہیں کہ لوگ انہیں شرعی حکم سمجھ کر عمل کرتے ہیں، جب ایسی بدعت سے اجتناب کیا جائے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ سنت کا انکار کیا جا رہا ہے، ایسے مسائل میں عوام کی رائے کو اہمیت حاصل نہیں بلکہ ایسے علماء سے دریافت کرنا چاہیے جو صحیح اور ضعیف احادیث میں امتیاز کر سکتے ہیں اور قرآن و حدیث کی نصوص سے مسائل سمجھ سکتے ہیں، محض چٹ پٹی تقریریں کرنے والے واعظوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انشائیہ



جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل

ابن انشاء

دل بہلنے کی نہیں کوئی سبیل
جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل
ڈالتا ہوں اپنے ماضی پر نگاہ
گاہے گاہے کھینچتا ہوں سرد آہ
کس طرح اب دل کو رہ پر لاؤں میں
کس بہانے سے اسے بہلاؤں میں

سب کو محوِ خوابِ راحت چھوڑ کے
نیند آتی ہے شبستاں میں مرے
مجھ کو سوتے دیکھ کر آتا ہے کوئی
میرے سینے سے چمٹ جاتا ہے کوئی
دیکھتا ہوں آ کے اکثر ہوش میں
کوئی ظالم ہے میری آغوش میں

خود کو تنہا ہی مگر پاتا ہوں میں
پھر گھڑی بھر بعد سو جاتا ہوں میں
پھر کسی کو دیکھتا ہوں خواب میں
اس دفعہ پہچان لیتا ہوں تمہیں
بھاگ جاتے ہو قریب صبح دم
چھوڑ دیتے ہو رہینِ رنج و غم
مجھ کو تم سے عشق تھا مدت ہوئی
اُن دِنوں تم کو بھی اُلفت مجھ سے تھی
کم نگاہی اقتضائے سال و سن
کیا ہوئی تھی بات جانے ایک دن
بند اپنا آنا جانا ہو گیا
اور اس پر ایک زمانا ہو گیا
تم غلط سمجھے، ہُوا میں بدگماں
بات چھوٹی تھی مگر پہنچی کہاں
جلد ہی میں تو پشیماں ہو گیا
تم کو بھی احساس کچھ ایسا ہُوا
نشۂ پندار میں لیکن تھے مست
تھی گراں دونو پہ تسلیمِ شکست

ہجر کے صحرا کو طے کرنا پڑا
مل گیا تھا رہنما امید سا
ہے میری جرأت کی اصل اب بھی یہی
دل یہ کہتا ہے کہ دیکھیں تو سہی
جس میں اُترا تھا ہمارا کارواں
اب بھی ممکن ہے وہ خالی ہو مکاں
آج تک دیتے رہے دل کو فریب
اب نہیں ممکن ذرا تابِ شکیب
آؤ میرے دیدۂ تر میں رہو
آؤ اس اُجڑے ہوئے گھر میں رہو
حوصلے سے میں پہل کرتا تو ہوں
دل میں اتنا سوچ کر ڈرتا بھی ہوں
تم نہ ٹھکرا دو میری دعوت کہیں
میں یہ سمجھوں گا اگر کہہ دو "نہیں"
گردشِ ایام کو نوٹا لیا
میں نے جو کچھ کھو دیا تھا پا لیا

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابن انشا کو مہورت مل

احمد ندیم قاسمی

یاد انشا

جنگ کے صفحات پر ابن انشاء کے جو فکاہی کالم سالہا سال تک شائع ہوتے رہے، انہیں ایک صاحب ذوق "فکاہی کالم نویسی کا موسم گل" قرار دیتے ہیں، آج ان ہی صاحب سے ابن انشاء کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی، انہیں ابن انشاء کے کالموں کے پیروں کے پیرے ازبر تھے ان کے جانے کے بعد ابن انشاء مجھے مسلسل یاد آتے رہے، آج ان ہی کی چند یادوں اور چند باتوں کی بازیافت ہو جائے تو کیسا رہے؟

ابن انشاء کی نظم ونثر کے حسن وخوبی پر گفتگو کرتے ہوئے نقاد ہی بھلے لگتے ہیں، میرے پیش نظر تو انشاء کی بعض یادوں کی بازیافت ہے، رخصت ہو جانے والے دوستوں کی یادیں ہی تو محبت اور رفاقت کا سرمایہ ہوتی ہیں، ان یادوں کی بازیافت اس ہمیشہ کے لئے چھن جانے والے دوست کو عارضی طور پر زندہ کر لینے کی ایک کوشش ہے۔

انشاء کی یادیں تو بے شمار ہیں مگر میں آپ کو اپنی ان یادوں میں شریک کرنا چاہتا ہوں جن میں انشاء کا وجود مجسم تبسم بن کر سامنے آتا ہے، انشاء کی موت کے پس منظر میں اس کی متبسم شخصیت کی یاد، اس کی جدائی کے زخموں کو اور گہرا کر جاتی ہے اور ہم جو اس کی باتوں پر مسکراتے ہیں، اندر ہی اندر روتے ہیں کہ یہ گوہر گراں مایہ ہم سے اتنی جلدی کیوں چھن گیا، یہ نعمت ہم سے ایک دم کیوں واپس لے لی گئی۔

انشاء سے میری اس وقت سے شناسائی تھی جب وہ شیر محمد قیصر تھا، خط و کتابت میں ہماری بات چیت بیشتر شاعری کے بارے میں ہوتی تھی، اس لئے مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ شیر محمد قیصر کے پردے میں ایک خوب صورت شاعر کے علاوہ ایک بے مثل مزاح نویس، ایک زندہ دل سفرنامہ نگار، ایک محتاط مترجم، بچوں کا ایک محبوب شاعر، ایک بے بدل مکتوب نگار، ایک وضع دار دوست اور ایک بے لوث انسان بول رہا ہے، جب وہ مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے لاہور آیا تو میں پشاور ریڈیو سے وابستہ تھا، پھر جب چند ماہ بعد ہی میں لاہور منتقل ہو گیا تو انجمن ترقی پسند مصنفین کے ہفتہ وار اجتماع میں اس کا قریبی ساتھ رہا۔

ان دنوں ابراہیم جلیس سقوط حیدر آباد کے بعد لاہور آیا تو انشاء کے ہاں جانے کا اشتیاق ظاہر کیا، میں ایبٹ روڈ پر نشاط سینما کے سامنے اسے انشاء کے گھر لے گیا، یہ چھوٹا سا گھر چینی طرز تعمیر کا تھا، ویسے بھی انشاء کے نقوش کچھ چینی سے تھے، چنانچہ جب انشاء گھر سے باہر آیا تو ابراہیم جلیس نے اسے خود سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"مہاتما کنفیوشس! تم تو پگوڈا میں رہنے لگے۔" انشاء بولا۔

"اے ازلی بھکشو! سا پگوڈا کے دروازے تمہارے لئے ایک بھائی کی بانہوں کی طرح کھلے ہیں۔"

انشاء سے میری ملاقاتیں بیشتر پر تکلف

ماحول میں ہوئی تھیں، اس لئے مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ بظاہر اس اداس چہرے کے پیچھے شگفتگی اور زندہ دلی کا ایک سمندر متلاطم ہے، اس کی شخصیت کا یہ دلآویز پہلو مجھ پر بتدریج منکشف ہوا جب تکلف کی دیوار گر گئی اور ہمارے درمیان رو ہم سطح اور ہم مرتبہ دوستوں کی طرح تبادلہ خیال ہونے لگا، ان دنوں ہمارا معمول تھا کہ ہم انجمن کے اجلاس کے بعد میکلوڈ روڈ کے لکشمی چوک کے ایک ریسٹورنٹ میں اکٹھا ہوتے اور چائے پیتے، بل ادا کرنے کا وقت آتا تو سب حاضرین اس میں شرکت کرتے، مگر ایک روز انشاء نے بے پتے کی ایک تجویز پیش کی اس نے کہا۔

"یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ بل آتا ہے تو ویٹر کے سامنے ہم ایک ایک آنے کا چندہ جمع کرنے بیٹھ جاتے ہیں، ہم ہیں تو فقیر لوگ مگر ریسٹورنٹ کے ویٹروں پر یہ ظاہر کرنا کچھ ایسا ضروری تو نہیں ہے کہ ہم بھی ان کی طرح قلاش ہیں، چنانچہ آئندہ سے جب ہم چائے کا آڈر دیں تو فوراً بعد سب لوگ چپکے سے ایک ایک آنہ میرے پاس جمع کرا دیں جب بل آئے گا تو اسے یکمشت ادا کر دیا جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ اس طرح ویٹر آئندہ ہمارے سامنے ٹوٹی ہوئی پیالیاں لگانے سے احتراز کریں۔"

اس تجویز کو بہت پسند کیا گیا۔

اگلے ہفتے سب نے ایک ایک آنہ انشاء کے حوالے کیا مگر گنتی ہوئی تو اس میں ایک آنہ کم نکلا، کسی نے احتجاج کیا تو انشاء بولا۔

"اے مزدوروں کو ان کا منصفانہ معاوضہ ادا کرنے کے علم بردارو! میں نے تم سب سے ایک ایک آنہ جمع کرنے میں جو جسمانی محنت اور رقم کی گنتی میں جو دماغی ریاضت صرف کی ہے، کیا اس کا معاوضہ ایک آنہ بھی نہیں بنتا؟ چنانچہ اس رقم میں تمہارا ایک ایک آنہ اور میری محنت شاقہ شامل ہے، تم نے اپنے ایک ایک آنے کی خریدی ہوئی چائے پی، میں نے اپنی محنت کی کمائی کی چائے پی۔"

پھر ایک روز انشاء میرے پاس آیا کہنے لگا۔

"آپ پیر زادے ہیں خدا سے دعا کیجئے کہ ماؤزے تنگ کی فوجیں سالنامہ "ادب لطیف" شائع ہونے تک شنگھائی پر قبضہ نہ کر سکیں۔" میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔

"سالنامہ" "ادب لطیف" میں شنگھائی کے عنوان سے میری ایک نظم چھپ رہی ہے جس میں شنگھائی کا مقدر بدلنے کے لئے میں نے ماؤ کی فوجیں بلوائی ہیں، اگر ان فوجیوں نے نظم کی اشاعت سے پہلے شنگھائی پر قبضہ کر لیا تو میری نظم پر زمانہ ماضی کا قبضہ ہو جائے گا، ماؤزے تنگ خود بھی شاعر ہے اسے بھی تو چاہیے کہ شنگھائی پر اتنی طوفانی یلغار کرنے کے بجائے پاکستان میں ایک نظم کی اشاعت کا تھوڑا سا انتظار کر لے۔"

ایک بار ہمارے ایک عزیز دوست کی غزل شائع ہوئی جس کا ایک مصرع یہ تھا۔

"پھولوں پہ انہماک سے شبنم گرائیں گے۔"

ہفتہ وار چائے نوشی کے دوران کسی نے کہا کہ یہ شبنم گرانا اور پھر انہماک سے شبنم گرانا کیا ہوا، انشاء بڑی معصومیت سے بولا۔

"لو یہ بھی کوئی انجمن کی بات ہے، یوں سمجھ لو کہ شاعر پھولوں کی ایک کیاری میں بیٹھا ہے، اس کے پاس شبنم سے بھرا ہوا ایک کٹورا رکھا ہے، ہاتھ میں ڈراپر ہے، وہ اپنی عینک کو ناک کے آخری سرے پر رکھ کر ڈراپر کی مدد سے کٹورے میں شبنم کا ایک قطرہ اٹھاتا ہے اور پھول پر اس احتیاط سے گراتا ہے کہ کہیں وہ پھول کی پتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر سے اِدھر اُدھر لڑھک نہ جائے، اسے کہتے ہیں پھولوں پر انہماک سے شبنم گرانا۔"

ایک اور شاعر دوست نے انشاء کے مزاج پوچھے تو وہ بولا۔

"ویسے تو ہر طرح خیریت ہے مگر کل سے کھانسی ہو رہی ہے۔"

شاعر نے کہا۔

"کوئی بے احتیاطی ہو گی۔"

انشاء بولا۔

"ہاں بے احتیاطی ہی ہوئی، دراصل میں تمہاری وہ غزل با آواز بلند پڑھ بیٹھا جو کل ہی شائع ہوئی ہے۔"

شاعر نے پوچھا۔

"مگر میری غزل کا کھانسی سے کیا تعلق؟"

انشاء جی نے جواب دیا غزل کے مفہوم کا تو کھانسی سے کوئی تعلق نہیں مگر تمہاری غزل کے قوافی بہت کھانسی آور نکلے۔

اور اس کے بعد انشاء نے شاعر کو اس کے قوافی سنائے اور ہر قافیہ کے ساتھ کھانستا چلا گیا۔

"تفہیم ہے، ترحم ہے، توہم ہے۔"

اسلام آباد میں وزارت تعلیمات کے زیر انتظام ایک اجلاس ہو رہا تھا، ایک صاحب نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ پنجاب میں ایم اے اور ایم ایس سی تک ذریعہ تعلیم پنجابی ہونا چاہیے، انشاء پنجابی تھا، اردو کی طرح پنجابی کا بھی رسیا تھا مگر صاف صاف کہہ دیا کہ۔

"ایم اے اور ایم ایس سی کو فی الحال رہنے دیجئے اور میٹریکولیشن یا انٹر تک اکتفا فرمایئے۔"

وہ صاحب بولے۔

"ہم پنجابی زبان کو اتنی ترقی دیں گے کہ اس میں ایم اے اور ایم ایس سی کی بھی تعلیم دی جا سکے گی۔" انشاء نے کہا۔

"یہ تو بڑی خوش آئندہ بات ہے مگر بہتر نہیں ہو گا کہ ہم پنجابی کو پنجابی ہی رہنے اور اس میں جو بھی ترقی ہو، بتدریج ہو پنجاب کے مختلف علاقوں کی مخصوص لفظیات لہجوں اور محاورں اور روز مروں اور کہاوتو سرمایہ جمع کرتی ہوئی آگے بڑھے؟ آپ جلدی میں معلوم ہوتے ہیں اس لئے رکھیے گا کہ عجلت میں پنجابی اتنی زیادہ ترقی جائے کہ اردو بن کر رہ جائے۔"

ایک صاحب علامہ اقبال پر کام کر تھے، ایک اجلاس میں ان کی گفتگو سننے کے قدرت اللہ شہاب نے انشاء سے کہا۔

"مجھے تو یہ شخص حواس باختہ معلوم ہے۔"

انشاء نے فوراً شہاب صاحب کی تصحیح بولا۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں، حواس با وہ کسی طرف سے نہیں ہے البتہ اقبال باختہ ہے۔"

اور یہ آخری دعوت کا واقعہ ہے، جب اپنی بہن کی شادی پر آخری بار لاہور آیا تھا میں لاہور کی ساری ادبی برادری مدعو تھی، جس نے بھی دیکھا، اس کا جی دھک سے کہ وہ بالکل دھان پان ہو رہا تھا اور اس کا اس کی مسکراہٹوں اور چٹکلوں سے بھی چ نہیں چھپ رہا تھا، اس کی شگفتہ طبعی صحت عالم میں بھی اسی طرح توانا تھی، وہ دوستو مدارات کے سلسلے میں یہاں سے وہاں گ تھا، میں کھانا ختم کر چکا تو وہ فیرنی کا ایک اٹھائے میرے پاس آیا اور بولا۔

"یہ کیجئے آپ مٹھاس کے بڑے ر نا۔"

میں نے کہا انشاء جی! میں تو ابھی ابھی فیرنی کا ایک جوٹا صاف کر چکا ہوں۔

انشاء جی بولا۔

"ویسے تو میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ ابھی ابھی آپ نے فیرنی کے چار جوٹوں کی صفائی کی ہے مگر اس پانچویں جوٹے کا بھی صفایا کر دیجئے کہ صفائی عجب چیز دنیا میں ہے۔"

صحت کے اس مخدوش عالم میں بھی انشاء کی خوش مزاجی اور حوصلہ مندی کے دو نہایت غیر مبہم ثبوت میں نے "فنون" میں درج کیے تھے، ایک تو میرے نام انشاء کا آخری خط تھا اور دوسرا اس کی زندگی کا آخری مضمون جس میں اس نے ملک الموت کی پسلیوں میں بھی ٹھوکے دیے تھے، یہ تھا روحانی گہما گہمی اور زندہ دلی سے چھلکتا ہوا انشاء جس کی جب بھی برسی منائی جاتی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم خود زندگی کی برسی منا رہے ہیں۔

ابن انشاء ان مرنے والوں میں سے ایک ہے جن سے مل کر جن سے باتیں کر کے جن کی دوستی کا اعزاز حاصل کر کے جن کے اندر ابلتی اور مچلتی ہوئی زندگی کا مشاہدہ کر کے ہم اعتماد کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ موت ان کے قریب سے بھی گزرتے ہوئے شرمائے گی، مرنا تو سب ہی کو ہے مگر یہ اتنی جلدی نہیں مریں گے اور زندگی سے ان کا پیار اور زندہ رہنے کے سلسلے میں ان کا عزم، انہیں انتہائی سفید براق بڑھاپے تک لے جائے گا، مگر پھر یہ لوگ یکا یک مر جاتے ہیں، ہم جنہیں ہمیشہ سے بے ثباتی دنیا کے درس دیے گئے ہیں، سوچتے ہیں کہ یہ دنیا محض بے ثبات ہی نہیں ہے، بے حد سفاک بھی ہے کہ جو زندہ رہنے کے لائق ہوتے ہیں انہیں سمیٹ کر اپنے سینے میں اتار لے جانے کی اسے ہمیشہ بڑی جلدی پڑی رہتی ہے اور زندگی کا منظر اجڑ جاتا

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب.....

خمار گندم.....

دنیا گول ہے.....

آوارہ گرد کی ڈائری.....

ابن بطوطہ کے تعاقب میں.....

چلتے ہو تو چین کو چلیے.....

نگری نگری پھرا مسافر.....

خط انشا جی کے.....

بستی کے اک کوچے میں.....

چاند نگر.....

دل وحشی.....

آپ سے کیا پردہ.....

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو.....

انتخاب کلام میر.....

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر.....

طیف غزل.....

طیف اقبال.....

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور اتنے بہت سے انسانوں کے ہجوم میں ہم تنہا رہ جاتے ہیں۔

ابھی ہم خاصی مدت تک یہ فیصلہ نہیں کر پائیں گے کہ ابن انشاء بہت پیارا شاعر تھا، بہت پیارا افکاہیہ نویس تھا، بہت پیارا سفر نامہ نگار تھا یا بہت پیارا مترجم تھا یا بہت پیارا انسان تھا، دراصل ہم لوگ شخصیتوں کو خانوں میں بانٹنے کے عادی ہیں کیونکہ اس طرح اس شخصیت کے محاکے میں اور نتیجتاً اس کی حق تلفی میں سہولت رہتی ہے اور وہ شخصیتیں ہمیں بہت ٹھلتی ہیں جو ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہوتی ہیں اور جن کی خصوصیات یوں مربوط ہوتی ہیں کہ ایک خصوصیت کو دوسری سے الگ کرو تو ایسی ٹیس سی اٹھے جیسے گوشت سے ناخن کو جدا کر گیا ہے، ابن انشاء ایک ایسی ہی مربوط اور ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا، وہ بیک وقت بہت کچھ تھا اور بہت کچھ ہونے کے باوجود اس کی شخصیت کہیں سے بھی کٹی ہوئی اور بٹی ہوئی نہیں تھی، بس اتنا تھا کہ وہ جن انسانوں کا دوست تھا ان کا تو وہ دوست تھا ہی مگر دشمن کسی انسان کا نہیں تھا۔

البتہ بعض انسانی گروہوں کے ان نظاموں کا غیر مشروط دشمن تھا جو عامتہ الناس کو گھٹیا اور بڑھیا انسانوں میں بانٹ دیتے ہیں اور جنہیں یہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے اور یہ تکلیف انہیں سینکڑوں صدیوں سے ہو رہی ہے کہ عام انسانوں کی آنکھیں بھی ان کی آنکھوں کی طرح تعداد میں دو کیوں ہیں، ایک کیوں نہیں ہے، اگر دو آنکھوں کے بغیر چارہ نہیں تھا تو ان کی وہ وہ میں کیوں جھڑ گئی ہیں جو تفریق و امتیاز کے لئے ضروری تھیں اور یہ چوپایوں کی طرح پچھلی دو ٹانگوں کے علاوہ اگلے دو ہاتھوں کو بھی زمین پر ٹیک کر کیوں نہیں چلتے۔

ابن انشاء صرف اس طرح کی سوچ رکھنے والے "سپر" انسانوں کا دشمن تھا ورنہ اس کی شخصیت میں اتنی نرمی تھی، اتنا گداز تھا، اتنی اپنائیت تھی کہ میں تو اس سے، جب بھی ملا مجھے مہاتما بدھ یاد آ گئے، ایسے کھرے اور بے ضرر انسان کو ابھی تیس چالیس برس اور زندہ رہنا چاہیے تھا، ابن انشاء کے سے وجود ہی تو انسانی زندگی کو پرمایہ اور تہہ دار بناتے ہیں، انسانوں کو زندہ رہنا اور سلیقے سے زندگی گزارنا سکھاتے ہیں، مگر وہ جن کی پوری میعاد حیات، انسانی زندگی کو حسن و خیر اور شائستگی و بے ساختگی کے ساتھ بسر کرنے کی ایک تبلیغ مجسم ہوتی ہے، جب خود مر جاتے ہیں، اپنے عزیزوں اور دوستوں اور پڑھنے والوں اور یاد کرنے والوں کے لئے زندگی کو ایک کرب مسلسل میں بدل جاتے ہیں، ہم آس پاس بکھرے ہوئے اندھیروں کو ٹٹولتے رہ جاتے ہیں کہ یہ جو ابھی ایک کوندا سا لپکا تھا وہ تاریکی کے اس انبار میں کہاں کھو گیا۔

ابن انشاء کی شخصیت اور ذہنیت کے تجزیے کیے جائیں گے جو وہ کہ ہر وقت ہنستا تا رہتا تھا اندر سے کتنا گھائل تھا اور وہ جس نے شاعری اور نثر میں اپنا ایک الگ اسلوب تراش لیا تھا، داخلی طور پر کتنی محرومیوں کا شکار تھا مگر مجھے ان بزرگان علوم کے برعکس فقط وہ ابن انشاء پیارا تھا، جو مجھے عام زندگی میں نظر آتا تھا اور جو محبت اور دوستی کے معاملے میں اتنا وضع دار تھا کہ اس کی نیک نیتی کی قسم کھائی جا سکتی تھی اور جو ہمارے معاصر ادب میں ایک البیلا کردار تھا۔

☆☆☆

جب آپ یہ تحریر پڑھیں گے تب تک نیا سال آپ کی زندگی کے در پر نہ صرف دستک دے چکا ہوگا بلکہ آپ کی سوچوں کے سمندر میں کئی خواب غوطہ زن ہونگے، آپ سب کو نیا اسلامی سال اور نیا عیسوی سال مبارک ہو۔

سیانے کہتے ہیں کہ وقت جب رکتا نہیں تو لوگ اپنے کام صحیح وقت پر کرنے کا سوچتے کیوں ہیں؟ اگر وقت پر لگا کر اڑ رہا ہے تو کیا نئی صدی کی ترقی کی رفتار اس کے مقابلے میں کم ہے؟ ہرگز نہیں لمحے کے ہر پل نہ صرف آپ کا ساتھ خوشی اور غم سے رہتا ہے بلکہ آپ کے دکھ کا مداوا یا خوشی کے لمحات کو یادوں میں قید رکھنے کی ٹیکنالوجی بھی پیش پیش رہتی ہے، آج تہذیب و روایات کی ترتیب میں بہت ساری تبدیلیاں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہیں، اخلاقی اقدار کی تبدیلی اپنی جگہ تلخ حقیقت کی صورت ہمارے سامنے ہیں، معاشرے میں احترام اور بحیثیت انسان اپنی حقیقت منوانا یا دوسرے کو انسان سمجھنا خاصا مشکل ہو رہا ہے، ایسے میں سال نو کی خوشی کو صاحب عقل تقریب کی صورت مانتے ہی نہیں۔

وطن عزیز میں حالات و واقعات کے پیچھے رہ کر کچھ کہنا یا لکھنا سوائے کبوتر کی آنکھیں بند کرنے والی مثال جیسی ہے، پھر بھی دنیاوی خوشی کے ان لمحات میں حنا کے قارئین کے لئے وطن عزیز کی معروف شخصیات کی رائے لی ہے کہ نئے سال میں ان کی وہ کون سی امیدیں ہیں جن کو پوری کرنے کے لئے وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں، دسمبر کو الوداع کہنے کا وقت ہے اب دعا ہے کہ سال نو اپنے دامن میں سب مسلمانوں اور پاکستانیوں کے لئے ڈھیروں خوشیاں اور مسرتیں لے کر آئے (آمین) ملک میں جو افراتفری ہے اور حالات میں گڑبڑ چل رہی ہے وہ سب ٹھیک ہو جائے، لسانی اور علاقائی تعصب کا خاتمہ ہو جائے (آمین)۔

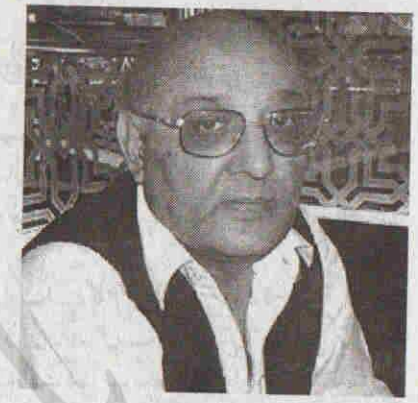
امجد اسلام امجد (شاعر/کالم نگار/ڈرامہ نگار)

نئے سال کی نسبت سے جہاں بہت سی توقعات، آرزوئیں اور دعائیں ہمارے ساتھ سفر کرتی ہیں، وہاں نئے سال سے منسوب کوئی بھی شعری تخلیق ہمارے شاعرانہ ذوق کی تسکین کرتے ہوئے ہمیں اپنی جانب متوجہ بھی کر لیتی ہے۔

جب بھی فرصت ملے تو گوشہ تنہائی میں یاد ماضی کے پرانے گوشوارے دیکھنا جہاں تک نئے سال میں نئی امیدوں کی بات ہے تو امیدیں کبھی پرانی نہیں ہوتی، انسانی فطرت ہے کہ جو کام ہم مکمل نہیں کر پاتے اسے آئندہ دنوں یا سالوں کے کھاتے میں ڈال کر مصنوعی تسکین حاصل کرتے ہیں۔

حیات اور موت کے سفر میں اعمال کا شمار ضروری ہے، ہمیں آنے والے پل میں زندہ رہنے کی امید ہوتی ہے یقین نہیں، سو یہ دنیاداری کی ایک رسم ہے جو نسل نو کی ایک خواہش کے طفیل آج وطن عزیز میں دیگر مسائل سے چشم پوشی کر کے "سال نو" کو خوش آمدید کہا جا رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



معاشرتی تبدیلی میں کسی ایک کو قصور وار ٹھہرانا مناسب بات نہیں ہے، فیصلہ کن کردار کے حامل ارباب اختیار نہ صرف سال نو جیسی روایت کو فروغ دینے میں پیش پیش نظر آئے بلکہ دیگر معاشرتی رابطوں کی جڑیں بھی مضبوط کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی آخر میں میری مختصر نظم آپ سب کے لئے۔

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا

اسلم کولسری.....(شاعر/آر جے ایف ایم 95)

ہم سب نئے سال کا سورج طلوع ہونے سے پہلے سال گزشتہ میں نامکمل رہ جانے والے معاملات زندگی کی ٹوٹتی امیدوں کو پھر سے امید کی تسبیح میں جوڑ لیتے ہیں اور خوابوں کے صحرا میں تبتی تعبیر کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں۔

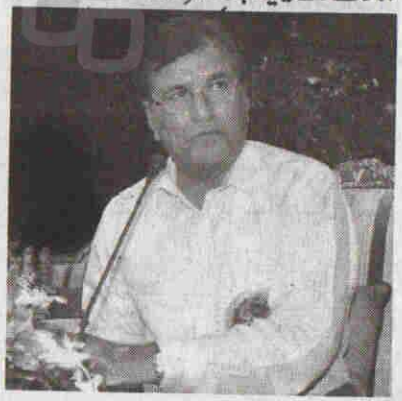
ہر اچھا انسان گزرے سال کے اچھے برے دنوں کا حساب رکھتا ہے، باضمیر لوگوں کے اندر سمت اور حوصلے کے چراغ کبھی نہیں بجھتے اور وہ ہمیشہ خود احتسابی کے عمل سے قوت عمل کو بیدار رکھتے ہیں، ایسے میں اوروں سے اور خود اپنے آپ سے کیے جانے والے وعدے اور عہد بہت ستاتے ہیں جو دانستہ نا دانستہ تشنہ تکمیل رہ گئے، تب شاعر کا یہ خیال روشنی دکھا دیتا ہے کہ۔

کس تذبذب میں ہے نئے سال کی دہلیز پر
جو کھویا ہے اس کا غم نہ کر جو پانا ہے اس کا عہد کر

نہیں کچھ حاصل محرومیوں کے شمار سے
گزرے غموں کو بھول کر نئی خوشیاں تلاش کر

نئے سال کی خوشی تب ہی محسوس ہوتی ہوگی جب ہمارا ضمیر مطمئن ہوگا کہ ہم نے کچھ غلط نہیں کیا۔

امید کے کنواں سے پیاس بجھانا بری بات نہیں میرے بھی بہت سے سپنے ہیں جن کی تکمیل کے لئے سال نو ایک حوصلہ کی شکل میں میرے سامنے ہے، امنگوں کی تکمیل ہو جاتے یہی خوشگوار احساس جگنو کی طرح میری آنکھوں میں چمکتا ہے، ہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی خوشیاں اور مسرتیں اپنے ہاتھوں کے لکیروں میں تلاش کرتے ہیں، آنے والے سال سے کئی امیدیں باندھ لیتے ہیں سچائی اٹل ہے اور ہماری سوچ یہ ہونی چاہیے کہ جو رب تعالیٰ اپنی خوشی اور رضا سے دے دے وہ بہتر ہے اور جو نہ ملے وہ ہمارے لئے یقیناً بہت بہتر تھا۔



ہمیشہ نئے سال کی آمد پر اپنے لئے سوچتے ہیں اس سال اپنے وطن کے لئے سوچیں، ہمیں اپنے اندر تعمیری سوچ کو فروغ دینا چاہیے، ہم انسان ہیں اور ہمارے اندر خواہشات بڑھ تو سکتی ہیں لیکن ختم نہیں ہو سکتی۔

یہ الگ بات کہ شرمندہ تعبیر نہ ہوں ورنہ ہر آنکھ میں کچھ خواب ہوا کرتے ہیں



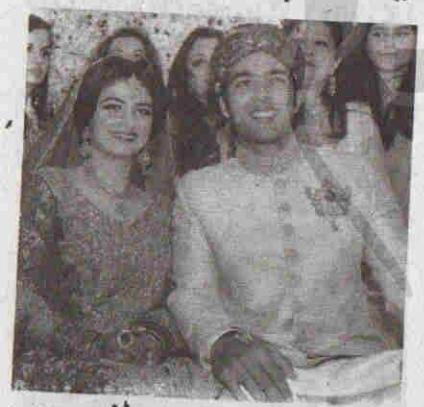
فلمسٹار ریما خان.....(ہدایتکارہ/اداکارہ)

2011ء سال میری زندگی میں ڈھیروں خوشیاں لے کر آیا، میرے پرستاروں کی دعائیں رنگ لائیں اور میں اپنے پیا کے گھر کی ہوئی، اس سال بھی یعنی 2011ء میں پاکستان فلم انڈسٹری زوال کا شکار رہی اس انڈسٹری کے خیر خواہ اپنی شبانہ روز محنت کے بعد بھی اسے کامیابی کی سیڑھی پر نہیں چڑھا سکے، ہر سال کی طرح 2012ء میں پھر سے یہی امید ہے کہ ہم سب ایک بار پھر سر جوڑ کر ایسی حکمت عملی اختیار کریں کہ پاکستان فلم انڈسٹری پر چھایا زوال ختم ہو، اس انڈسٹری سے وابستہ سینکڑوں افراد بے روزگار ہیں اس صورت حال کو دیکھ کر دل افسردہ ہو جاتا ہے۔

میرے شریک سفر بھی میرے ساتھ پاکستان فلم انڈسٹری کی بحالی کے لئے مضبوط سہارا ہیں، میرا ارادہ فلم انڈسٹری سے کنارہ کشی کا نہیں اور ناں میرے سسرال والوں نے ایسی کوئی پابندی مجھ پر عائد کی ہے، 2012ء میں ڈرامہ پروڈکشن کی طرف بھی میرا دھیان رہے گا اور ایک نئی فلم کے سکرپٹ پر بھی کام ہو رہا ہے، آپ سب لوگ دعا کریں کہ اس انڈسٹری سے وابستہ چند مخلص لوگ جو محنت کر رہے ہیں وہ کامیابی سے ہمکنار ہو، میری امیدیں کبھی مایوسی میں نہیں گھری اور ناں میں کمزور ہوں کہ اپنی شکست مان لوں۔

نئے سال میں ایک نئے جذبے اور ہمت کے ساتھ نہ صرف اپنے گھر کی طرف توجہ رکھوں گی بلکہ فلم انڈسٹری کی بحالی اور ترقی کے لئے جو منصوبہ بنا چکی ہوں وہ بھی پایہ تکمیل تک ضرور پہنچے گا۔

کہکشاں چھین کے اوروں کے مقدر کی کبھی
اپنی راہوں میں ستارے نہ اتارو لوگو!



اعصام الحق.....(ٹینس سٹار)

2011ء کے آخری مہینے میری شادی ہوئی ہے، لہٰذا یہ سال میری زندگی کا نہایت یادگار سال ہے، جس طرح میں نے ٹینس میں یادگار لمحات کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا ہے اسی طرح 17 دسمبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

2011ء کے دن کے لمحات میری زندگی کے اہم پل ہونگے۔

2012ء میں مجھ پر دہری ذمہ داری ہوگی کہ میں اپنے وطن کے لئے جو عزت، شہرت بین الاقوامی سطح پر سمیٹ لایا ہوں اسے کم نہ ہونے دوں اور دوسری ذمہ داری فاہا جو کہ میری شریک حیات ہوگی اسے شکایت کا موقعہ نہ دوں۔

میں خواب دیکھنے کا بہت دلدارہ رہا ہوں ٹینس میں اعلیٰ مقام کا خواب دیکھا، ایک خوبصورت شریک حیات کا خواب دیکھا، اب 2012ء میں میرا خواب ہے کہ میں ٹاپ 10 ٹینس کھلاڑیوں کی فہرست میں آجاؤں، ڈبلز میں میری بھوپنا انڈین پلیئر کے ساتھ جوڑی ختم ہوگئی ہے، اب 2012ء میں پاکستانی کھلاڑی عقیل خان کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر نمائندگی کروں گا، جس طرح پوری پاکستانی قوم میرے لئے دعا گو ہوتی ہے وہ لمحات میں زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا، وہی دعائیں 2012ء میں بھی مجھے چاہئیں۔

نئے سال کے نئے خواب ہیں نئے موسموں کے گلاب ہیں
یہ محبتوں کے چراغ ہیں انہیں نفرتوں کی ہوا نہ دے

فلمسٹار صائمہ نور.....(اداکارہ)



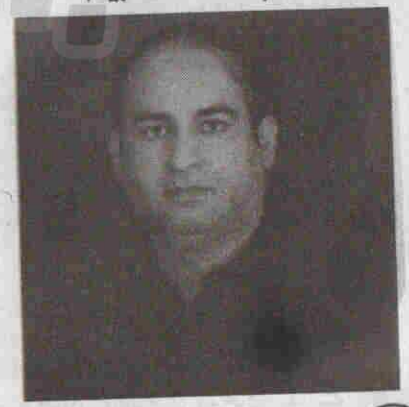
اہل وطن کو نئے سال کی ڈھیروں خوشیاں مبارک ہوں، برس ہا برس سے نئے سال کو خوش آمدید اور گزرے سال کو الوداع کہا جاتا ہے یہ رسم جہاں تکلیف دہ ہے وہاں خوشی کی نوید بھی لے کر آتی ہے کہ گزرے وقت کی یادیں ہمیشہ کے لئے امر ہو جاتی ہیں۔

میرے نزدیک نئے سال کی آمد بہت خوشگوار احساس لئے ہوتی ہے، جب امید ٹوٹنے کے قریب ہو تو نئے سال کی آمد پھر سے حوصلہ بڑھا دیتی ہے کہ ہم زندہ ہیں اور مایوسی گناہ ہے، میرا تعلق شوبز سے ہے اور آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ پاکستان میں فلم انڈسٹری کو کون لوگ تباہ کر رہے ہیں، اس وقت میری امید اور حوصلہ یہی ہے کہ نئے سال میں ہمیں یہ خوش خبری ملے کہ فلم انڈسٹری واپس ترقی کی راہ پر ہے، اس سال میری نئی تو نہیں البتہ گزشتہ تین سالوں سے وہ پرانی امید میری ہم سفر ہوگی۔

عجیب طرح سے گزری ہے زندگی اپنی
دلوں پہ راج کیا پھر بھی پیار کو ترسے

میجر (ر) کاشف اسلام (کنوینر ہفتہ روزہ انصاف ڈے، تجزیہ نگار)

نیا سال امن و آشتی کا پیغام لائے گا،



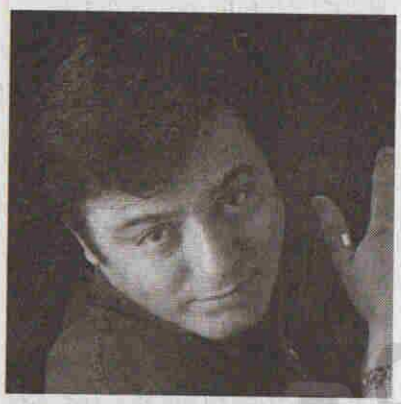
2012ء میں وطن عزیز کے ہر فرد کو شعوری آگہی دینا ہمارا مقصد حیات ہے، جن حالات میں ہم پاکستانی رہ رہے ہیں یہاں ایک ایسے رہبر کی ضرورت ہے جو پاکستان بلکہ پاکستان میں بسنے والے سبھی پاکستانیوں سے مخلص ہو، ہمارے حکمرانوں نے نئی نسل کو خوابوں کی دنیا میں رکھا، بے شمار عہد کیے اور پھر ان کو اپنے مفادات پر قربان کر دیا، آج کا نوجوان عملی سیاست میں شعوری طور پر آگے بڑھ رہا ہے، آج ہر پاکستانی ''انصاف سب کے لئے'' مانگ رہا ہے، شعوری طور پر نئی نسل بیدار ہو رہی ہے کہ باصلاحیت افراد کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان کے معاشرتی حقوق تسلیم کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔

2012ء میں پوری قوم کو امید رکھنا چاہیے کہ خدا پر توکل کے ساتھ ساتھ اپنی صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لانا ہوگا، تبدیلی کی بات ہر آدمی کرتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تبدیلی کے سفر میں ہمارا ہم سفر کون بنتا ہے، ماضی کے سبق کو یاد رکھو، لیکن جو غلطیاں ہوئی تھیں انہیں دہرانا ایسی غلطی ہوگی جس کا ازالہ ناممکن ہوگا، آج ایسے راہنما کا ساتھ دینا ہوگا جو لوگوں کو اندھیرے سے اجالے کی راہ دکھائے (آمین)۔

نعمان اعجاز.....(اداکار)

نئے سال کی آمد ہے، تمام قارئین کو میری جانب سے بہت بہت مبارک ہو، دعا کو ہوں کہ اس سال آپ سب کی دلی تمنائیں پوری ہوں اور آپ کے لئے یہ سال بہت یادگار رہے۔

ہم حد ماہ و سال سے آگے نہیں گئے
خوابوں میں بھی خیال سے آگے نہیں گئے
جو غلطیاں 2011ء میں سرزد ہوگئیں انہیں



دہرانے کے بجائے ان کو دور کرنے کی کوشش کریں کہ ہر گزرا ہوا دن ہمیں جو سبق دے رہا ہے اگر ہم اس کو نہیں سمجھ پا رہے تو اس کا مطلب ہے کہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ جو میری کمٹمنٹ تھیں وہ میں نے پوری کی ہیں 2012ء میں بھی انشا اللہ کامیابی میرا ساتھ دے گی میں نے ماضی میں جو سخت محنت کی ہے اس کا بہترین صلہ ملے گا (آمین)۔

راحت نصرت فتح علی خان.....(گلوکار)



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اللہ تعالیٰ اس نئے سال کو سب کے لئے مبارک کرے اور ہم بھی اپنے وعدے کا پاس رکھ سکیں۔

2011ء کا سال میری کامیابیوں کے تسلسل کا سال رہا، بے شمار گیتوں کو پذیرائی ملی آپ لوگوں نے جس طرح سراہا وہ میرے لئے خوشگوار احساس ہے، دیار غیر میں مسلسل کامیابی کے ساتھ سفر جاری رکھنا یہ صرف میرا کمال نہیں ہے آپ کی دعائیں اور رب کا کرم و فضل شامل رہتا ہے، بے شک وہی عزت دیتا ہے اور دعا کریں کہ میں ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتا رہوں۔

میری ہم وطنوں سے گزارش ہے کہ وہ کامیابی اور ترقی کے لئے صرف قسمت پر بھروسہ نہ کریں بلکہ خود بھی جدوجہد کریں ہمیں آپس کے اختلافات بھلا کر اپنے وطن کی سلامتی کو یقینی بنانا ہوگا۔

میری امیدیں صرف رب سے ہوتی ہیں 2012ء میں بھی میری امید یہی ہے کہ میں فن گلوکاری میں کچھ نیا کرنے کا جذبہ رکھوں گا میرے ساتھ جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ خود بھی تخلیقی کام کو نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ دوسروں کے کام کی تعریف کرنے میں بھی بخل سے کام ہیں لیتے۔

سعید واثق (آر جے ایف ایم 100 شاعر)

وقت کا کام گزرنا ہے اور وقت کی بساط کے آگے کسی کا زور نہیں یہ کبھی کسی کے لئے رکتا نہیں، وقت کے دھارے میں انسان بہتا چلا جاتا ہے، زندگی کے ہزاروں غم جو زیست کے لمحوں میں جینے کا حوصلہ دیتے ہیں، ان گزرتے ماہ و سال میں جانے کتنے ایسے لمحے آتے جن کو پا کر یوں محسوس ہوا، بس زندگی کی تمام تر خوشیاں، تمام تر رعنائیاں بس اسی ایک پل میں ہیں، مگر اگلے ہی پل وقت نے کروٹ لی تو احساس جاگا کہ زندگی کا سفر تو ابھی باقی ہے، جانے کتنے کام ہیں جو طاق نسیاں ہو چکے ہیں، جنہیں مکمل کرنا بہت ضروری ہے، گزرے سال کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اگر ہم وقت کی قدر و منزلت کو نہیں پہچانے تو یہ ہمیں چھوڑ کر بہت آگے بڑھ جائے گا اور ہم شکست خوردہ کھلاڑی کی طرح پیچھے رہ جائیں گے۔



2011ء میں بہت خواب یا سپنے سجائے لیکن اپنی فیملی اور شاعری پر فوکس رکھا، زندگی کے سفر میں ارادوں کو ٹوٹتے اور پھر مضبوط ہوتے بھی دیکھا، نئی امیدیں تو سنیں البتہ میرے خواب میری ذمہ داریاں ہیں جنہیں میں 2012ء میں احسن طریقہ سے مکمل کرنا چاہوں گا، ایف ایم کے ساتھ میری دلی وابستگی برقرار ہے اور میں آپ سب کے لئے ہمیشہ کچھ نیا کر سکوں یہ آرزو ہے، کامیابی کے لئے دعا شرط ہے اور اس دعا کے لئے میں آپ سے بھی کہوں گا۔

جہاں تک وطن عزیز کے حالات و واقعات کی بات ہے تو میرا عمل سیاست سے کوئی تعلق نہیں رہا، دعا گو ہمیشہ رہا ہوں کہ ہمیں اچھے رہبر ملیں اور ہمارا وطن ترقی کرے (آمین) شاعری میرا جنون ہے، ارادہ اور خواہش ہے کہ اس سال آپ کے لئے نئی کتاب مارکیٹ میں لے آؤں، یوں 2012ء میرے لئے یادگار ہو جائے، (انشا اللہ)

ایمان علی(ماڈل/ایکسٹریس)

گزشتہ تین سالوں سے پاکستان میں فیشن انڈسٹری نے جس طرح ترقی اور خوشحالی کے زینے طے کیے یہ بات میرے لئے بہت خوشگوار



ہے۔

خواتین میں سجنے اور سنوارنے کی خواہش اور آرزو صدیوں سے موجود ہے، گزشتہ سال پاکستان میں فیشن، بیوٹی، لائف اسٹائل گرومنگ اور ان شعبوں میں ہونے والی ترقی سے آشنائی کے کئی در وا ہوئے، میں سمجھتی ہوں کہ فیشن انڈسٹری میں پاکستان دنیا کے دس بہترین فیشن انڈسٹری کے ممالک کی صف میں شامل ہے، آج میڈیا کی وساطت سے خواتین کو بہترین راہنما اصول میسر ہیں 2012ء میں میری نئی امیدیں یہی ہیں کہ فیشن انڈسٹری مزید ترقی کرے اور ہم اس کے لئے جس طرح ایک ہو کر کام کر رہے ہیں وہ جذبہ اور لگن سلامت رہے، آپ اس سال دیکھیں گے کہ ہم سماجی، معاشی اور سیاسی میدانوں میں مستقل مزاجی کی وجہ سے اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کریں گے۔

میں 2012ء میں زیادہ محنت کر کے بہترین کامیابی حاصل کرنا چاہوں گی، اس سال میری نئی فلم بھی ریلیز ہوگی اور میں سال کے وسط تک فیشن انڈسٹری سے ایک بار پھر جڑ جاؤنگی اور ایک بار پھر کامیاب ماڈل کہلاؤں گی۔

پھر نیا سال آیا ہے
ایسے میں
خوشیوں کے بیش بہا
خزانے لٹائی
مسرت بھری میری آنکھیں
کہہ رہی ہیں
نیا سال مبارک ہو

☆☆☆

ایک تصحیح

اکتوبر 2011ء کے شمارے میں ایک افسانہ "چوکھٹ" کے نام سے شائع ہوا تھا جس پر غلطی سے قراۃ العین رائے کا نام شائع ہو گیا جبکہ یہ تحریر تسکین زاہد خان کی تھی، ادارہ اس غلطی پر تسکین زاہد خان سے معذرت خواں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



دستانِ سمِ اژدہا

فوزیہ غزل

بارہویں قسط کا خلاصہ

ماریا کو اقدامِ قتل کو اقدامِ قتل کے جرم میں پولیس کسٹڈی میں رکھا جاتا ہے جہاں ماہر نفسیات اس کی ذہنی و دماغی حالت پہ لیڈی ایلون سے تفصیلی گفتگو کر کے اس کے مستقل علاج کا مشورہ دیتے ہیں۔

صبا شہریار سے ملتی ہے، تو سنعیہ کے انکار اور رویے پہ متاسف ہوتی اسے سمجھانے کا وعدہ کر کے شہریار کو تسلی دیتی ہے

وہاج حسن اریبہ کے گھریلو حالات اور جاب کے فیصلہ پر اپنے آپشنز دیکھتا کشمکش کی کیفیت میں تائید کرتا پھر انکار کا سوچ لیتا ہے، لیڈی ایلون ماریا کو اپنے دماغی خلل کا علاج کروانے پہ مجبور کرتی ہے تو وہ ترش انداز میں بدتمیزی کا مظاہرہ کر کے لیڈی ایلون سے تلخ کلامی کرتی ہے لیڈی ایلون دکھ غصہ سے ناراض ہو کر اس سے ہر رابطہ ختم کر کے جیل میں تنہا چھوڑ جاتی ہے۔

صبا، سنعیہ کے رویے اور رشتے سے انکار کو زیرِ بحث لا کر خفگی و غصہ سے اس کی خوب کھنچائی کرتی ہے۔

لیڈی ایلون کے چلے جانے سے ماریا کا ڈپریشن مزید بڑھ جاتا ہے۔

ماہر نفسیات کیتھرین ڈیوڈ اور ڈاکٹر جان پیٹر پولیس آفیسر کے ساتھ نشست میں ماریا کا علاج اس کی بے خبری و لاعلمی میں بذریعہ دوستی و اپنائیت کرنے پہ متفق ہو جاتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

تیرھویں قسط



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ تم ہی نے بتایا تھا مجھے زندگی سانحہ نہیں ہوتی
ہر قدم پھونک کر رکھنا ہر گلی راستہ نہیں ہوتی

وہاج جس نے بڑے دلکش انداز میں شعر پڑھتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھی خوبصورت لڑکی کو دیکھا تھا، جس کے معصوم خدوخال میں ناگواری کا تاثر بڑے واضح انداز میں ابھرا تھا۔

''دیکھو وہاج! میں بچی نہیں ہوں جسے انگلی پکڑ کر تم چلنا سکھاؤ گے غلط اور صحیح راستے کے متعلق بتاؤ گے گو کہ میں نے بہت لمبی عمر نہیں گزاری کوئی بڑا تجربہ نہیں ہے میرے پاس لیکن اتنی صلاحیت ہے کہ اگر میں کوئی فیصلہ لوں یا راستہ چنوں تو اس کے Right یا Rong ہونے کے متعلق درست Jugment کر سکوں۔''

''مطلب کیا ہے تمہاری بات کا۔'' وہاج نے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔

''وہی مطلب ہے جو تم سمجھے ہو۔'' وہ بیزار لہجے میں بولی۔

''یعنی تم اپنی مرضی کرو گی۔''

''کم آن وہاج! تم میری ٹینشن سے بخوبی واقف ہو، ہماری زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں ہمارے معاملات بگڑ چکے ہیں ہمارے ذہن و دماغ ڈسٹرب ہیں، ہمارے لئے کہیں کوئی لمحہ سکون کا نہیں۔''

''تو تم یہ سکون جاب کے ذریعے حاصل کرنا چاہتی ہو۔''

''پہلے میری بات سن لو تم پھر بولنا کیونکہ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔'' اور وہاج اس کی ٹینشن سے واقف تھا سو خاموشی سے دیکھ کر رہ گیا۔

''جاب اس وقت مجبوری سے زیادہ میری ضرورت ہے کیونکہ جو نقشہ ہمارے معمولات کا بن چکا ہے اس ماحول میں اگر میں کچھ دن اور رہی تو Belive me وہاج میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''تمہارا واقعی بہت آسرا ہے مجھے، مگر یہ ناکافی ہے امی کا علاج مجھے مستقل کروانا ہے ورنہ پھر بہت مشکل ہو جائے گا، یہ سب کیونکہ ان کا مرض روز بروز بگڑتا جا رہا ہے اوپر سے حالات کٹھن تر ہو رہے ہیں شہباز کا کیریئر جو یہ اور ربیعہ کے تعلیمی اخراجات اپنا بڑا کوئی سر پر نہیں ایسے میں حقیقت سے انحراف اور مصلحت کی انگلی تھامے رہنا ٹھیک نہیں سب کا رویہ بدل گیا ہے، اپنوں کا تو ساتھ رہا ہی نہیں صرف ایک خالہ کا گھر ہے وہاج تم ہو اور میں سب کھو کر یہ آخری ٹھکانہ بھی کھونا نہیں چاہتی جانے آگے ہمارے ساتھ کیا کیا ہوگا حالات کو اپنے بس میں کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ میں کچھ ہاتھ پاؤں ہلا لوں۔'' وہاج نے کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر خاموشی سے دیکھا تھا اسے۔

''ہمارے گھر میں ایک نہیں کئی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں، مجھے مطلق فکر نہ ہوتی اگر بات صرف میری ہوتی کیونکہ خود پہ کوئی تلخ بات، تلخ قدم، دشواری میں جھیل سکتی ہوں، مگر اپنے بہن بھائیوں کے کیریئر آپشنز بدلتے دیکھوں اور مصلحت کا لبادہ اوڑھ لوں، اپنی امی کو لمحہ لمحہ موت کے منہ میں جاتے دیکھوں اور کچھ نہ کروں یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا بالکل بھی نہیں۔'' ٹپ ٹپ، ٹپ کتنے آنسو اس کی پلکوں کی باڑھ پھلانگتے بے تابی سے باہر نکلے تھے۔

''اریبہ میں ہوں ناں تمہارے لئے سب کر سکتا ہوں، سب سہہ سکتا ہوں، تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ زندگی کا جو تیرہ اب بن گیا ہے یہ یکسر ٹھیک نہیں ہو سکتا نہ تم اکیلی یکدم حالات بدل سکتی ہو، ہاں جس حد تک اور جتنا تمہارے گھر کے لئے ہو سکتا ہے وہ میں کر رہا ہوں اور پہلے سے بڑھ کر کروں گا، مگر جاب کے لئے تمہارا مارے مارے پھرنا، اچھی بری نظروں کی زد میں آنا یہ نہیں قبول مجھے۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''تمہاری سوچ بہت دقیانوسی ہے، تم کیا سمجھتے ہو میں جو اتنے سالوں سے محبت کے راستے پر تمہارا ہاتھ تھامے چلتی رہی ہوں، میری محبت کے آپشنز بدل جائیں گے، نہیں وہاج، محبت کے جو راستے تمہارے لئے ہیں ان کے ہر موڑ پر صرف تمہاری چاہ کا موسم بسیرا کرے گا، جس رنگ میں روح تمہارے سنگ رنگ چکی ہے وہ رنگ اتنا کچا نہیں کہ ایک ہی بارش سے دھل جائے۔''

''اریبہ سچ تو یہ ہے کہ محبت کو بہت یقین کے ساتھ اپنے دل پہ اتارتے، جھیلتے، گزارتے رہنے کے باوجود بے یقینی کا اک خوف، اک دھڑکا ہر پل لگا رہتا ہے اور انسان کبھی بھی بہت Hopefull ہو کر اپنے لئے رائے نہیں دے سکتا۔''

''محبت کے لئے رائے دی نہیں جا سکتی کیونکہ یہ ہر قسم کے نتائج سے بے پرواہوتی ہے پھر یہ مصلحت پسندی کی راہ بھی نہیں دیکھتی اپنی شدت کے باعث۔''

''دیکھو اریبہ محبت ایک الگ بحث ہے اور تمہارے حالات دوسرا معاملہ ہیں جس پہ قائل ہونے کے باوجود میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' وہ جس قدر سنجیدگی سے بولا تھا اریبہ کو اسی قدر غصے کے ساتھ دکھی بھی ہوا تھا اور اسی دکھ کے زیر اثر وہ بولی تھی۔

''میں نے تم سے مدد مانگی بھی نہیں، میں صرف اپنا فیصلہ سنا رہی ہوں تمہیں۔'' وہاج حسن کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی اور جانے کیا ہوا تھا کہ اریبہ کی آنکھوں کے سامنے کے منظر دھندلانے لگے تھے، وہاج نے اس کی گھنیری پلکوں پہ اٹکے شفاف قطروں کو انگلیوں کی نرم پوروں پہ لیا تھا اور چہرے کا تبسم کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

''بس اتنا ہی حوصلہ تھا اور نکل رہی ہو دنیا فتح کرنے، قسمت آزمانے اس راہ میں تو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے تم تو ذرا سا مذاق نہیں سہہ پا رہی ہو زندگی کی تلخیوں کو کیسے سہو گی؟'' اریبہ کی تحیر بھری نگاہیں اسے شکوہ کناں انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

''میں تمہارا ساتھ دیتا رہوں گا اور یہ بھی چاہوں گا کہ زندگی کے متعلق جو بھی فیصلہ کرو، جو بھی اقدامات کرو سوچ سمجھ کر، اس لئے نہیں کہ مجھے تم سے محبت ہے بلکہ اس لئے کہ میں تمہیں زندگی سمجھتا ہوں اپنی اور اپنی زندگی مشکلات میں گھری ہوئی کسے اچھی لگتی ہے، بلکہ ہر شخص اپنی زندگی کا چہرہ تروتازہ اور ہشاش بشاش دیکھنا چاہتا ہے، ایک بات یاد رکھنا میں ہر حال میں، ہر وقت تمہارے لئے بہت Carong.Loving.Fathfull رہوں گا اکنامی کلی بھی اور ایموشنلی بھی۔'' وہ بڑے مضبوط اور توانا لہجے میں کہہ رہا تھا جسے اریبہ نے بہ غور دیکھا تھا سنا تھا۔

''حالات سے نبرد آزما ہونے اور نمٹنے کی بات ہے تو ایٹ لیسٹ تمہارا رویہ ظاہر کرتا ہے تم واقعی کسی نتیجہ خیز موڑ پر پہنچ چکی ہو اور تمہیں صرف تھوڑا سا تعاون اور تھوڑی سی رہنمائی چاہیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Iam right?" وہ اس کی غلافی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا، اریبہ نے چونک کر کچھ مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"Thats a good girl۔" وہ بڑے پھر پور انداز میں مسکرایا اور بولا تھا۔

"یہ جو اتنے بڑے بڑے فیصلے ہوتے ہیں ناں، اتنے قلیل لمحوں میں نہیں کیے جاتے، کیونکہ قلیل لمحوں کے فیصلے بعض اوقات نہ تو آگے بڑھنے کا راستہ دیتے ہیں نہ پیچھے پلٹنے کا موقع اور زندگی کے فوری فیصلوں کے اسباب کا پہلے سے ادراک بھی نہیں ہو پاتا، بہتر ہوگا تم بھی بہت سنجیدگی سے سوچو ابھی کچھ عرصہ اور پھر فیصلہ لینا، میرا ابھی یہ ماہ بہت مصروفیت بھرا ہے اور تم اپنے فیصلے پر قائم رہیں تو فارغ ہوتے ہی میں خود تمہارے لئے جاب تلاش کرلوں گا، سو ٹیک اٹ ایزی۔" اس کا گلابی رخسار نرمی سے تھپکتا خاص انداز میں دیکھتا بہت توجہ سے کہتا وہ کتنا اپنا لگا تھا، کتنا اچھا لگا تھا محبت بھرے پر رونق لمحے اس کی پلکوں پہ حیا بن کر چمکے تھے کتنے ہی سپنے، کتنے ہی وعدے خود بخود ان کہی کے بعید میں چھپے مہکی فضا کے سپرد ہونے لگے۔

کل رات میرے دھیان میں تم تھے
تحریر میں تم تھے میرے وجدان میں تم تھے
آہٹ تھی کہ بے تاب کیے دیتی تھی مجھ کو
احساس یہ کہتا تھا کہ دالان میں تم تھے
گو اجنبی دستک تھی مگر میں نے در جاں
یہ سوچ کے کھولا تھا کہ امکان میں تم تھے
میں کیا کہ ستاروں نے بھی جھپکی نہ تھیں آنکھیں۔
کل شب شب مہتاب تھی اور لان میں تم تھے

☆☆☆

رشتے وہی اچھے لگتے ہیں جو چاہت اور اپنائیت کا احساس دلائیں تعلق وہی خوبصورت ہوتے ہیں جو دل و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں جذب ہو کر اپنے سارے دلکش رنگ قوس وقزح کی مانند زندگی کے راستے پر بکھیر دیں، اسے رشتے بھی ملے تھے تعلقات بھی میسر تھے ہاں مگر اپنی ہستی کا قرار کائنات کی حقیقت اور جدائی کی پہچان کے راستے پر نکلتے سے رشتے چھوٹے پھر تعلقات میں دڑاڑیں پڑیں اور آخر میں اس کے یقین کا سفر اک خاموش ویران، ہیبت ناک سناٹے میں گھر گیا۔

ایسا سناٹا جو صرف راستوں پر نہیں بلکہ دل و دماغ کی تمام حسیات پہ چھا گیا تھا اور بہت تپتے سلگتے حالات میں بھی نرم چھاؤں کا احساس دیتا جو اک آخری آسرا اسے میسر تھا وہ بھی ہاتھوں سے پھسل گیا۔

"لیڈی ایلون کہاں ہو تم؟ دیکھو لوٹ آؤ میں بہت مشکل میں ہوں، مجھے ضرورت ہے تمہاری، پلیز آجاؤ لیڈی ایلون پلیز آجاؤ۔"

"تم جانتی ہو ناں، مجھے سب نے چھوڑ دیا ہے، میرا کوئی نہیں جو مجھے اس قید خانے سے چھڑا

کر لے جا سکے، اگر تم نے میرا خیال نہ کیا تو میں انہی سلاخوں میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی۔" اپنے دونوں ہاتھ جوڑے وہ بڑبڑا رہی تھی آنسو لگاتار اس کی نیلی آنکھوں سے بہہ رہے تھے بہت کرب، ڈر اور خوف کے آثار تھے اس کے چہرے پر۔

"کیوں بنائی میری ایسی قسمت، کیوں کیے میرے ساتھ یہ دکھ درد کیوں مذاق بنا دیا میری زندگی کو، کیسا بدلہ لیا ہے میرے مالک مجھے بتا تو، کس دکھ کا چہرہ پہنا دیا جو اترنے کا نام ہی نہیں لیتا، جو زندگی تو نے مجھے عطا کی ہے کیا اس سے زیادہ بھی بے اعتبار یا بے وفا کوئی شے ہے میں کتنا بھاگی اپنے خواب، اپنے مقصد کو لئے اس کی تلاش میں، اس کی حقیقت جاننے اور اس نے آخری لمحے تک مجھے خبر نہ ہونے دی یہ میرے ساتھ کیا کرنے والی ہے، اس پاگل پن، جنون اور ہیبت ناک خوف میں مجھے مقید کر دیا کہ یہاں سے رہائی کا راستہ بھی نہیں دکھتا۔" وہ اب اپنے پیدا کرنے والے سے شکوہ کناں تھی۔

"لیڈی ایلون میں پاگل ہوں تم سچ کہتی تھیں میں واقعی پاگل ہوں اگر میں ہوش وحواس میں ہو سکتی تو بھلا تمہیں یوں غلط سلط الفاظ بول کے اپنی زندگی سے جانے دیتی ایک تم ہی تو میری کل کائنات تھیں، میرا ہر رشتہ، ہر تعلق تم سے وابستہ تھا اور تم مجھے سب سے زیادہ جانتی تھیں میرے آئیڈیاز، میرے ڈریمز، میرے ویوز میرے آئمز تم ہی سمجھتی تھیں آج کل جو مجھ سے ہو رہا ہے جو میں بولتی ہوں کرتی ہوں وہ سب ڈپریشن اور اسٹریس کے باعث ہوتا ہے میرا لہجہ میرے الفاظ میرا دماغ میرا ذہن کچھ بھی تو میرے کنٹرول میں نہیں رہتا۔"

"پھر تم نے کیوں اتنا اثر لیا کیوں بات مانی میری کیوں مجھے تنہا چھوڑ کر میری زندگی سے نکل گئیں، تم اتنا تو سمجھتیں یہ سب میں نے پاگل پن میں کہا تھا تم اتنا سمجھتیں اتنا تو سمجھ لیتیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"اگر پرندے کے پر کاٹ دیئے جائیں تو وہ اڑان سے محروم ہو جاتا ہے اور انسان اپنے حقوق حاصل نہ کر سکے تو اس کا غم و غصے سے بے قابو ہو جانا یقینی بات ہے اور اس کا بھی یہ عمل قطعی غیر فطری نہیں ہے، تنہائی اور بے چارگی کے احساس کے ساتھ اس نے ڈپریشن کی جن گہرائیوں کو چھوا ہے اس کا اثر اتنا پریشان تو رکھے گا کیونکہ ہر عمل کا اک ردعمل ہوتا ہے، دماغی چپقلش، ذہنی تناؤ اور ٹینشن ذہن خالی کرنے کا باعث بنتے ہیں اور زندگی کے رجحان کا کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔"

کیتھرین ڈیوڈ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تھا اور کچھ دیر گھٹنوں پر سر رکھے روتی ماریا کو بہ غور دیکھتی رہی پھر پولیس سارجنٹ کو اشارہ کیا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر قید خانہ کی بیرک کا دروازہ کھولے۔

دروازہ کھلنے پہ وہ چھوٹے قدموں سے چلتی آگے آئی ماریا کے شانے پر بڑی نرمی اور حوصلہ آمیز انداز میں ہاتھ رکھا تھا، جس کا دباؤ محسوس کر کے ماریا نے چہرہ اوپر اٹھایا تھا، سرخ وسفید چہرہ شدت جذبات سے بوجھل اور آنسوؤں سے تر بتر تھا سر کے بال بھی اڑ اڑ کر آنسوؤں سے چپکے رخساروں پر جمے تھے، آنکھیں سوجی ہوئی ویران خالی بہت کچھ کھو دینے کا احساس آنکھوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واضح چھلک رہا تھا۔

''ہیلو ماریا، آئم کیتھی کیتھرین ڈیوڈ میں Women cell کے تحت ایک رجسٹرڈ آرگنائزیشن چلاتی ہوں، ایسی عورتیں جو بالکل بے سہارا ہیں اور کسی جرم یا بنا جرم کے پولیس کسٹڈی میں آ پھنستی ہیں، وہاں ان کی کوئی ہیلپ کرنے والا نہیں ہوتا، ایسی عورتوں کے کیس داخل ضمانت کر کے میں خارج کرواتی ہوں۔''

ماریا نے یہ سب کچھ جیسے بہت غائب الذہنی کے عالم میں سنا تھا وہ کیتھی تھی یا کیتھرین ڈیوڈ اور یہ سب کرتی تھی تو وہ کیا کرتی، اسے کیا فرق پڑتا تھا، اسے صرف اپنے آپ سے غرض تھی جس کی سننے والا اور مصیبت سے چھڑانے والا شاید کوئی نہ تھا۔

''میں اکثر آتی رہتی ہوں یہاں، اب آئی تو تمہارے بارے میں پتا چلا۔''

''کیا پتا چلا یہی کہ میں پاگل ہوں میرا مذہب، زندگی، رشتے کسی چیز پہ ایمان نہیں اور اپنے اسی ضدی خودسر رویے کے باعث سب کو کھو چکی ہوں ہر راستہ گنوا چکی ہوں، سب جو میرے بہت اپنے تھے مجھے چھوڑ کر جا چکے ہیں۔'' اس نے بہت تلخی سے کہا تھا اور سر پھر سے گھٹنوں پہ جھکا لیا تھا۔

''ماریا دنیا میں کوئی غروب آخری غروب نہیں ہوتا ہر غروب کے لئے ایک نیا طلوع مقدر ہے بشرطیکہ انسان اپنی شام کو دوبارہ صبح میں تبدیل کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، تم بھی اپنی زندگی کی خوشیاں اپنی ذات کا اعتماد چاہتی ہو، تو بھروسہ کرنا پڑے گا خود پہ اور دوسروں پہ۔'' کیتھی نے نرمی سے کہا تھا۔

''اعتماد، بھروسہ پہلے کیا دیا ہے ان چیزوں نے مجھے میرا سب کچھ انہی لوگوں نے چھینا جن پہ مجھے بھروسہ تھا۔'' اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا مگر الفاظ کاٹ دار تھے۔

''لیکن وہ سب لوگ تمہاری پچھلی زندگی کا حصہ تھے جو آنے والی زندگی میں کہیں نہ ہوں گے جو ہوا، جو سہا سب اک بھیانک خواب تھا، اسے خواب کی مانند ہی بھلا دو۔''

''کیا بھلانا اتنا آسان ہے، کیا خواب، مقاصد، جذبے ان سب کی بے قدری، اپنی ذات رد کیا جانا، ایک وہ زندگی، وہ شب و روز میرے معمول کا حصہ بنے جنہوں نے میری میموری اذیت میں دھکیلا میرے دل کو توڑا، میں وہ سب ایک بار کہنے میں بھلا دوں، نہیں یہ سب آسان نہیں ہے۔''

''میرے والدین جو میری مرضی کے بغیر، مجھے دنیا میں لائے، پھر سات سال کی عمر میں لیڈی ایلون کو سونپ کر خود مصروفیت کے مزے لوٹتے رہے، جوان ہونے پر، باوجود میرا میچیور لیول دیکھتے، ذہنی میلان بدلتے پا کر سب جانتے بوجھتے چھوڑ گئے اپنے اپنے اغراض کے لئے مجھے عمر بھر رلانے کے لئے تو یہی اک بات کافی ہے میں اسی دکھ کو نہیں بھول سکتی باقی سب کیسے دوں۔'' اس نے بہت بے دردی سے رخساروں کو رگڑتے ہوئے بہتے آنسو صاف کئے۔

''بری یادیں ہمیشہ سلگتے انگاروں جیسی ہوتی ہیں، وقت بے وقت کوئی نہ کوئی چنگاری ان اڑتی اور سلگتی رہتی ہے کبھی دامن جلاتی ہے کبھی دامن دل۔'' اس کا لہجہ فلسفیانہ تھا کیتھرین ڈیوڈ

کچھ دیر اسے دیکھا تھا پھر اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولی۔

''پتھروں سے واسطہ پڑے یا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر رکتا نہیں، اس میں کہیں تلخی آ بھی جائے تو نظر انداز کرنا پڑتا ہے کیونکہ تلخی حالات کی پیدا کردہ ہوتی ہے حالات معاشرے سے جنم لیتے ہیں اور معاشرہ ہم لوگوں سے بنتا ہے اور وہ تلخی بھی ہماری دین ہے۔''

''لیکن میں نے تو کسی کے ساتھ برا نہیں کیا اپنی طرف سے بہت سنبھل کر رہی بہت محتاط پھر بھی سب نے میرے ساتھ برا کیا۔''

''یہ تو تم کہتی ہو ناں، جو روز بھی تمہاری زندگی کا حصہ تھے تمہاری معمولات میں شامل تھے تمہارا طرز عمل، بدلتا رویہ، رہن سہن، ضدی اور خودسر رویہ یقیناً ان لوگوں کو بھی تم سے بہت شکایات ہوں گی جو وہ تمہارے سامنے ہی سہی مگر آپس میں ایک دوسرے سے ضرور کرتے ہوں گے۔''

''کیا ایسا ہو سکتا ہے۔'' اس نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

''ہاں یقیناً ایسا ہی ہے ہمارا رویہ بہت سے لوگوں کو بہت سی کامیابیوں کو ہمارے نزدیک بھی کرتا ہے اور دور بھی یہی اصل حقیقت ہے جس پہ تمہیں یقین لانا ہوگا حقیقت سے فرار تمہارے لئے کامیابیوں کے دروازے بند کر دے گا، حقیقتوں سے مقابلہ کرنا سیکھو، کیونکہ تمہیں انہی حقیقتوں کے درمیان رہنا ہے، پھر ماضی اور حال خواہ کتنا تکلیف دہ ہو، اپنے آنے والے کل سے ہمیشہ روشن امید رکھنی چاہیے۔'' ماریا نے اپنی نیلے کانچ جیسی آنکھیں تحیر و استعجاب سے وا کرتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھی کیتھرین کو دیکھا تھا۔

''جانتی ہو خوش امیدی ایک ''ماسٹر کی'' ہے جس سے ہر بند دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔''

''کیا اس قید خانے کا دروازہ بھی کھل سکتا ہے۔'' اس نے بہت آس سے پوچھا تھا۔

''کیوں نہیں اور صرف اس قید خانے کا نہیں تمہاری زندگی کی گمشدہ خوشیوں کا، کامیابیوں کا ہر دروازہ کھل جائے گا بشرطیکہ تم اپنے اندر حوصلہ، لگن اور امید زندہ رکھو اور وعدہ کرو تم ایسا کر کے دکھاؤ گی۔''

کیتھرین اپنا ہاتھ پھیلائے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، ماریا نے ذرا سا مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ اس کے پھیلے ہاتھ پر رکھا تھا اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت سے بھیگی آنکھیں صاف کیں کیتھرین اپنی اس پہلی کامیابی پر بے ساختہ مسکرا اٹھی اور ماریا کو اپنے شانے سے لگا کر دوستی، حوصلہ اور تحفظ کا بھرپور احساس دینے کی کوشش تھی، اب یہ آنے والا وقت بتاتا کہ وہ اپنی کوشش میں کتنی کامیاب تھی۔

☆☆☆

سلعیہ علی سر جھکائے بیٹھی تھی اور شائستہ بیگم اسے کڑی نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔

''ذرا بھی نہ سوچا تم نے کہ شہریار تمہارے منہ سے یہ بکواس سن کر کیا محسوس کرے گا، کیا آیا ہو گا اس بچے کے دل میں۔''

''اس کے دل کی کتنی فکر ہے آپ کو اس اٹھائیس سالہ بچے کی بات کتنے تردد سے کر رہی ہیں اور میں جو آپ کی بیٹی ہوں سگی بیٹی اس کی کوئی فکر نہیں اور جب میرے لئے کسی نے ذرا نہ سوچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے احساسات کو نہ سمجھا تو میں کیوں فکر کروں اس کی۔"

"اپنا طرز تخاطب درست کرو سعدیہ جس کے متعلق تم بات کر رہی ہو وہ کا بچہ نہیں منگیتر بلکہ شوہر ہے تمہارا نکاح میں ہو تم، اس کے متعلق کوئی بھی بات کرتے ہوئے یہ دھیان میں رکھا کرو کہ تمہارا اس سے رشتہ کیا ہے۔" شائستہ قدرے ناگوار لہجہ میں بولیں تو وہ جانے کس دل سے برداشت کا مظاہرہ کر گئی اور سر جھکا لیا، تاہم کچھ دیر بعد بولی تو لہجہ بھرا گیا۔

"یہ رشتہ ہی تو یاد رکھنا نہیں چاہتی میں اور آپ بھی پلیز یہ مجبوری اور بے بسی کے طوق مت ڈالیں میرے گلے میں۔"

"اگر میں یہ بات جا کر تمہارے باپ کو بتا دوں تو زندہ زمین میں گاڑ دے گا تمہیں، جانتی ہو تم اچھی طرح کہ اصولوں اور زبان کے معاملے میں کتنا سخت ہیں وہ، نہ خود دی ہوئی زبان سے پھرتے ہیں نہ اگلے بندے کو پھرنے دیتے ہیں، خواہ سامنے ان کی لاڈلی اور سگی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔" ان کا لہجہ درشت تھا، سعدیہ نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر چہرے کا رخ پھیر لیا، وہ خود اپنے باپ کی طبیعت سے بخوبی واقف تھے آخر پٹھان تھے وہ بھی روایتی حاکمیت زدہ اور جاگیردرانہ پس منظر رکھنے والے۔

"دیکھو سعدیہ تم بیٹی ہو میری اور مجھے دنیا میں تم سب سے زیادہ عزیز ہو۔"

"اور مجھ سے بھی زیادہ عزیز شہریار ہے کیونکہ لے پالک ہونے کے باوجود بالکل سگی اولاد جیسا پیار وصولتا ہے اور میں آپ کی کوکھ سے جنم لینے کے باوجود سوتیلی ہوں....." اس کے آنسو بہنے لگے اور جذبات لہجے پر غالب آ گئے تو وہ لب بھینچ کر چہرہ جھکا گئی۔

"سعدیہ بی ہیو یور سیلف ماں کا جذبہ اور محبت ماپی جا سکتی ہے نہ کیلکولیٹ ہو سکتی ہے تم بھی خوامخواہ کے وہموں اور جیلسی میں مت پڑو، ماشاءاللہ جوان ہو باشعور ہو ذرا سی بات پر رونا اچھا لگتا ہے اور رونے سے کیا مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔"

"مما آپ کے لئے یہ ذرا سی بات ہے اور میری پوری زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔"

"اپنی زندگی کے معاملات تم خود بگاڑ رہی ہو، یاد رکھو بیٹی یہ جو رشتے ہوتے ہیں نا یہ ہمارے معاملات و زندگی کو جوڑ کر سلیقے اور قرینے سے رکھتے ہیں انہیں کسی صورت بکھرنا نہیں چاہیے اگر یہ بکھر جائیں تو زندگی کا ہر انداز بکھر جاتا ہے پھر رشتوں کو، زندگی کو سمیٹنا بہت دشوار ہوتا ہے، حوصلوں سے پہلے سانسیں تھک جایا کرتی ہیں۔" شائستہ اس کے سیاہ سلکی بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔

"مما یہ رشتہ نہیں مجبوری اور بے بسی کا سودا ہے اور مجھے مجبوریاں سنبھالنے کا فن نہیں آتا نہ بے بسی کا اشتہار بنی عورت اچھی لگتی ہے۔"

"اتنی جذباتیت سے مت سوچو ٹھنڈے دل سے اس سارے معاملے پر غور کرو گی تو خود بھی اسٹریس سے نکلو گی، اسے بھی ٹینشن سے آزاد کرو گی۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر ماں کو دیکھا تھا صرف، بولی کچھ نہیں۔

"شہریار صرف خاندان کا نہیں ہمارے پورے سرکل کا بہترین لڑکا ہے، کوئی خامی نہیں اس

میں جبکہ آج کل کے لڑکے سو بری عادتوں کا شکار ہیں ایسے میں ہر جگہ شہریار کے کردار کی مثالیں دی جاتی ہیں۔"

"مما آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ مجھے اس کی خوبیوں اور خامیوں سے کوئی مطلب نہیں، کیونکہ مجھے اس سے شادی ہی نہیں کرنی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"شادی تو تمہاری ہو چکی ہے صرف رخصتی باقی ہے۔" وہ بھی اس لب و لہجہ میں بولیں۔

"کسی صورت نہیں مانتی میں اس رشتے کو جو میری لاعلمی میں، میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے صرف آپ لوگوں نے اپنی پسند اور مرضی سے طے کیا۔" وہ بدتمیزی سے بولی۔

"زبان سنبھال کر بات کرو سعدیہ اور خبردار جو اس لہجہ میں بات کی، ایک تو اتنا کوالیفائیڈ اور بہترین لڑکا بیٹھے بٹھائے مل گیا اوپر سے نوابزادی کے مزاج ٹھکانے نہیں آتے۔" اس کا لہجہ طیش زدہ تھا۔

"تو اسی لئے کہہ رہی ہوں نا، اتنے بہترین لڑکے کے لئے کوئی بہترین لڑکی دیکھ لیں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اور کوئی بات نہیں۔"

"تو اس خراب دماغ والی کو بخشتیں کیوں نہیں آپ، کیوں اس رشتے پر حامی بھروا رہی ہیں جو میں قائم نہیں رکھنا چاہتیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"کیوں..... کیوں؟ قائم نہیں رکھنا چاہتیں۔" شائستہ بالکل اس کے سامنے آ رکی تھیں اور غصے سے سلگتی نگاہوں کے حصار میں لے لیا تھا اسے۔

"ہمارے خیالات نہیں ملتے، ہمارے ذہن مختلف ہیں ہماری سوچوں میں فرق ہے ہم آپس میں کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔"

"کیا واقعی بات صرف خیالات اور سوچوں کے تضادات کی وجہ ہے کچھ اور تو نہیں سبب، تمہارے انکار کے پیچھے۔" وہ کھوجتی، ٹٹولتی نگاہوں سے بیٹی کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"مما یہی وجہ ہے اور وجہ کیا ہونی ہے، آپ کو نہیں پتا اگر میاں بیوی میں انڈر اسٹینڈنگ نہ ہو تو گھر ٹوٹ جاتے ہیں زندگیاں برباد ہو جاتی ہیں۔" وہ انہیں قائل کرنے کی کوشش میں اپنے الفاظ پہ زور دیتے ہوئے بولی تاکہ وہ اس کی حمایت میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔

"سعدیہ انڈر اسٹینڈنگ نہ ہونا کوئی معقول وجہ نہیں ہے پچھلے زمانوں میں بنا دیکھے دکھائے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے جیون ساتھی بنا دیے جاتے تھے اور پہلے سے کوئی انڈر اسٹینڈنگ نہ ہونے کے باوجود بہت کامیاب زندگی گزارتے تھے۔" وہ سنجیدہ لہجہ میں بولیں۔

"کیونکہ ان کے پاس دوسرا کوئی آپشن نہیں ہوتا تھا جو ہے جیسا ہے سب قبول ہے کہ بنیاد پہ وہ لوگ ساتھ رہتے تھے اور ساتھ رہنے کو یقیناً کامیابی کی دلیل نہیں مانا جا سکتا۔"

"تو کیا تمہارے پاس "دوسرا آپشن" موجود ہے۔" شائستہ بیگم نے بہت تیزی سے اور بلا تمہید ایسے صاف انداز میں پوچھا تھا کہ وہ اچھل ہی تو پڑی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنے صاف انداز میں ایسی بات اتنی ڈائریکٹ پوچھ سکتی ہیں، تو فوری طور پر کوئی جواب بھی نہ سوجھ سکا پھر بھی چند لمحوں پر خود کو سنبھالتے ہوئے بڑے ہموار لہجے میں بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مما آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں، کیا آپ کو معلوم نہیں میں کیسی ہوں۔''

''تم ایسی باتیں خود کروا رہی ہو۔''

''بس مما! آپ میری مدر ہو کر برابر مجھے الزام دیے جا رہی ہیں اور وہ آپ کا لاڈلا شہریار ایسے کون سے ہیرے جڑے ہیں اس کے کردار میں جو اتنا ریلیف مل رہا ہے اسے اور میں اتنی فالتو ہوں کہ جو چاہے کرتے جائیں میری خوشی میری مرضی کی کسی کو پروا نہیں۔'' اس نے پھر آنسو بہانے شروع کر دیے۔

''تمہاری پروا ہے سب کو اسی لئے شہریار جیسے بہترین لڑکے کو تمہارا جیون ساتھی چنا گیا ہے تم بہت خوش رہو گی اس کے ساتھ۔''

''خوشی، کامیابی بہترین یہ سب کتابی باتیں ہے مما زندگی گزارنے کے لئے سب سے اہم چیز ذہنی مطابقت ہے۔''

''دیکھو بیوقوف لڑکی، میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے کہ بہت آہستگی سے ان کے درمیان ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے کا عمل وقوع پذیر پاتا ہے اور یہ ذہنی مطابقت اسی دنیا میں اپنے تعلقات و رشتے کے تقاضے سمجھتے ہوئے پروان چڑھتی ہے نہ کہ رب آسمانوں سے انڈر اسٹینڈنگ کر کے بھیجتا ہے رب تو جوڑے بناتا ہے آپسی محبت و کشش رکھتا ہے باہمی سلوک اور آپسی ذہنی مطابقت تو دونوں فریقین اپنے رویے و احساسات سے مضبوط کرتے ہیں اور بالکل انجان لوگوں میں شادی کے بعد اس قدر ذہنی مطابقت دیکھی گئی ہے کہ یقین نہیں آتا، تم دونوں تو پھر کزنز ہو ایک گھر میں، ایک ساتھ، ایک ماں باپ کے زیر تربیت پلے بڑھے ہو تم دونوں تو اب تک بہت اچھے دوست رہے ہو اور آئندہ اچھے ہم سفر ثابت ہو سکتے ہو۔'' شائستہ نے کہا تو وہ چڑ گئی اسے کتنا یقین تھا کہ مما اس کی سائیڈ لیں گی مگر وہ تو اپنے لاڈلے شہریار کے خلاف کچھ سننے پر یا کہنے پر آمادہ ہی نہ تھیں، بلکہ اس کے پاس سے اٹھتی ہوتی تنبیہی انداز میں بولی تھیں۔

''اور تم اچھی طرح کان کھول کر سن لو یہ بڑوں کا فیصلہ ہے جو کسی صورت تبدیل نہ ہو گا اپنے دماغ میں یہ بات بٹھا لو۔''

☆☆☆

اس نے یونیورسٹی سے آ کر بھی چادر اتاری تھی اور پانی کا گلاس لبوں تک لے آنے بھی نہ پائی تھی جب ربیعہ نے آ کر کہا تھا۔

''اریبہ آپی آج صالحہ آنٹی آئی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ امی نے ان سے دس ہزار روپیہ ادھار لئے تھے اور مہینے بعد واپسی کا کہا تھا اب تو کئی مہینے گزر گئے مگر واپسی کا کوئی نام نہیں۔''

''صالحہ آنٹی سے دس ہزار وہ بھی امی نے۔'' اریبہ نے بے طرح چونک کر کہا۔

''امی تو کتنے ماہ سے بیمار بستر پر پڑی ہیں انہیں اپنا ہوش نہیں پیسے وہ کیسے لے آئیں۔''

''آپی انہوں نے کہا تھا یہ ابو کی وفات سے کچھ دن پہلے کی بات ہے۔''

''تو انہوں نے اب تک کیسے صبر کیسے رکھا پہلے کیوں نہ بتایا۔''

''بقول ان کے وہ ہمارے گھریلو حالات کی وجہ سے چپ تھیں کچھ امی کی ذہنی حالت کا لحاظ

تھا کہ ہم خود ہی ادا کر دیں گے مگر اب انہیں بھی روپے کی ضرورت ہے اور وہ اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتیں۔'' جویریہ نے تفصیلاً بتایا۔

''جھوٹ بولتی ہیں وہ، ابو کی وفات سے قبل بھلا ایسی کیا سخت ضرورت پڑ گئی تھی کہ امی یوں ادھار لینے چل پڑیں وہ بھی بنا کسی سے ذکر کیے۔''

''آپی ہو سکتا ہے امی نے آپ کی منگنی وغیرہ پہ لئے ہوں اور ہمیں بتانا خود انہوں نے مناسب نہیں سمجھا ہو۔'' ربیعہ نے خیال ظاہر کیا جسے اریبہ نے یکسر رد کر دیا۔

''یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مجھے خود معلوم ہے ہمارے گھر میں ابو کی زندگی کے وقت تیس چالیس پچاس ہزار تک کیش ہر وقت موجود رہتا تھا اور ہمیں کبھی کسی سے روپے ادھار لینے کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ یہ صالحہ آنٹی اور ان جیسے کئی اور لوگ اکثر امی سے ادھار رقم لے کر اپنی ضرورت پوری کیا کرتے تھے۔''

''کہیں ایسا تو نہیں انہوں نے خود ادھار پیسے لئے ہوں اور واپسی کا ارادہ ہی نہ ہو وہ صرف اوپر سے ہو کر ہمیں فریب دینے کی کوشش میں ہوں۔'' اریبہ بڑبڑاتے ہوئے بولی پھر ایکدم سے ربیعہ کو کہا۔

''جاؤ سیف کے دراز سے ابو کی وہ حساب کتاب والی نوٹ بک تو نکال کر لاؤ ذرا، دیکھوں ان کا لین دین کس شماریاتی حد میں ہے۔'' ربیعہ نے چند منٹ بعد سیاہ جلد والی ڈائری نما نوٹ بک لا کر اس کے سامنے رکھ دی تھی اریبہ تیزی سے نگاہ دوڑاتے ہوئے اس کے صفحے پلٹ رہی تھی کہ ایک جگہ رک گئی۔

پانچ ہزار ادھار 16 دسمبر 2011ء صالحہ وکیل۔

دس ہزار ادھار 24 دسمبر 2011ء صالحہ وکیل۔

کل پندرہ ہزار، واپسی کا وعدہ ایک ماہ بعد، چوبیس جنوری کو۔

''دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ جھوٹ بولتی ہیں صالحہ آنٹی خود انہوں نے پندرہ ہزار ادھار لے رکھا ہے ایک ماہ کی واپسی کے وعدے پر اور یکم جنوری کو تو ابو کی وفات ہو گئی تھی انہوں نے کس کو دیے روپے واپسی، امی تو کبھی سے دماغی و اعصابی کمزوری کا شکار ذہنی توازن خراب کیے بیٹھی ہیں اور اس بے ایمان عورت کو دیکھو نہ دینا کا خوف نہ آخرت کا ڈر بجائے اپنا قرضہ چکتا کرنے کے دینے کے لینے ڈال رہی ہے۔'' اریبہ غصہ سے بولی۔

''لوگ صرف لالچ، حسد اور نفس کا شکار ہیں انسانیت، مروت، احساس، ایمانداری یہ جذبے تو اب کتابوں میں سجے رہ گئے ہیں اور مجھے تو سمجھ نہیں آتی صالحہ آنٹی جو ہمارے ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک اتنی سیدھی، بھلی مانس، اور بیچاری سی دکھتی آئی ہیں وہ یوں پینترا بدل سکتی ہیں۔'' جویریہ کو اب تک ان کی چالاکی کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

''جب وقت بدل سکتا ہے حالات بدل سکتے ہیں، سگے پرائے اور پرائے دشمن ہو سکتے ہیں تو سب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دنیا ہے اپنے اندر یہ چالاکی، ہیر پھیر، بے ایمانی اور بدی کی کشش نہ رکھتی تو اس کے پیچھے کون لپکتا، بہرحال اس صالحہ آنٹی کی تو میں نے سات پشتوں کی بھی چھانٹی نہ کر دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو دیکھنا سارے داؤ پیچ اور یتیموں غریبوں کو نوچنے کھسوٹنے کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔'' وہ بڑے تپے ہوئے انداز میں بولی تھی، تبھی ربیعہ نے پکارا تھا۔

''ریبا آپی ذرا ہیلپ کریں، امی کو باتھ روم تک لے جانا ہے۔'' اریبہ اور جویریہ آگے ہو کر نجمہ خاتون کو بستر سے اٹھانے لگیں۔

''بہت کیئر فلی اور فل ٹائمنگ والا کام ہے یہ بھی آئندہ ماہ سے ہمارے کالج سٹارٹ ہو جائیں گے پھر کون امی کی دیکھ بھال کرے گا۔'' جویریہ تشویش سے بولی۔

''اللہ مالک ہے ٹائم آنے پہ دیکھا جائے گا۔'' ربیعہ نے کہا تھا۔

''نہیں، صرف یہ کہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا کیونکہ امی کو واقعی ہر وقت ایک ہیلپر کی ضرورت ہے اور یہ قربانی ہمی کو دینا ہوگی کہ ہم تینوں میں سے کوئی ایک اپنے تعلیمی کیریئر کو خیر باد کہہ کر گھر کو وقت دے۔'' جویریہ سنجیدگی سے بولی۔

''خیر باد کیوں ہم گھر رہ کر پرائیویٹ بھی اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھ سکتے ہیں۔'' ربیعہ نے کہا۔

''یہ اتنا آسان نہیں کیونکہ تھرڈ ائیر وہ بھی شماریات (سٹیٹس) کے ساتھ گھر پہ میں تو نہیں پڑھ سکتی، رہی تم تو سیکنڈ ائیر بھی اتنی آسان کلاس نہیں ہے اوپر سے مضامین بھی تم وہ رکھ چکی ہو جو خود سے پڑھے نہ جائیں، بنا ٹیوشن یا ریگولر کلاسز کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔'' جویریہ نے صورتحال کا جائزہ بتایا۔

''اریبہ آپی بھی اپنے ماسٹرز کے درمیان میں معلق ہیں اوپر سے جاب ڈھونڈ رہی ہیں اگر انہیں جاب مل گئی پھر بھی گھر تو کسی کو رہنا ہے امی کو سنبھالنا ہے اور یہ ہم دونوں کو کرنا ہوگا۔'' ربیعہ تفکر سے بولی۔

''چلو یہ بھی کر لیں گے ابھی رزلٹ آنا ہے حتمی قدم تو رزلٹ آنے پہ اٹھایا جائے گا۔'' جویریہ نے کہا امی کو واپس کمرے کی جانب لاتی اریبہ کی پلکیں بے ساختہ بھیگ گئی تھیں۔

''اتنی کم عمری میں پڑنے والے وقت کے باعث اس کی بہنیں کتنی حساس ہو گئی تھیں کتنے تشویش زدہ انداز میں اپنے گھریلو معاملات کا اظہار کر رہی تھیں، امی کے لئے کتنی فکر مند تھیں، یہ عمر تو الھڑ پنے کی تھی، کھیلنے، ہنسنے، بے فکری سے جینے کی عمر تھی اور اس عمر میں کتنے غم لاحق تھے انہیں۔''

''ٹھیک ہی تو کہتی ہیں امی کے پاس کل وقتی فرد بلکہ ہیلپر کا ہونا ضروری ہے اور میں صرف ایک کام انجام دے سکتی ہوں جاب کر لوں یا گھر پہ رہوں اور گھر پہ رہ کر گھریلو اخراجات اٹھانے کا مسئلہ جوں کا توں رہے گا، میرے جاب کرنے پہ ربیعہ یا جویریہ میں سے کسی ایک کو گھر رہنا پڑے گا اور یہ ان کے تعلیمی کیریئر کا رکنا ہے، کیا میں اپنی بہنوں کا مستقبل گھریلو ضرورتوں کی نذر کر دوں، نہیں میں ایسا نہیں ہونے دونگی۔'' وہ بہت بے چین اور اضطراب بھرے انداز میں ہونٹ کاٹنے لگی۔

''ابو نے ہمیشہ ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھا تھا اور مجھے وہ سب کچھ کرنا ہے امی کے لئے، بھائی بہنوں کے لئے، وہ سب جو ابو کرنا چاہتے تھے۔'' وہ اک عزم سے کھڑی ہوئی تو

کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔

''اور ابو کی سب سے بڑی خواہش تمہاری تعلیم کا مکمل ہونا تمہیں پروفیسر بنے دیکھنا تھا، کیا یہ بھی یاد ہے تمہیں۔''

''ہاں یاد ہے مگر ان کڑے حالات میں جب شہباز بھی نوعمری میں ہے جویریہ اور ربیعہ بھی اپنی عمر اور کیریئر کے نازک دور سے گزر رہی ہیں تو محض اپنے لئے میں ان سب کا حال داؤ پر لگا سکتی ہوں نہ مستقبل برباد کر سکتی ہوں مجھ سے جو بھی ہوا اور جس حد تک بھی ہو سکا میں اپنے گھر والوں کے حالات زندگی سنوار دوں گی چاہے مجھے اس کے لئے اپنے کیریئر اپنی ترجیحات سے منہ موڑنا پڑے۔'' اس نے خود سے حتمی وعدہ کیا اور جیسے پرسکون سی ہو گئی، اپنی کشمکش سے نکلی تو اسے شہباز کا خیال آیا تھا بہت غائب رہنے لگا تھا وہ گھر سے ان دنوں، اکثر لیٹ گھر آتا اور بہت دفعہ کھانا بھی نہ کھاتا سارا دن۔

''ایگزامز تو میٹرک کے ختم ہو چکے اب یہ کہاں اتنا مصروف رہتا ہے کہ وقت پہ کھانے یا گھر آنے کا ٹائم بھی نہیں نکال پاتا۔'' اسے ایک نئی پریشانی نے آن گھیرا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو ماریا گڈ مارننگ ہاؤ آر یو؟'' کیتھرین نے بڑے پرجوش انداز میں ہاتھ ملایا، صبح کے تقریباً دس بج رہے تھے اور وہ فل گرم لباس میں ملبوس شدید سردی کے باعث سرپروانی ہیٹ رکھے مسکرا رہی تھی۔

''ہیلو آئم فائن۔'' وہ بھی مسکرائی تھی اور بہت بھلی لگی ہنستی ہوئی۔

''ہنڈرڈ پرسنٹ شیور۔'' کیتھرین نے چھیڑا۔

''یس آف کورس۔'' وہ اک اعتماد سے بولی۔

''گڈ چینج، اچھی لگتی ہو یوں اعتماد سے بولتی اور ہنستی اسی طرح بی ہیو کرو گی تو بہت جلد زندگی کو پورے اعتماد سے پا لو گی بس خود پہ بھروسہ اور آنے والے وقت سے امید رکھو، گزشتہ زندگی کو اک بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دو اور اس بات پر یقین رکھو کہ خداوند خدا کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا تمہیں بھی تمہارے ہر اچھے عمل کا اجر ضرور ملے گا، مگر کچھ رکاوٹیں کاٹ کر جو اتنا تم کاٹ چکی ہو اور ڈپریس ہوتے وقت یہ بھی سوچا کرو کہ مشکلیں ہمیشہ انہی لوگوں پہ آتی ہیں جو انہیں جھیلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور خدا کے بہت قریب ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ اپنے پیارے بندوں کو آزمائش کے راستے پر ڈالتا ہے، تم بھی اس کے نزدیک دوسرے لوگوں سے ممتاز حیثیت رکھتی ہو گی اس لئے اس نے آزمائش کے لئے تمہیں چنا کیونکہ باقی لوگ اس کے تقرب کے اہل تھے نہ آزمائش کے قابل، سمجھ رہی ہو نا میری بات۔'' کیتھرین نے پوچھا تو وہ جس کے سر پر سے یہ سارا فلسفہ بنا اثر کیے گزر رہا تھا اور وہ اس کے کوٹ کے بٹنوں کی ریبائش و مالیت کا اندازہ کر رہی تھی گڑبڑا کر فوراً اثبات میں سر ہلا گئی۔

''دیکھو ماریا تمہیں کہا تھا کہ اپنے اندر جینے اور زندہ رہنے کے احساس کو مرنے مت دو کیونکہ احساس کا مر جانا زندگی کے ہر جذبے کی موت ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جب ناکامی مسلسل ہوتی جائے اور مایوسی بھی بڑھنے لگے تو توقعات کا غیر یقینی نتیجہ سامنے آئے تو ناکامی کا خوف، مایوسی کا ڈپریشن خود بخود احساس کو برف کر دیتا ہے۔" وہ اس بار بولی تو لہجہ سنجیدہ اور رنجیدہ تھا۔

"یہ سب کیفیات واقعی ہمارے احساسات پر اثر انداز ہوتی ہیں لیکن ان سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خوف جڑ پکڑے تو انسان کے اندر سے عدم توازن کا بحران اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کا اثر اس کی پوری زندگی پر پڑتا ہے وہ مقاصد کے حصول میں ناکافی کو زندگی کے ہر معاملے کی ناکامی سمجھ لیتا ہے، دباؤ، ڈپریشن اور ناکامی کا خوف اسے برابر پریشان کیے رکھتے ہیں، یہی چیزیں زندگی سے متعلق ہمارا رویہ آہستہ آہستہ ابنارمل کرنا شروع کر دیتا ہے جس کے بعد ایک غیر مطمئن اضطرابی طبیعت فرد کا ہر لمحہ گھیراؤ کیے رکھتی ہے اور ناکام ہونے والا فرد انہی کیفیات کے سبب اپنی اور دوسروں کی زندگی پر بہت برے اثرات مرتب کرتا ہے۔"

"جیسے میں نے کیا، اپنے لئے برا، دوسروں کے لئے برا، فرسٹریشن کو خود پہ طاری ہونے کا موقع فراہم کرتی رہی اور آخر کار میری ذات ضرورساں بنتی گئی اپنے سے بہت پیار کرنے والوں کو دور کرتی رہی، خود دور ہوتی گئی، نقصان پاتے، نقصان جھیلتے دوسروں کو نقصان دینے کا سوچتی اس جیل کی سلاخوں کے پیچھے اندھیرے شب و روز گننے لگی، یہاں میرا کوئی دوست ہے نہ ہمدرد۔" اس کی نیلی کانچ آنکھیں پھر سمندروں سے بھرنے لگیں۔

"میں ہوں نا تمہاری دوست، ہمدرد جو صرف تمہارے لئے یہاں آتی ہے تم سے ملنے ورنہ میں کئی ہفتوں بعد آتی ہوں، اتنی جلد دوبارہ آنے کی وجہ تم ہو ماریا۔"

"کتنے دن ملو گی، کتنا عرصہ اس دوستی کا بار اٹھاؤ گی تم بھی اکتا جاؤ گی جیسے سب اکتا گئے اور پھر مجھے یونہی چھوڑ کر چلی جاؤ گی جیسے باقی سب نے چھوڑا ہے۔" اس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا جو کیتھرین کو متاثر کر گیا۔

"نہیں میں تمہیں بالکل تنہا نہیں چھوڑوں گی بلکہ اپنے ساتھ لے جاؤں گی، اپنے گھر، وہ گھر یہاں تمہیں اسی اپنائیت کا احساس ملے گا جس کی تم متلاشی ہو، وہی ہمدرد دوست ملیں گے جن کی تمنا ہے۔"

"کیا واقعی تم میرے لئے میری خاطر ایسا کرو گی۔" وہ بے یقینی سے بولی۔

"ہوں، کیونکہ مجھے تم اچھی لگی ہو اپنی اور معصوم میں نہیں چاہتی محض اسٹریس اور ڈپریشن کا شکار ہو کر تم زندگی کی خوشیوں سے محروم رہو، میں ان خوشیوں کا سامان کروں گی جو تمہارے لئے باعث تقویت و طمانیت دل ہیں بشرطیکہ تم بھی میری باتوں کو سنو، سمجھو اور اچھے طرز عمل پہ لوٹ آؤ کیونکہ کامیاب زندگی کا ایک بہترین اصول Give and take ہے اور دنیا اسی کچھ دو اور لو کے اصول کے تحت چلتی ہے۔"

"اگر تم مجھے حقیقت میں یہاں سے چھڑا لو گی تو آئم پرامس میں وہی کروں گی جو تم کہو گی بس مجھے رہائی مل جائے میں تمہاری ہر بات مانوں گی اس احسان کے عوض۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"اونہوں احسان نہیں دوستی و محبت اور دوستی یا انسانی محبت کوئی احسان نہیں کہ جس کے لئے

معترض یا مشکور ہوا جائے یہ تو تحفہ خداوندی ہے جو چنیدہ لوگوں کو ملتا ہے اور تم خوش قسمت ہو جسے بہت کچھ کھو کر بھی خالص اور غرض سے پاک دوستی میسر ہے۔" کیتھرین نے بہت رسان سے کہتے ہوئے اسے نرم نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم۔" وہ اب ہلکے انداز میں مسکرائی۔

"Thats a good girl" اور اب اسی خوشی کے موقع پر ایک گڈ نیوز اور سن لو میں تمہاری ضمانت کے کاغذات فل کر چکی ہوں بلکہ کورٹ میں جمع کروا چکی ہوں اور آنے والے دن کا سورج تمہیں اس جیل سے باہر ویلکم کرنے کو موجود ہوگا۔" کیتھرین کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"سچ کہہ رہی ہو تم، میں کل آزاد ہو جاؤں گی۔" وہ اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

"سو فیصد سچ۔" کیتھرین وثوق سے بولی تو اس پہ شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ بے ساختہ کیتھرین کے ہاتھ چومنے لگی۔

"لیکن یہاں سے نکل کر تم یہ نہیں بھولو گی کہ ہمارا ریلیشن کیا ہے اور یہ ریلیشن قائم رکھنا ہے اس کے قائم رکھنے کے لئے تمہیں اپنی نئی زندگی شروع کرنا ہو گی، وہ سب پرانی چیزیں، پرانے منظر، پرانے لوگ بھلا دینا جو تمہاری بری یادداشتوں کا حصہ ہیں ان خیالات کو دل و ذہن کی گہرائیوں سے نکال پھینکنا جو تمہارے لئے اذیت بنے اپنے برے دنوں کی ہر یادگار یہیں چھوڑ دینا، اچھے لوگ اچھے مناظر خوشگوار خیالات کو اپنے دماغ میں لانا اور یقین کرو جب ایسا کر کے یہاں سے نکلو گی تو ایک پرلطف زندگی باہر تمہیں منتظر ملے گی اور تم یقین کر لو گی کہ برے حاسد خود غرض لالچی لوگوں سے پرے بھی اک دنیا ہے یہاں بے لوث محبت کرنے والے ہمت افزائی کرنے والے اور سچے لوگوں کی قدر ہے یہاں انسانیت کی روشنی ہے، مثبت احساسات اور تعمیری سوچیں ہی زندگی کو پر جوش اور اعصاب کو صحت مند بناتی ہیں۔" ماریا کو یہ سب سمجھاتی کیتھرین بہت اچھی لگی اپنی اپنی سی، وہ بہت توجہ اور غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اپنے مائنڈ باڈی سسٹم سے الفاظ سے خوشی اور صحت تخلیق کرنا مشکل نہیں رہتا جب ہم بھلائی کے خواہاں ہوں، اچھی اور بامقصد زندگی کے لئے بہت اہم ہے ہم اس اوزر کو تسلیم کریں اپنی اسپرٹ کو بچائیں اور جب ہم ایسا کرنے لگتے ہیں تو ہماری روزمرہ زندگی کے معمولات میں خوشگوار سکون و اطمینان ظاہر ہونے لگتا ہے اور پھر ناکامی و پریشانی سے دفاع کرنے کا طریقہ بھی ہمیشہ سے زیادہ موثر اور پاور فل ہوتا ہے۔"

اس کا انداز گفتگو اتنا نرم، متوازن اور دلنشین تھا کہ الفاظ سیدھے دل پر اترتے لگے اور ماریا کا ذہن کچھ محسوس کر رہا تھا اور جو محسوس کر رہا تھا اس میں یقیناً Positive thinking زیادہ ابھر رہی تھی، جس کا تاثر اس کا چہرہ بھی دے رہا تھا بس اسی تاثر کو ذرا گہرا کرنے کی ضرورت تھی پر سارے دھندلے مناظر واضح ہو جاتے ساری اداسی میٹھی مسکان تلے دب جاتی۔

☆☆☆☆

وہ اس وقت ڈائننگ روم میں تھی جب اس نے کوریڈور سے گزرتے شہریار کو دیکھا اور اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رگیں، جیسے تن گئی تھیں نوالہ حلق میں پھنسنے لگا۔

''یہی تو ہے ہالی وڈ کی بیوٹی کریم، سب کا پسندیدہ ہر کوئی اسی کے گن گاتا ہے کتنا فرمانبردار بنتا ہے سب کے سامنے اور میں اس ہر وقت جی حضور شاہ بنے شخص کے ساتھ ناپسندیدہ زندگی گزارونگی، ساری عمر اپنے جذبات کو کچلتی اپنی خوشیوں کی قربانی دیتی رہوں گی کیونکہ یہ سب کو عزیز ہے سب کی نگاہ میں بہترین ہے اور میں ہمیشہ اس کی ہر لغزیزی کے پرچم سے بندھی مجبوری سمجھوتے اور بے بسی کی زندگی گزارتی رہونگی۔'' وہ جیسے اس سوچ کے ساتھ منوں مٹی تلے دبنے لگی۔

''نہیں میں اپنے ساتھ یہ بے انصافی نہیں ہونے دوں گی میں تمہارے سارے خواب راکھ کردوں گی۔'' اس کی سوچ متشمانہ ہوئی اور وہ اٹھ کر آندھی وطوفان کے مانند لاؤنج میں گزرتی اس کے کمرے کے سامنے آرکی ناب گھما کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی، شہریار بیڈ پہ بیٹھا اپنے بوٹوں کے تسمے کھول رہا تھا، دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی خفیف سی آواز پہ بے ساختہ چہرہ اٹھا کر دیکھا وہ اس کے عین سامنے آرکی۔

''مما سے کیا کہا تھا آپ نے؟''

''تمہی بتا دو، کیا کہا تھا، کیونکہ میں تو دن میں کئی دفعہ ان سے کچھ نہ کچھ کہتا ہوں اب تم جانے کس بارے میں پوچھ رہی ہو۔'' وہ بڑے آرام سے بولا تھا۔

''میں وہ بات پوچھ رہی ہوں جو تم سے رشتے کے متعلق کی ہے۔'' وہ تڑخ کر بولی تو شہریار نے بغور دیکھا بلیک ٹراؤزر شرٹ میں اپنے سلکی بال کیچر میں قید کیے وہ بھرپور غصے میں نظر آرہی تھی، وہ گہرا سانس لیتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں نے مما سے جو کہا یہ ہمارا ماں بیٹے کا مسئلہ ہے تمہیں اس کی پرابلم نہیں ہونی چاہیے۔''

''یہ میری زندگی میری خوشیوں کا مسئلہ ہے، مجھے پرابلم کیوں نہیں ہونی چاہیے میری زندگی کا سکون چھینا جارہا ہے اور آپ کہتے ہیں مجھے پرابلم نہیں ہونی چاہیے۔'' اس کا جی چاہا تھا اتنے سکون سے بولنے والے اس شخص کا چہرہ نوچ لے مگر ہائے یہ برداشت کی مجبوری۔

''ضروری نہیں ہے کہ اگر تمہارا دماغ پڑھا ہے تو سب کا ہو جائے اور سب تمہاری طرح الٹا سیدھا سوچنے لگیں۔'' شہریار کے انداز میں اتنا تھا جسے محسوس کرکے وہ بری طرح تپ گئی۔

''تو پھر آپ بھی جان لیں جو آپ چاہتے ہیں وہ میں کبھی نہیں ہونے دوں گی یہ میری زندگی ہے اور اسے اپنی مرضی سے گزارنے کا مجھے پورا حق حاصل ہے اپنے ساتھ میں کوئی ناانصافی نہیں کرنے دوں گی۔'' شہریار نے کئی لمحوں تک اسے یونہی دیکھا تھا بنا پلکیں جھپکے۔

''میرے ساتھ شادی کا خواب دیکھنا چھوڑ دیں ورنہ خوابوں میں ہی دفن ہو جائیں گے۔'' وہ جس طرح کے اکھڑ اور گستاخانہ لہجے میں بولی تھی شہریار کو اپنے پہلو سے آنچ اٹھتی محسوس ہوئی، پھر بھی جانے کس دل سے وہ برداشت کا مظاہرہ کرگیا۔

''پھر نام بھی بھول جائیں گے میرا لینا۔'' کس قدر چبھتا ہوا لہجہ تھا جو شہریار کو بہت برا لگا۔

''کس شادی کی بات کررہی ہو تم وہ شادی جو کب سے ہو چکی ہے اب تو تم صرف میری ہو

سمجھیں۔'' وہ اس کا بازو تھام کر خفیف سا جھٹک دیتا غصہ سے بولا تھا۔

''نہیں مانتی، میں اس شادی کو جو محض مجبوری کا سودا ہے بے بسی کا طوق ہے، بالکل Execpt نہیں کرتی میں یہ شادی۔''

''تم سے کتنی دفعہ کہا ہے بولتے ہوئے ہمارے رشتے کو دھیان میں رکھا کرو۔''

''نہیں رکھنا کوئی دھیان مجھے جب میں ایک تعلق کو نبھانا ہی نہیں چاہتی تو کیوں خود پہ جبر کروں۔'' وہ اپنی خودسری میں بولی۔

''تو یہ سب مجھے کیوں سنا رہی تمہارے بڑے موجود ہیں جنہوں نے یہ فیصلہ کیا، تمہارا باپ ہے اسے کہو جا کر۔''

''کہا ہے میں نے مما سے بتایا ہے اپنے انکار کا وہ کچھ سنتی نہیں۔'' اسے بے طرح رونا آیا تھا یہ کہتے ہوئے مگر اس شخص کے سامنے رو کر وہ اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی سو ضبط کرگئی۔

''تو پھر اب مجھ سے کیا توقع رکھتی ہو تم۔'' وہ اس کے تمتماتے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے گہری سانس بھر کر بولا۔

''آپ انکار کردیں۔''

''مگر کیوں؟ انکار تمہیں ہے، اعتراض تم کررہی ہو، میں برا بنوں کیوں؟'' سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے وہ بڑے سکون سے پوچھ رہا تھا۔

''کیونکہ میں یہ شادی کرنا نہیں چاہتی۔''

''تو انکار تم بھی کرسکتی ہو سنعیہ بی بی، بندوق چلانے کے لئے میرا کندھا کیوں؟'' اپنی سحر طراز آنکھوں کو وہ خفیف سے جنبش دیتا بولا اسے پھر تپا گیا۔

''کیونکہ میری بات کو رد رخو اتنا نہیں جانا جائے گا، تمہارا کہنا کچھ اور معنی رکھتا ہے تمہارے انکار پہ مما پاپا بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے، تمہارا انکار اہمیت رکھتا ہے۔''

کتنی مجبوری تھی جو اسے شہریار کے سامنے منمنا کر بولنے پر مجبور کررہی تھی ورنہ وہ اور اس شخص کے سامنے کمزور پڑتی جو خود اسی گھر کے احسانوں تلے دبا تھا۔

''تو پھر یہ بات اپنے دماغ میں بٹھا دو کہ میں انکار نہیں کروں گا بلکہ شادی تو ہو ہی چکی ہے میں رخصتی بھی جلد کروالوں اور باقاعدہ دھوم دھڑکا بھی کیا گھر کی بات ہے صرف کمرے کی تبدیلی ہے جواب بھی ہو سکتی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ یاددہانی کرا گیا اپنے رشتے و استحقاق کی، اس کی بات نے سنعیہ کو سرتاپا سلگا دیا تھا۔

''محض نام کے ساتھ نام جڑنے سے تم یہ مت سمجھ لو کہ تم میری زندگی کے مالک بن گئے ہو اور جو چاہو کرسکتے ہو، میں تمہاری کسی خوشی کو پورا نہیں ہونے دوں گی سمجھے؟'' شدید غصے کے باعث وہ آپ سے تم پر اتر آئی تھی اس کا لہجہ والفاظ شہریار کی آنکھوں میں غصے کے باعث وہ آپ سے تم پر اتر آئی تھی اس کا لہجہ والفاظ شہریار کی آنکھوں میں غصے کی چمک واضح کرنے لگے تھے، وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ محض اپنی خودسری اور ضد میں اتنی کمزور پوزیشن کے باوجود وہ اس حد تک بدتمیزی کرسکتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے تمیز سے بات کیا کرو، میں یہ لہجہ بالکل افورڈ نہیں کرسکتا وہ بھی اس عورت کے منہ سے جو باقاعدہ وشرعی طور پر میری منکوحہ ہے۔" اس کا بازو سختی سے دبوچتا وہ تنبیہی انداز میں بولا تھا اور اس قدر اہانت پہ باوجود ضبط کے سعدیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"نہیں مانتی میں اس خوامخواہ کے رشتے کو اور کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ بار بار اس تعلق کی یاد دہانی کرا کے یہی کہ میں ملکیت ہوں آپ کی، دسترس میں ہوں مگر یہ بھول ہے آپ کی سراسر بھول جس نے زعم میں مبتلا اکڑو خان بنے پھرتے ہیں آپ میں یہ زعم یہ احساس ملکیت چھین لوں گی۔" بائیں ہاتھ سے آنکھیں رگڑتی وہ اسے دھمکانے لگی، غصہ بے خوفی ضد کتنے تاثر تھے اس کے لہجے و الفاظ میں جو اگلے بندے کو خوامخواہ ٹینشن اور جذباتیت میں مبتلا کر جاتے مگر سامنے شہریار تھا خود پہ بلا کا کنٹرول اور ضبط نفس رکھنے والا سو وہ جذباتیت کا شکار ہونے کے بجائے سر کو جھٹکتا خود کو پرسکون رکھتے ہوئے بڑے رسان سے بولا تھا۔

"جس بیوقوفی میں تم مبتلا ہو نا یہ اتنی جلدی ختم نہیں ہوا کرتی اور تم یہ بیوقوفی کا کھیل جاری رکھو یا ختم کرو مجھے پرواہ نہیں مگر تمہیں اپنی زندگی تباہ کرنے کی اجازت میں کسی طور نہیں دے سکتا، اپنے ساتھ تم جو مرضی کرتی پھرتیں مجھے دکھ نہ ہوتا اگر میں تمہاری زندگی میں موجود نہ ہوتا اور خود میں ڈسٹرب نہ ہوتا، تم صرف اپنی نہیں میری زندگی بھی بری طرح سے ڈسٹرب کر رہی ہو، کیا چاہتی ہو تم یہی کہ تم سے محبت نہ کروں، میری محبت کے آپشنز بدلنا چاہتی ہو کس لئے؟ میں بہت فیئر بندہ ہوں بنا لاجک کے کچھ نہیں جانتا، ہے کوئی مضبوط ریزن تو لاؤ ورنہ یہ محبت نہ بدل سکتی ہے نہ سمت موڑ سکتی ہے کیونکہ یہ میری سانسوں کی آکسیجن ہے اسے میں کبھی نہیں چھوڑ سکتا کبھی نہیں۔" اس کا انداز دھیم مگر مضبوط تھا وہ بس بھیگی آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے شاندار سے بندے کو خاموش سی دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"میرا خیال ہے تم ناراض ہو۔" وہ یونیورسٹی سے نکلی ہی تھی جب وہاج بائیک لئے اس کے سامنے آیا۔

"تمہیں یہ اتنا نیک خیال آیا کیسے؟" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"فون کرو تو وہ آف گھر آؤ تو اکثر سو رہی ہوتی ہو یا کہیں گئی ہوئی، بھاگ رہی ہو مجھ سے یا واقعی اتنی مصروف رہنے لگی ہو۔" اس کے شکوہ آمیز چبھتے لہجے پہ وہ ٹھٹک کر بولی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں وہاج! پہلے تو تم نے کبھی اس انداز میں بات نہیں کی۔"

"پہلے تم نے کبھی اس طرح اگنور نہیں کیا مجھے۔"

"تو اب کون سا اگنور کر رہی ہوں، گھر والا فون سیٹ تو ہم کٹوا چکے ہیں اور موبائل اللہ جانے کہاں گم کر دیا ہے شہباز نے تو تمہیں رسپانس کیسے ملتا اور یہاں تک کہیں جانے کی بات ہے تو تمہیں بتانا تھا مگر تم آئے نہیں وہ صالحہ وکیل ہے ناں پچھلے محلہ والی انہوں نے امی سے پندرہ ہزار ادھار لیا تھا ابو کی وفات سے چند دن پہلے ہمیں کچھ معلوم نہ تھا، پھر امی بھی تم جانتے ہو اپنے ہوش

میں کب رہتی ہیں یہ تو چند دن پہلے وہ خود آ پہنچیں کہ ہم لوگوں نے ان کا دس ہزار دینا ہے اب لین دین کا سارا حساب کتاب تو ابو یا امی کے پاس تھا دونوں سے پوچھنے بتانے والا معاملہ ہی ختم تھا، یہ تو میں نے اچانک خیال آنے پر ابو کی شماریاتی ڈائری دیکھ لی تو علم ہوا کہ قرض ہم نے لیا نہیں دیا تھا اب میں کوشش میں ہوں کہ ایک تو ان سے اپنا روپیہ نکلوا لوں دوسرا چار معتبر بندوں کو بیٹھا کر یہ ڈائری دکھاؤں اور آئندہ کے لئے ایک تو لوگ محتاط ہو جائیں گے لین دین میں دوسرا خود صاحلہ صاحبہ ایسی بددیانتی اور کھلی بے ایمانی پہ حسب توفیق لعن طعن پالیں گی دنیا بھر سے۔"

"مائی گاڈ اتنے سیدھے دکھنے والے لوگ بھی اتنے کرپٹ ہو سکتے ہیں؟" وہاج متاسف انداز میں بولا۔

"دیکھ لو بندہ بھلا کسی پہ اعتبار کر سکتا ہے۔"

"تم ایسا کرنا وہ ڈائری مجھے دینا میں خود تمہارے محلہ کے معتبر اشخاص سے اس مسئلہ پر بات کروں گا۔" وہ کچھ فیصلہ کن انداز میں بولا تو اریبہ سر ہلا کر بائیک سے نیچے اترنے لگی کیونکہ وہ دونوں گھر کے عین سامنے پہنچ چکے تھے، اریبہ اندر آ کر چیخ کرنے چلی گئی اور وہاج جویریہ اور ربیعہ کا حال چال پوچھتا صحن میں بیٹھ چکا تھا۔

"بہت بھوک لگی ہے ربیعہ جلدی سے کھانا گرم کر دو، آج سارا دن ٹف گزرا، پہلے تو ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکلی پھر یونیورسٹی میں کوئی پیریڈ آف نہ ملا پیسے نہ ہونے کی وجہ سے کینٹین بھی نہ جا سکی اور اب بھوک کے مارے سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" وہ مسلسل بولتی ہوئی کچن میں آئی تھی یہاں ربیعہ خالی اور ٹھنڈے چولہے کے پاس افسردہ سی کھڑی تھی، وہ یکدم جھلا کر بولی۔

"کیا ہوا یوں کیوں کھڑی ہو، یار مجھے بھوک لگی ہے کھانا نکالو۔"

"آپی پلیز آہستہ بولیں باہر وہاج بھائی بیٹھے ہوئے ہیں ادران تک آواز جا رہی ہے۔" ربیعہ کا انداز ملتجیانہ تھا جسے نا سمجھتے ہوئے وہ بولی۔

"اب اپنے گھر میں کھڑے ہو کر کھانا مانگنے پر بھی دفعہ لگے گی۔"

"کھانا آج پکا ہی نہیں ہے آپ جانتی تو ہیں دو دن سے وہی پتلی دال کھا رہے ہیں جو پچاس روپے میں بنے بڑے سنبھال کے رکھے تھے وہ شہباز لے گیا تھا صبح ضد کر کے، آٹا بھی نہیں تھا ورنہ میں نمک مرچ ڈال کے روٹی بنا دیتی۔" ربیعہ ہولے ہولے بتا رہی تھی اور اس کے سر کا درد یکدم سے بڑھ گیا تھا۔

"اوہ نو..... اب کیا ہوگا، میں تو مر جاؤں گی بھوک سے۔" اس کے قدرے تشویش سے کہنے پر ربیعہ خاموشی سے دیکھنے لگی۔

"اور تم دونوں نے کچھ کھایا یا نہیں، امی کو....." وہ خود ہی بولتی چپ کر گئی۔

ظاہر ہے گھر میں آٹا تھا نہ سبزی تو وہ سب بھی یقیناً بھوکے بیٹھے تھے، اریبہ بہت شکستہ سے انداز میں ڈھیلے قدموں سے چلتی آ کر باہر چارپائی پہ بیٹھ گئی۔

"یہ شہباز کہاں ہوتا ہے جب آؤ ملتا نہیں اس کا دھیان رکھا کرو ذرا، جس دوستوں کے ساتھ یہ پھرتا ہے وہ کوئی اچھی کمپنی کے لوگ نہیں ہیں، اس عمر کے لڑکے بگڑ جائیں تو پھر مشکل سے ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگتے ہیں۔" وہاج سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے خود اتنی فکر رہتی ہے اتنا کمزور ہو رہا ہے دن بہ دن آنکھوں کے گرد حلقے پڑ رہے ہیں اور رنگ بھی سنولا گیا ہے آج، آجائے ذرا خبر لیتی ہوں۔" اریبہ بولی ساتھ دل میں یہ بھی سوچا کہ وہاج سے کچھ پیسے مانگ لوں راشن منگوانے کو آخر پیٹ کا دوزخ تو بھرنا تھا کسی طرح۔

"یہ بل پکڑو جویریہ میں ادائیگی کر چکا ہوں۔" وہاج جویریہ سے مخاطب ہوا۔

"اور راشن میں ایک دو دن تک لادوں گا ان فیکٹ آج مجھے پانچ ہزار کمیٹی کا بھی دینا تھا اور چار ہزار بجلی پانی گیس کے بلوں پہ گیا ہے بقیہ چار ہزار بچے تھے جو امی کو دیے۔" وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا اب اگر وہ اس سے ادھار مانگتی تو یہ نرا گھٹیا پن ہوتا، وہ خود کو پژمردہ سی محسوس کرنے لگی۔

"آپ پہ بوجھ ہم لوگوں کی وجہ سے پڑا ہے وہ بہت ہے، ہم تو آپ کے مشکور ہیں بس اب شہباز سے کہو کبھی تھوڑا بہت کام کرے ساتھ پڑھتا جائے، کچھ تو آسرا ہو۔" جویریہ نادم سی بولی تو یہاں اریبہ نے چونک کر دیکھا وہیں وہاج بھی تحیر سے بولا۔

"میٹرک بھی اس کا کلیئر نہیں ہوا جاب کیا کرے گا اور کون دے گا بس آئندہ ماہ سے میری Payment زیادہ ہو رہی ہے سبب بن جائے گا۔"

"پھر بھی تمہارے اپنے گھر کا خرچہ بہت ہے میں خود ہی جاب کرونگی، شہباز کو پڑھانا ہے یہ چند سال نکل کر دھیان سے پڑھ لے گا تو زندگی آرام سے گزر جائے گی۔" اریبہ کی بات پر وہاج اسے دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا میں چلتا ہوں مجھے واپس آفس پہنچنا ہے اور تم خالہ کا بھی دھیان رکھا کرو کچھ دنوں تک کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے ٹائم لیتا ہوں اور شہباز پہ نظر رکھو زمانہ بہت خراب ہے۔" وہ براہ راست اریبہ سے مخاطب تھا۔

"تم بیٹھو میں چائے بناتی ہوں۔" وہ اخلاقاً بولی حالانکہ گھر چینی پتی تھی نہ دودھ۔

"نہیں چائے میں آفس میں پی لوں گا، تم بھی اپنی صحت کا خیال رکھا کرو، کتنی پیلی پڑ رہی ہو کھانا اچھی طرح کھایا کرو۔"

(کھانا تو ہفتے میں دو دن کھا کے دو دن بھوک کاٹنی پڑتی ہے صحت کیا بننی ہے) وہ محض لب کاٹ کر رہ گئی۔

"او کے اپنا دھیان رکھنا۔" وہ دھیرے اس کا ہاتھ دباتا مسکراتا پلٹا تھا اور اس کی آنکھیں سلگ اٹھی تھیں، اندر آکر واش بیسن کو ٹونٹی کھول کر منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتی وہ دوپٹے کے پلو سے چہرہ خشک کرتی برآمدے کی طرف بڑھی تو سامنے امی تھیں کچن میں ڈھیر سارے اوراق چولہے پر رکھے ماچس کی تیلی جلا کر انہیں لگاتیں، وہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی۔

"امی! آپ کیوں اٹھیں اور یہ کیا کر رہی ہیں۔"

"تم کھانا مانگ رہی تھیں ناں بھوک لگی ہے تمہیں میں تمہارے لئے روٹی بنانے لگی ہوں۔" وہ پھر کتنے سارے اوراق جلاتی بولیں۔

"میں خود کھانا بنالوں گی آپ اندر چلیں اور یہ اتنے کاغذ کہاں سے لئے۔" کہتے ہوئے اس

کی نظر خالی کور پر پڑی جو ابو کی شماریاتی نوٹ بک کا تھا اریبہ کی نگاہوں میں یکدم دھند اتری تھی اس کی پاگل ماں صالحہ کی بے ایمانی اور جھوٹ کا بڑا واضح ثبوت آگ میں جھونک چکی تھی شاید اس گھر کی خوشیاں اور سکھ بھی جل چکے تھے اسی آگ کی لو کے ساتھ۔

یہ دل اجڑی ہوئی چشم نم تنہائی
ہمارے پاس تو سارا مال درد کا ہے
ہم اس کو دیکھتے ہیں روتے جاتے ہیں
یہ صحن شب میں پڑا ہے جو تھال درد کا ہے

☆☆☆

اس نے پہلا قدم باہر رکھا تھا تو جیسے ایک انوکھے کیف کا لمحہ چھو کر گزرا اور دوسرا قدم اٹھاتے ہوئے اس کے انداز میں اعتماد واضح محسوس ہوا جب پوری طرح باہر آکر اس نے آسمان کو دیکھا اپنے اردگرد چلتی تیز ہوا میں سانس لیا تو اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

خوشی، تشکر اور جذبہ آزادی، وہ ایک بار پھر اذیت کے ماحول سے صحیح سلامت نکل آئی تھی پھر سے زندگی کو پا گئی تھی اور یہ احساس کتنا قیمتی تھا کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔

"آزادی کے بھرپور احساس کے ساتھ زندگی کی نئی صبح مبارک ہو۔" کیتھرین اس کے تمتماتے سرخ چہرے کو دیکھ کر مسکراتی بولی تو وہ خوشی و تشکر کے ملے جلے تاثرات لئے اس کے گلے لگ گئی۔

"تم بہت اچھی ہو کیتھی، بہت ساتھ دیا ہے تم نے میرا، اگر زندگی نے مجھے موقع اور ہمت دی تو میں اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کروں گی۔"

"بی ایزی ماریا، یہ دوستی ہے اور دوستی میں احسان ہوتا ہے نہ بدلہ سب حق سمجھ کر کیا اور وصولا جاتا ہے۔"

"تم گریٹ ہو کیتھی، مجھے مصیبت کے ان دنوں میں ملی ہو جب سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے اپنے لئے آسمانی تحفہ سمجھتی ہوں میں تمہیں۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔

"خداوند خدا نے دنیا میں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا رکھا ہے درحقیقت ہر کسی کی مدد اسی کے ہاتھ ہے اور پلیز اب یہ آنسو خشک کرلو اور دل سے عہد کرو کہ آئندہ تم کبھی اپنے یہ قیمتی آنسو ضائع نہیں کرو گی بلکہ ہنسو گی کیونکہ زندگی کے راستے بہت سی خوشیاں اور کامیابیاں لے کر تمہارے منتظر ہیں ان راستوں پہ پورے اعتماد سے چلو تا کہ منزلیں تمہیں خود بخود ہمقدم ہو کر ملیں۔" کیتھی کے الفاظ پہ عمل کرتے ہوئے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں پونچھتی وہ مسکرا دی تھی۔

"آؤ اب بیٹھو۔" (فلائر بس جو تقریباً جہاز کے مانند اڑتی ہے اور ان پہ بیٹھتے ہوئے سیٹ بیلٹ بھی باندھنا پڑتا ہے) تمہاری منتظر ہے۔"

وہ کیتھرین کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی یہ رولر کوسٹر رائڈ کا ایک دلچسپ ایڈونچر تھا پکٹن اور ویلنگٹن کے درمیان سے گزرتی فری جو کہ بس اور ٹرین کے ذریعے کرائسٹ چرچ سے جڑی ہوئی ہے یہیں پر دو مشہور سٹرکیں بھی ہیں جو کہ سرکاری ہائی وے ایک اور دو کہلاتی ہیں یہاں پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آکلینڈ تک لے جانے والی ٹرین سروس بھی ہے اس کے علاوہ کمپیوٹر سروس مختلف شہروں کے درمیان چلتی ہے یہاں پر سال میں چوراسی دن یا دو ہزار پچیس گھنٹے سورج نکلتا ہے، جس کی وجہ سے یہاں کا موسم منفرد ہے، یہاں پر گرمیوں میں بھی درجہ حرارت بیس ڈگری سینٹی گریڈ سے اوپر نہیں جاتا ہے اردگرد پہاڑیوں پر برفباری بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔

خوبصورت ولاز، قدرتی مناظر اور ہرے بھرے جنگلات اس شہر میں تقریباً پانچ سو مربع کلو میٹر پر پارک اور جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔

"اچھا لگ رہا ہے نا فیری کا سفر ویسے تو شہر کی سیر پیدل بھی کی جاسکتی ہے مگر تمہارے لئے میں نے فلائر سفر پسند کیا۔" کیتھرین ماریا کو مخاطب کرتی بولی۔

"پیدل سفر بھی اتنا دقت نہیں رکھتا کیونکہ شہر میں مختلف جگہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں، پھر یہاں پر سٹوڈنٹس یا سیاحوں کے لئے تو الیکٹرک والی بسیں عام ہیں، چھ ڈالر میں پورے دن کا پاس مل جاتا ہے اگر چار لوگ یہ پاس خریدیں تو دس ڈالر میں پڑتا ہے تاہم بس پر شہر گھومنے کے لئے تقریباً ڈھائی ڈالر سے بھی کم خرچ پڑتا ہے۔"

"واؤ بہت انفارمیشن ہے لگتا ہے خاصی شوقین ہوٹریول کی۔" کیتھی نے اسے دیکھا۔

"سو، سوان فیکٹ میں بچپن سے یہیں پلی بڑھی ہوں میرا تعلق انگلینڈ سے ہے مگر مجھے پرسنلی نیوزی لینڈ کے جزائر پسند ہیں خاص کر کیوبز کا شہر ویلنگٹن ایک تو یہ شہر آرٹ اور کلچر کا گڑھ ہے پھر یہاں کیفے کلچر عام ہے، زندگی یہاں پر لندن اور نیویارک سے زیادہ ہنگامہ خیز ہے۔"

"یہ تو ہے واقعی آرٹس فیسٹیول میلے اور ثقافتی سرگرمیاں یہاں ہر وقت عروج پر رہتی ہیں اور میں خود کیوباسٹریٹ کارن وال، سمرسٹی آرٹ شو اور ورلڈ وئیر ایبل آرٹ کی شوقین ہوں۔" کیتھی نے بتایا پھر قدرے توقف کر کے بولی۔

"اور پتا ہے 2005ء میں باقاعدہ سکول آف میوزک کے بینڈ میں شامل تھی اور ان دنوں مجھے یہ ہائی وڈ سٹار بننے کا بھی جنون سوار تھا۔" ماریا کو بتاتی کیتھی بے اختیار ہنسی تو ماراری نے اسے بغور دیکھا عمر تقریباً پینتیس سال تھی مگر نظر بیس کی آتی تھی وجہ فٹنس اور خوبصورتی اگر وہ سنجیدگی سے کوشش کرتی تو شاید کسی مووی کا حصہ بن جاتی۔

"تمہیں کبھی ایسے شوق لاحق نہیں ہوئے، تم تو بہت اٹریکٹیو بھی ہو اور کم عمر بھی کیا کوئی بوائے فرینڈ ہے یا تھا۔"

"میں ذرا مختلف نیچر کی لڑکی ہوں، ایک تو خود میرا رجحان ایسی چیزوں کی طرف نہیں گیا دوسرے نمبر پر میری تربیت کچھ مختلف خطوط پہ ہوئی ہے، کچھ کالج فیلو تھے جنہیں اچھے فرینڈز سمجھا مگر وہ ڈیٹ مارنے والی بات کہیں نہیں آئی۔" ماریا حد درجہ صاف گوئی سے بولی تو کیتھی باقاعدہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"Oh pour girl, you are reellijon popel" تم نے کبھی میوزک میں دلچسپی نہیں لی، بوائے فرینڈ نہیں بنایا تو یقیناً ڈرنک کی بھی نہ عادی ہوگی۔" کیتھی نے استفسارانہ انداز میں دیکھا۔

"مجھے ڈرنکنگ سے نفرت ہے پی، پلا کر اپنے معیار انسانیت سے گرنے والے پست اخلاق لوگ مجھے کبھی اچھے نہیں لگے۔"

"وہاٹ، یہ تو زندگی کے رنگ ہیں اور مغرب کے سو میں سے ننانوے فیصد لوگ اسی کلچر کو اصل زندگی سمجھ کر اپناتے ہیں۔"

"اور جو ایک فیصد نہیں اپناتے تم مجھے انہی میں سے ایک سمجھ لو۔"

"Very amazing۔" کیتھی نے حیرت سے کندھے اچکائے۔

"سوئمنگ کا شوق تو یقیناً ہوگا۔" کیتھی نے پھر سوال کیا۔

"مگر صرف اپنے گھر کے سوئمنگ پول پہ۔" وہ بولی تو کیتھی سر پیٹ کر رہ گئی۔

"اس شہر میں اور نیپل پر یڈ جیسا ساحلی پکنک سپاٹ ہے پھر جکوزی (سپا پول) مزے برگ سوئمنگ پول ہے اور تم گھر پہ سوئمنگ کرنا پسند کرتی ہو بجائے وہاں جانے کے یہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔"

"مجھے جسمانی نمائش کا شوق نہیں اگر ہوتا تو تم یہ سب عادتیں مجھ میں پاتیں۔"

"ڈرنک تم نہیں کرتیں، بوائے فرینڈ تمہارا نہیں کوئی، سوئمنگ آؤٹ ڈور پسند نہیں بائے گاڈ تم کیسی عجیب لڑکی ہو عجیب عادتوں والی، مجھے تو تمہارے اندر انیس بیس سالہ لڑکیوں والا تھرل نظر نہیں آتا۔" کیتھی کی حیرت واستعجاب بے حد تھے۔

"بس میں ایسی ہوں اور شاید میری اسی سپاٹ زندگی کی وجہ سے سب مجھے چھوڑتے رہے۔" اس نے شاید اعتراف کیا تھا۔

"مجھے تو تمہارے اندر کسی نن یا راہبہ کی روح نظر آتی ہے بلکہ ایک طرح سے مسلم عورتوں والے مرض لاحق ہیں تمہیں، جب میں پڑھتی تھی تو ہمارے کالج میں ہم سے سینئر ایک مسلم لڑکی ہوا کرتی تھی ڈاکٹر بننے آئی تھی بدیس میں اور عادتیں مزاج یہی نرا دیسی بلکہ جاہلانہ وہ بھی تمہاری طرح چڑا کرتی تھی ان چیزوں سے اور ہر وقت پیروں تک لباس پورا رکھتی بلکہ اسکارف یوں لیتی کہ سر کا ایک بال تک نہ نظر آتا، مجھ جیسیوں کو منی اسکرٹ وغیرہ میں دیکھتی تو توبہ استغفار پڑھتی یوں سو گز دور بھاگتی کہ گویا ہم بیماری ہیں جو اسے چمٹ جائیں گی، سچ بڑا مزا آتا تھا اسے ستانے کا۔" کیتھی بے طرح ہنستی چلی گئی گزرے ہوئے کسی لمحہ کو یاد کرتے ہوئے۔

"اب کہاں ہے وہ؟" ماریا نے بے اختیارانہ پوچھا۔

"پاکستان میں، میرڈ لائف گزار رہی ہے جوان بچے ہیں البتہ یہاں اکثر آتی رہتی ہے، اب آئی تو تمہیں ملواؤں گی تمہیں خوشی ہوگی اپنی ہم مزاج سے مل کر۔" ماریا سر ہلا کر اپنا لنچ باکس کھولنے لگی جو کیتھی نے چلتے وقت پیک کروایا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کی جا فاصلہ کیسا

کنول ریاض

''میرے لئے رام اور رحیم برابر ہیں۔''

بہت سال پہلے کہی گئی بات کی بازگشت کانوں میں گونجی تھی اور سامنے کے منظر نے گویا ایسے مار ہی ڈالا تھا، اتنی سکت بھی باقی نہ چھوڑی تھی کہ وہ نظر اٹھا کر اس عورت کو دیکھتا جس کا حال بھی کچھ کم قابل رحم تو نہ تھا، خالی آنکھوں کے ساتھ سامنے تکتی اس عورت کے لئے پٹے مجذوبانہ انداز کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ ایک مشہور ملکی پرائیویٹ چینل (Chain) چینل کی کامیابی کا سہرا اس عورت کے سر ہے اور وہ چینل اس عورت کے مرکزی خیالوں کی بدولت غیر ممالک میں بھی ہارٹ فیورٹ بن چکا تھا، لیکن شہرت اور کامیابیوں کی دوڑ میں وہ مرد بھی تو اس عورت سے کسی طور پیچھے نہ تھا ملکی فلم انڈسٹری کا سب سے مہنگا ہیرو جو دنیا بھر میں ایک مقام رکھتا تھا اور جس کا نام قلم کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا انفرادی سطح پر اپنے اپنے شعبے میں کامیاب یہ دونوں افراد اپنی ازدواجی زندگی میں بھی ایک بھرپور اور مطمئن زندگی گزار رہے تھے کویتا پٹیل اور شاہ نیل خان کے نام سے دونوں اپنے اپنے شعبے میں گرو کی حیثیت سے ناقابل تسخیر تھے تو وہیں ان کی محبت بھی ایک ایسا علامتی نشان بن چکی تھی کہ سچے پیار کرنے والے اپنی ازدواجی زندگی کی ابتداء میں ان کا ''آشیرواد'' لینا فرض سمجھتے تھے تاکہ وہ بھی اتنی ہی بھرپور اور کامیاب زندگی گزار سکیں جیسی کویتا اور شاہ نیل نے گزاری لیکن شاید قسمت اسی کا نام ہے کہ دنیاوی طور پر کامیاب یہ دونوں افراد ایک ایسے مقام پہ آ کھڑے ہوئے تھے کہ جہاں منزل کھو گئی تھی اور گمنام رستوں پر سفر کرتے یہ دونوں افراد آنکھیں

مکمل ناول



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھتے ہوئے بھی اندھے، کان رکھتے ہوئے بھی بہرے اور زبان رکھتے ہوئے بھی گونگے ہو گئے تھے دھڑکتا دل اور آتی جاتیں سانسیں اگر زندگی نہ کہلاتیں تو شاید وہ دونوں مردہ تصور کیے جاتے اور اب بھی تو وہ محض نام کو ہی زندہ تھے ورنہ تو وہ ایک ایسی زندہ لاش بن کر رہ گئے تھے جو سمجھنے والوں کے لئے نشان عبرت تھی، مکافات عمل شروع ہو چکا تھا اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔

☆☆☆

''تم سے بچھڑ کر مجھے احساس ہوا ہے راج کہ میں تمہارے بناء ادھوری ہوں، تم سے دور رہ کر ایک پل گزارنا بھی محال ہے میرے لئے I can,t live without you۔'' دونوں بازو اس کے گلے کا ہار بنائے اور اس کے سینے میں منہ چھپائے ایک جذب کے عالم میں سونیا نے یہ فقرے ادا کیے تھے جبھی دونوں بازوؤں کا گھیرا سونیا کی نازک لچکیلی کمر کے گرد حمائل کیے اس نے بھی کہا۔

''Me too sonia میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''سچ راج؟'' راج کے سینے سے سر اٹھا کر اس نے بے یقینی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ہنڈرڈ پرسینٹ۔'' راج نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یقین سے کہا اور اگلے پل سونیا کے چہرے پہ جھلکتے اس کے فرار کی راہیں مسدود کر دیں۔

''کٹ..... کٹ.....Shit۔'' ہاتھ میں پکڑا بال پوائنٹ زور سے زمین پہ مارتے اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا، جھنجھلاہٹ کے باعث اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا تھا جبکہ اس کا اسسٹنٹ راہول اس کے من کا بھید پا گیا تھا جبھی سامنے موجود پیل کو منظر سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا تھا، مایوسی کی تیز لہر ان کے چہروں پر جھلکی تھی لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ فی الحال کوئی بھی بات کرنا شاہ ویز کے غصے کو مزید ابھارے گا جبھی خاموشی سے بیک روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆

''یہ سب کیا ہے یار! ہزار بار کہہ چکا ہوں ان لوگوں سے کہ میں یہ فلم عام ڈگر سے ہٹ کر بنا رہا ہوں اس میں مجھے یہ بے ہودہ رومینس نہیں چاہیے بلکہ ایک سچا اداکار چاہیے اور ہر آنے والا نیا بندہ وہی پرانی بکواس دکھا کر مجھے متوجہ کر رہا ہے اگر یہی سب کروانا ہوتا تو پھر پرانے اداکار کیا برے تھے فضول میں ہم یہاں نئے ٹیلنٹ کے لئے جھک مار رہے ہیں۔'' ایک ہی سانس میں جوس کا گلاس خالی کرتے وہ پھٹ پڑا تھا۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ شاہ کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے تمہیں ہی شوق چڑھا تھا۔'' اس کے دوست اور پارٹنر وردھان پٹیل نے خفگی بھرے لہجے میں کہا تو شاہ ویز نے گہری سانس بھر کے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ غلطی ہماری ہی ہے ہمیں کم از کم اسکرپٹ تو ان لوگوں کو دینا چاہیے اب بغیر اسکرپٹ کے تو یہی چیپ سین دیکھائیں گے یہ لوگ۔'' شاہ ویز کی بات پہ وردھان پٹیل نے سنجیدگی سے سر ہلایا اور راہول کی طرف مڑا۔

''راہول یار شرما کو فون کرو اور اسے کہو کہ اسکرپٹ لکھ کر دے۔'' پٹیل کے کہنے پہ راہول فون اٹھائے نمبر ملانے لگا، جبکہ شاہ ویز سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

''For God sake sara try to understand۔''

''میری ہاسپٹل میں داخل ہے اسے اس وقت میں تمہاری ضرورت ہے۔'' شائستہ انگریزی میں اپنے سامنے کھڑی ہستی سے بات کرتے اس شخص کی ہیزل براؤن آنکھیں بھی گویا

فریاد کناں تھیں تمہیں کہ کسی طرح وہ رک جائے لیکن اس کے لہجے کی طرح اس کی آنکھوں کا تاثر بھی سامنے کھڑی سارہ مارٹن کو پگھلانے میں ناکام ثابت ہوا تھا۔

''Stop it david تم کیوں مجھے جذباتی دباؤ کا شکار کرنا چاہتے ہو، محض ہلکا سا ٹائیفائیڈ بخار ہے دو چار دن میں ٹھیک ہو جائے گا اب اس کے لئے میں اپنی اتنی اہم پروموشن ٹریننگ (Promosition Ftranning) تو نہیں چھوڑ سکتی۔'' چست جینز اور شرٹ میں وہ اپنے جس کے تمام خدوخال کو نمایاں کرتی سارہ مارٹن کے لاپرواہ لہجے نے ڈیوڈ مارٹن کی آنکھوں میں دکھ کا تاثر گہرا کر دیا تھا، اس نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کیے لیکن پھر فوراً بھینچ لئے اور سارہ مارٹن جو اسے شاید تسلی دینا چاہ رہی تھی، اس کے اس انداز پر چڑ گئی۔

''دیکھو ڈیوڈ پہلے بھی تمہاری اس فضول ضد کی وجہ سے میں کافی پیچھے رہ گئی ہوں، تمہیں ہی شوق تھا شادی کے پہلے سال بچے کا اور پھر پورا پریگنسی پیریڈ جس طرح سے میں نے گھٹ گھٹ کر گزارا تھا مجھے پتا ہے، چھ ماہ تک میری کی وجہ سے میں کہیں نہیں گئی کہ یہ تمہاری خواہش تھی، اور اب جب کہ میری سال بھر کی محنت اور کوشش کے بعد مجھے اس ٹریننگ کے لئے نامزد کیا گیا ہے تو تم پھر اپنی فضول خواہش کے پیچھے اس میں روڑے اٹکانے کی کوشش کر رہے ہو، بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے اس نے تنک کر کہا تو ڈیوڈ کو ملوں کی کیفیت میں اسے دیکھتا رہ گیا

''see a۔''

اب اگلے ماہ ملاقات ہو گی میری کو میری طرف سے بہت پیار دینا میں فون پہ اس کی خیریت معلوم کرتی رہوں گی۔

گھسیٹی ہوئی باہر نکلتی اس عورت سے چاہنے کے باوجود ڈیوڈ نظریں نہیں ہٹا سکا تھا۔

''کاش سارہ تمہارا یہ روپ مجھے پہلے پتا چل جاتا تو میں کبھی بھی تم سے شادی کرنے کی غلطی نہ کرتا۔'' ڈیوڈ نے تاسف سے سر جھٹکا۔

☆☆☆

''ماں!'' اپنے پیچھے آواز سن کر رضیہ نے پلٹ کر دیکھا سامنے اس کا بیٹا کھڑا منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا بات ہے شاہو.....؟'' برتن دھو کر ایک میں رکھتے اس نے پوچھا۔

''ماں مجھے بھوک لگی ہے کچھ کھانے کو دو۔'' رضیہ کے نرم لہجے سے حوصلہ پا کر وہ اندر چلا آیا۔ یہاں آ کے بیٹھو کاؤنٹر کے پاس ایک طرف جگہ بنائے اس نے کہا تو شاہو جلدی سے ماں کی بتائی جگہ پر چوکڑی مار کر بیٹھ گیا، ایک ابلا انڈا، دودھ کا کپ اوٹسکٹ پلیٹ میں رکھ کر رضیہ نے اس کے سامنے رکھے تھے، بڑے لوگوں کے مزاج بھی ان کے جیسے ہوتے ہیں، ناشتے کی میز پہ انواع و اقسام کی اشیاء میں سے چند چیزیں لے کر ہاتھ کھینچ لیتے تھے اور یوں صاحب لوگوں کا بچایا ہوا ناشتہ وقفے وقفے سے شاہو کا پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا صاحب لوگوں کے کھانے کے بعد باقی ملازم بھی کھا پی لیتے پھر بھی شاہو کے نصیب میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی تھا اور کچھ نہیں تو کوئی پھل یا ڈبل روٹی پہ جام لگا کر ہی رضیہ اسے پکڑا دیتی تھی روک ٹوک کوئی تھی نہیں بٹلر کھانا پکا کر اپنے کوارٹر کی راہ لیتا اور رضیہ کھانا چننے برتن اٹھانے کے بعد کچن کی صفائی اور برتن دھونے میں لگی رہتی یوں وہ یہاں کی شرکت غیرے مالک تھی جبھی شاہو کے لئے کچھ نہ کچھ بچائے رکھتی تھی۔

شاہو نے انڈا اوٹسکٹ ختم کیے اور دودھ پی کر فلانچیں بھرتا باہر بھاگ گیا۔

''کل جاؤ گے سکول، اس کو داخل کروانے گھر میں تو اب یہ سارا دن ادھم مچائے رکھتا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بی بی صاحب نے پہلے بھی ایک دو بار ٹوکا ہے پر یہ کہاں سنتا ہے اب اس کا سکول جانا ہی بہتر ہے راگنی بتا رہی تھی یہاں پاس ہی ایک سکول ہے وہاں راگنی کے ساتھ جا کے داخل کروا آؤں گی۔'' رضیہ خود کلامی کرتے ہوئے پھر سے برتنوں کی طرف متوجہ ہو گئی دھو کر رکھے گئے برتنوں کو صاف کپڑے سے سکھا کر کیبنٹ میں رکھ کر اس نے بھی اپنے کوارٹر کی راہ لی دوپہر کے کھانے میں ابھی وقت تھا وہ بھی کچھ دیر آرام کر لیتی اور ذرا شاہو کی بھی خبر گیری ہو جاتی۔

☆☆☆

''مسز ڈسلوا! یہ رضیہ ہے میرے ساتھ بیگ صاحب کے ہاں کام کرتی ہے میں نے آپ کو بتایا تھا ناں اور یہ اس کا بیٹا ہے شاہو۔''

اگلے دن وعدے کے مطابق راگنی اسے مسز ڈسلوا کے ہاں لے گئی تھی جو سکول میں پڑھاتی تھیں جبھی راگنی سکول آ کر سیدھا ان سے ہی ملی تھی۔

''او..... اچھا..... Come on بیٹا Come to me۔'' مسز ڈسلوا نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے شاہو کو اپنے پاس بلایا تھا۔

''جاؤ شاہو، میڈیم تمہیں بلا رہی ہیں۔''

مسز ڈسلوا کے ہاں کام کرنے کی وجہ سے راگنی کو تھوڑی بہت انگریزی کی شد بد تو ہو ہی گئی تھی جبھی ان کی بات سمجھتے ہوئے شاہو کو ہلکے سے ٹہوکا دیا وہ جھجکتا ہوا ان کے قریب گیا تو اس کے گال پہ پیار تھپکی دیتے انہوں نے اپنے پاس ہی بیٹھا لیا اور پھر رضیہ سے چند ایک اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے پر سوچ انداز میں سر ہلاتے گویا ہوئیں۔

ٹھیک ہے راگنی تمہارے کہنے پہ میں فادر سے بات کر کے اس بچے کو سکول میں داخل کر لیتی ہوں لیکن دھیان رہے کہ اس کو ریگولر سکول آنا ہو گا کوئی چھٹی نہیں اور گھر واپسی پہ بھی اس کو پڑھانا کیونکہ اگر اس کا رزلٹ اچھا نہ آیا تو اسے سکول سے نکال دیا جائے گا، آیا کچھ سمجھ میں؟'' مسز ڈسلوا نے بات کے اختتام پہ پوچھا تو راگنی کے ساتھ ساتھ رضیہ نے بھی فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر اب تم لوگ جاؤ اور چھٹی کے وقت بچے کو آ کے لے جانا۔'' مسز ڈسلوا نے اٹھتے ہوئے کہا اور شاہو کی انگلی پکڑ کر اندر کی طرف مڑ گئیں، ان کے جانے کے بعد راگنی رضیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''بھگوان کا شکر ہے رضیہ یہ کام تو ہوا، اب کم از کم تجھے سارا دن شاہو کی چنتا تو نہ ہو گی اور نہ ہی یہاں فیس دینی پڑے گی مسز ڈسلوا نے بتایا تھا کہ غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے اور کتابیں وردی بھی یہ پاس سے ہی دیں گے، اب دھیان رکھیں شاہو گھر آ کے پڑھے ضرور۔''

''وہ تو ٹھیک ہے راگنی پر میں چٹی ان پڑھ میں بھلا اتنے بڑے انگریزی سکول کا کیا پڑھا پاؤں گی شاہو کو؟'' مسز ڈسلوا کی انگریزی سے مرعوب رضیہ بے ساختہ بولی، داخلے کا مسئلہ حل ہوا تو نیا مسئلہ درپیش تھا۔

''یہ تو ہے..... پر رضیہ اتنی سہولتوں کے ساتھ کہیں اور پڑھانا مشکل ہے چل ابھی کچھ دن تو دیکھتے ہیں ورنہ پھر مسز ڈسلوا کا گھر پچھلے بلاک میں ہی ہے ان کی منت کر کے شاہو کو ایک گھنٹہ پڑھنے بھیج دیا کریں گے۔'' راگنی کی تجویز رضیہ کو بھی بہت بھائی جبھی تیزی سے سر ہلایا۔

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے پر پتا نہیں مسز ڈسلوا مانیں گی یا نہیں۔''

''چل جب ٹیم آیا تو دیکھی جائے گی ابھی تو اٹھ واپس جا کے ڈھیروں کام کرنا ہے بیگم صاحبہ کا پتا ہے ناں ذرا بھی دیر ہوئی تو وہ بے عزتی کریں گی کہ بس.....'' راگنی کے کہنے پہ رضیہ بھی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مدر (Mother marry school)'' میری سکول'' کی پرشکوہ عمارت سے نکلتے ایک بار مڑ کر رضیہ نے پیچھے دیکھا، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے دائیں بائیں لٹکتے مجسموں کے درمیان جلی حروف میں لکھے سکول کے نام کے عین اوپر صلیب گڑی تھی اور اپنی منفرد ساخت رکھتی عمارت کے ساتھ ساتھ ان مجسموں کی ہیبت بھی دیکھنے والے پہ ایک گہرا تاثر چھوڑتی تھی اس کی کرسچن کیتھولک سکول نے شاہو کو مفت تعلیم دینے کی نوید سنا کر رضیہ کو گویا خرید ہی تو لیا تھا جبھی بڑی عقیدت سے ان مجسموں کو دیکھتے وہ راگنی کے پیچھے ہو لی۔

☆☆☆

Hay mam dad what a pleasent surprise آپ دونوں ایک ساتھ وہ بھی دن کے اس پہر آج کچھ خاص ہے کیا؟''

شاہ ویز ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا ڈائننگ ہال میں ان دونوں کو دیکھ کر چہکا۔

''خاص تو ہے بیٹا جانی۔'' ڈیڈ کے لہجے پہ وہ چونکا۔

''What,s special dad? آج آپ کی ماما کے اعزاز میں ایک بہت بڑی پارٹی دی جا رہی ہے ان کی خدمات کو سراہنے کے لئے۔''

''اوہ ہاں بتایا تو تھا آپ نے۔''

Good wishes mam but i am sorry۔''

''میں نہیں آ پاؤں گا۔'' اس کے معذرت خواہانہ انداز میں ماما کا جوس پیتا ہاتھ رک گیا۔

''Thanks darling لیکن اگر آپ تقریب میں آ جاتے تو مجھے زیادہ اچھا لگتا۔''

''You are right mam میں خود بھی یہی چاہتا تھا لیکن دراصل ہمیں نئی فلم کے لئے کچھ آڈیشن لینے ہیں اس سلسلے میں لاس اینجلس جا رہے ہیں میں اور پیٹل سہ پہر تین بجے فلائیٹ ہے تمہاری۔'' کپ میں چائے انڈیلتے شاہ ویز نے تفصیلاً بتایا تو ماما سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''Ok son best of luck میں ذرا آرام کر لوں پھر مجھے پارلر جانا ہے۔'' کوئیتا پیٹل اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئیں جبکہ وہ دونوں باپ بیٹا باتیں کرنے لگے۔

''لگتا ہے کچھ نیا کر رہے ہو اس بار تم لوگ۔'' اس کے لاس اینجلس جانے کا پین کر پاپا نے بے ساختہ کہا تھا اور ان کی بے ساختگی پہ شاہ ویز کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''آپ کو تو نجومی ہونا چاہیے تھا پاپا، فوراً گیس کر لیتے ہیں کہ کیا ہونے لگا ہے۔'' اس کی بات پہ اب کے پاپا مسکرائے تھے۔

''بیٹا جی میں آپ کو اور پیٹل کو بچپن سے جانتا ہوں اور مجھے پتا ہے کہ تم لوگوں کی سوچ ہی نہیں بلکہ پسند بھی منفرد ہے اور مشکل پسند بھی اور پھر خود ہی تم بتا رہے تھے کہ اس بار کچھ الگ کر رہے ہو تم لوگ عام ڈگر سے ہٹ کر تو ظاہر ہے ایسے میں ہالی وڈ ایکٹرز کو فلم میں کاسٹ کرنا.....؟ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی سمجھتا۔'' نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے انہوں نے تفصیلاً کہا تھا تو شاہ ویز ہنس پڑا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں پاپا ہم لوگ اس بار تاریخ کو کچ کرنا چاہ رہے ہیں تاریخی پس منظر میں پروان چڑھتی دو الگ الگ خطوں سے تعلق رکھنے والے الگ انداز فکر الگ معاشرت کی عکاسی کرتے دو کردار جو صرف محبت کے لئے باہم ہوئے لیکن پھر خطوں کی محبت نے انہیں کچھ اور سوچنے پہ مجبور کر دیا۔'' مختصر الفاظ میں شاہ ویز نے انہیں فلم کی سٹوری سنائی۔

''اچھی بات ہے، اللہ کرے تم لوگوں کو من

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطلب کی کاسٹ مل جائے۔'' اپنی بات کے اختتام پہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو شاہ ویز نے بھی ان کی تقلید کی اسے تھوڑی دیر بعد ائیر پورٹ کے لئے نکلنا تھا۔

☆☆☆

''یہ شاہو ہے۔'' مسز ڈسلوا نے چار پانچ سالہ بچے کا ہاتھ پکڑ کر اسے فادر کے سامنے کیا۔ گول چہرے، بڑی بڑی آنکھوں، چپٹی ناک اور بھرے بھرے ہونٹوں کے ساتھ مناسب قد و قامت والا یہ بچہ فادر کی گہری نظروں سے خائف مسز ڈسلوا کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔

''مائی سن یہاں آؤ۔'' فادر نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے پاس بلایا تو ڈرتا جھجکتا شاہو ان کی کرسی سے ذرا فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' فادر نے اپنا بازو اس کے کندھے پر پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

''ش..... شاہو۔'' شاہو نے اٹکتے ہوئے جواب دیا۔

''کتنے بہن بھائی ہو تم لوگ؟'' فادر کے سوال پہ ایک پل کو شاہو نے پلکیں اٹھا کر دیکھا اور پھر سے نیچے نگاہیں جھکا لیں۔

''وہ تو نہیں ہے جی۔''

''ہوں..... اکلوتے ہو..... تمہارے ابا کیا کرتے ہیں؟''

''ابا.....؟'' شاہو نے فادر کا لفظ دہرایا۔

''ابا تو کوئی نہیں ہے جی بس ماں ہی ہے۔''

''اوہ ویری سیڈ..... او کے آج سے میں تمہارا فادر ہوں باقی سب کی طرح، ٹھیک ہے ناں؟''

فادر نے ازراہ ہمدردی کہتے ہوئے شاہو کو گلے لگایا تو کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''فادر اس کی ماں شملہ کی رہنے والی تھی اور باپ دلی شہر کا رہنے والا تھا سیر و تفریح کی غرض سے شملہ گیا وہیں اس کی ماں کو پسند کر کے شادی کر لی پندرہ دن بعد اس نے واپسی کی راہ لی اور جب دو سالوں تک اس نے مڑ کر خبر نہ لی تو اس کی ماں نے سوا سالہ بیٹے کو ساتھ لیا اور اس کے باپ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی باپ کو تو تلاش نہ کر سکی البتہ اب خود ایک گھر میں ملازمت کرنے لگی ہے جس سے سر پہ چھت، بدن پر کپڑے اور پیٹ بھر کھانا تو نصیب ہو گیا لیکن بچے کو پڑھا لکھا نہ سکتی تھی اس کا باپ کافی پڑھا لکھا تھا اسی واسطے اس کی ماں چاہتی ہے کہ یہ بھی پڑھ لکھ جائے اسی غرض سے اس کو یہاں لائی ہوں۔'' شستہ انگریزی میں مسز ڈسلوا نے شاہو کی کتھا سنائی تو فادر نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے مسز ڈسلوا اس بچے کو لے جائیں اب یہ آپ پہ ہے کہ کس طرح اس کا برین واش کرتی ہیں۔'' فادر بات کے اختتام پہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''خداوند اپنے پیرو کاروں کی تعداد بڑھانے میں ہماری مدد فرما۔''

حضرت عیسیٰ کے مجسمے کے سامنے صلیب کا نشان بناتے فادر نے زیر لب کہا اور اندر کی طرف بڑھ گئے جبکہ مسز ڈسلوا شاہو کا ہاتھ تھامے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''ماما..... ماما!'' ڈیڑھ سالہ ماریہ مسلسل سر پٹختے ہوئے ماں کو پکارے جا رہی تھی۔

''میری میرا بچہ ماما آ جائے گی۔'' ڈیوڈ کندھے سے لگائے مسلسل اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ماریہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔

''ماما.....!'' مسلسل روتی ہوئی ماریہ اب تھک کر سسکیاں بھر رہی تھی، اس کے بخار کو ہفتے بھر سے اوپر ہو گیا تھا علاج جاری تھا لیکن خاص

فرق نہیں پڑ رہا تھا، ماریہ ماں کے ساتھ بہت زیادہ وقت تو نہیں گزارتی تھی کہ سارہ اپنی آٹھ سے پانچ بجے تک کی جاب کے بعد بھی رات آٹھ بجے ہی گھر میں داخل ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی بمشکل ایک گھنٹہ میری کو دے پاتی تھی لیکن بیماری کی وجہ سے اور دوسرے ماں کی ایک ہفتے کی دوری نے اسے اچھا خاصا چڑچڑا بنا دیا تھا، ڈیوڈ اسے کندھے سے لگائے تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش میں تھا اور بالآخر تھوڑی دیر بعد اسے سلانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب تکیے پر نرمی سے اس کا سر رکھ کر لیٹا دیا اور ابھی ٹھیک سے خود صوفے پر بیٹھ بھی نہ پایا تھا کہ موبائل فون کی بجتی بیل نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''ہیلو پاما کیسی ہیں آپ؟'' دوسری طرف مسز فلزا مارٹن تھیں۔

''نہیں ماما کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔'' انہوں نے یقیناً ماریہ کی بیماری کا پوچھا تھا جبھی ڈیوڈ بتا رہا تھا۔

''ارے نہیں ماما! ایسے بھی کام چل رہا ہے میں سنبھال لوں گا بس وہ سارہ کو مس کرتی ہے اس لئے۔'' مسز مارٹن نے جانے اسے کیا کہا تھا کہ وہ انہیں باوجود خود بہت شدید پریشانی کے تسلی دینے میں مصروف ہو گیا تھا۔

''ماما! میں نے کہا ناں میں سنبھال لوں گا، آپ کی جاب کا مسئلہ ہو گا اور پھر اتنی چھٹیاں.....؟ نجانے کتنا وقت مزید لگے کور ہونے میں؟'' مسز مارٹن نے اسے اپنے آنے کے متعلق بتایا تھا، وہ ایک سکول میں ٹیچر تھیں اور سروس کے آخری سال چل رہے تھے، ڈیوڈ نے بھی اپنا سٹور ورکرز پہ چھوڑ رکھا تھا، صرف سارہ تھی جسے بیٹی سے زیادہ اپنا کیریئر عزیز تھا۔

''ماما دیکھ لیجئے آپ کو مشکل نہ ہو۔'' ڈیوڈ نے بالآخر تیم رضامندی دے دی تھی، ایک ہفتے سے مسلسل ماریہ کو سنبھالتے سنبھالتے وہ تھکنے لگا تھا، مسز مارٹن کے آ جانے سے اسے یقیناً بہت سہولت تھی، تبھی اب صوفے کی پشت سے سر ٹکائے وہ اپنا آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

''سسٹر ڈیزی یہ ہے آپ کا نیا طالبعلم۔'' مسز ڈسلوا شاہو کو لئے اب ایک خاتون کے سامنے کھڑی تھیں، سفید گاؤن اور اسکارف میں لپٹی وہ نازک اندام حسین لڑکی تھیں۔

''How cute it is mrs dissalva (یہ کتنا پیارا ہے مسز ڈسلوا)۔''

''Yes he is (سو تو ہے)۔'' مسز ڈسلوا مسکرائیں۔

''ہیلو بوائے کیسے ہو تم۔'' سسٹر ڈیزی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا تو شاہو نے جھٹ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھما دیا، اسے یہ لڑکی پہلی نظر میں ہی پسند آئی تھی۔

''بتایا نہیں تم نے بے بی کیا حال ہے تمہارا؟'' اس کے ہاتھ کو ہلکے سے جھٹکتے سسٹر ڈیزی نے اپنا سوال دہرایا۔

''ٹھیک ہوں۔'' شاہو نے ہولے سے لب ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' ہاتھ پکڑے پکڑے سسٹر ڈیزی نے دوسرا سوال کیا۔

''شاہو۔'' اب کی بار ذرا اونچی آواز میں جواب موصول ہوا۔

''تمہیں پڑھنا آتا ہے؟'' اس کا ہاتھ تھامے وہ میز کے پاس لے آئیں اور سامنے رکھا انگلش قاعدہ اس کے سامنے کھول کر رکھا، شاہو نے کوئی جواب نہ دیا۔

''پڑھو اسے شاباش۔'' اس کے کندھے پہ ہلکے سے تھپکی دیئے اسے پڑھنے پہ اکسایا، جبکہ شاہو حیرانگی سے سامنے قاعدے پہ بنی تصویریں دیکھ رہا تھا۔

''پڑھو ناں بیٹا۔'' ہلکے ہاتھ کے دباؤ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سسٹر ڈیزی دوبارہ کہا۔
"یہ سیب ہے، بالکل اصلی والا لگتا ہے پر اصلی تو نہیں ہے ناں؟" شاہو کے جواب نے اب کی بار ان دونوں خواتین کو حیران کیا تھا۔
"یہ سیب تو ہے لیکن یہ کیا ہے۔" "A" کے حرف پہ انگلی رکھے سسٹر ڈیزی نے دوبارہ پوچھا تو شاہو کی زبان پھر چل پڑی۔
"اس کا مجھے نہیں پتا کیا ہے مجھے تو بس ان کا پتا ہے یہ سیب ہے یہ گیند ہے اور یہ بلی ہے۔" شاہو کے جواب پہ سسٹر ڈیزی نے بے ساختہ گہری سانس لی۔
"اچھا ہندی پڑھنی آتی ہے؟" ان کی بات پہ شاہو نے نفی میں سر ہلایا۔
"تمہیں کوئی پوئم آتی ہے؟"
"وہ کیا ہوتی ہے؟" شاہو نے الٹا سوال کیا۔
"بیٹا نظم آتی ہے کوئی، گانے جیسی، بچوں والی نظم۔" اب کے بار مسز ڈسلوا نے اسے سمجھایا۔
"نظم..... گانے جیسی..... گانا..... آتا ہے۔" شاہو نے کہا تو سسٹر ڈیزی نے پھر سے مسز ڈسلوا کو دیکھا۔
"اچھا بچے گنتی (Counting) آتی ہے؟"
"جی آتی ہے ایک دو تین۔"
"نہیں ون ٹو والی۔" مسز ڈسلوا نے اسے ٹوکا۔
"نہیں وہ تو نہیں آتی۔"
"اچھا یہ بتاؤ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟" سسٹر ڈیزی نے ایک اور سوال کیا۔
"عبادت، وہ کیا ہوتی ہے۔" شاہو کے سوال نے سسٹر ڈیزی کو ششدر کر ڈالا جبکہ مسز ڈسلوا بھی اب کی بار کچھ حیران ہوئی تھیں۔
"عبادت مطلب جیسے نماز..... پڑھنا وغیرہ۔" مسز ڈسلوا نے کہا۔
"نماز..... تو ماں پڑھتی ہے جمعہ کو۔"
"تو اس کا مطلب ہوا کہ تم اللہ کی عبادت کرتے ہو۔"
"ہاں..... پتا نہیں مجھے نہیں پتا۔" ان کے سوالوں سے اکتائے شاہو نے کندھے اچکائے۔
"اچھا چلو آخری سوال یہ بتاؤ کہ تم کون ہو مسلمان، عیسائی یا ہندو؟" سسٹر ڈیزی نے اس کی بے توجہی دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجھے نہیں پتا مجھے بھی ماں نے نہیں بتایا پر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو مجھ سے؟" اب کی بار شاہو نے حیرانگی سے پوچھا۔
"مسز ڈسلوا تعلیمی لحاظ سے تو اس یہ کافی محنت کرنا ہوگی لیکن مذہبی لحاظ سے یہ ہمارے لئے بہت آسان ہدف ثابت ہوگا۔" مسز ڈسلوا نے سسٹر ڈیزی کی بات پہ سر ہلایا۔
"You are right sister he is a blanir page."
"جو بھی بتائیں گے یہ آسانی سے سیکھ لے گا۔" مسز ڈسلوا کی بات پہ سسٹر ڈیزی سے سنجیدگی سے سر ہلایا۔
"کیوں یہ تو ہے، آپ کی تو پرموشن (ترقی) پکی سمجھیں۔" سسٹر ڈیزی نے ہنستے ہوئے مسز ڈسلوا کو چھیڑا۔
"ہوں..... یہ تو ہے..... لیکن خیر اگر پرموشن نہ بھی ہو تو بھی کیا یہ اعزاز کم ہے کہ میں خداوند یسوع کے پیروکار بڑھانے میں کامیاب ہوئی ہوں۔" سینے پہ صلیب بناتے ہوئے مسز ڈسلوا نے عقیدت سے کہا تو سسٹر ڈیزی بھی صلیب کا نشان بناتے سر ہلا کر ان کی بات کی تائید کی۔
"او کے سسٹر اب میں چلتی ہوں آپ اپنا مشن سنبھالیں اور ہاں اس کا اصل نام شاہ نیل ہے شاہ نیل خان۔" مسز ڈسلوا نے کہا اور پھر اٹھ

کر باہر کی طرف چل دی۔

☆☆☆

"Hey shahwaz where are you going?" (شاہ ویز کہاں جا رہے ہو؟") شاہ ویز گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا تھا جب گیت کی آواز پہ رک گیا۔
"سٹوڈیو جا رہا تھا، کیوں خیریت ہے ناں؟"
"ہوں..... وہ دراصل مما نے آج شانتی پوجا رکھی تھی تو ان کا کہنا تھا کہ آج سب گھر پہ ہی رہیں۔" ایک ہاتھ سے بالوں کو جھٹک کر دوبارہ سے بینڈ میں جکڑتے اس نے مما کا پیغام پہنچایا تھا۔
"افوہ..... کیا مصیبت ہے یا ماما بھی ناں اب میرے نہ ہونے سے کون سا ان کے بھگوان نے شانتی کو یودھ (جنگ) میں بدل دینا ہے۔"
"بری بات شاہ ویز ایسے نہیں کہتے۔" اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں گیت نے اسے ٹوکا تھا۔
"چھوڑو یار! تمہیں پتا ہے ناں میں مذہب وذہب کو نہیں مانتا۔"
"لیکن شاہ ویز یوں بھلا مذہب کے بغیر بھی گزارہ ہے۔"
"Come on geet میں کون سا بھگوان یا اللہ وغیرہ کا انکاری ہوں میرے خیال میں سارے اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں لیکن یوں کسی کے لئے خود کو باندھ لینا یہ مجھ سے نہیں ہوتا، مندر ہو یا مسجد چرچ ہو یا گردوارہ میرے لئے سب قابل احترام ہیں اور اتنا کافی ہے او کے اب میں جاؤں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔
"مما کو کیا کہوں پھر؟" گیت کو مما کی فکر لاحق تھی۔
"کہہ دینا کہ میں نے منع کر دیا ہے، اور کیا؟" گاڑی کا دروازہ بند کرتے اس نے کہا تو گیت کندھے اچکاتی اندر کی طرف چلی گئی جبکہ شاہ ویز گاڑی سٹارٹ کرنے لگا، اپنی فلم کے لئے وہ لڑکی پسند کر آئے، لیکن اس کے لئے انہیں ساری شوٹنگ کہیں اور کرنی تھی وہ لڑکی یہاں آنے کے لئے تیار نہیں تھی سو ایسے میں ان لوگوں نے سکاٹ لینڈ کو ترجیح دی تھی لیکن اس سے پہلے وہ یہاں کا سارا کام مکمل کر لینا چاہتے تھے۔
"مما بھی پتا نہیں اتنی براڈ مائنڈڈ ہوتے ہوئے کبھی کبھی یہ دقیانوسیت کا مظاہرہ کیوں کرتی ہیں؟" سر کو ہلکے سے جھٹکتے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

Praye (دعا) کے اختتام پر تمام بچے صلیب کا نشان بناتے فادر مسیح کے مجسمے کے سامنے سے گزرتے اپنی اپنی کلاس میں جانے لگے تھے اپنی باری آنے پہ 4th فورتھ اسٹینڈرڈ کی لائن بھی چل پڑی۔
"ہے شاہ نیل! تم تو مسلم ہو پھر تم کیوں صلیب بناتے ہو؟"
ایک ہفتہ پہلے اس کی کلاس میں داخل ہونے والے روحت شرما نے حیرت سے شاہ نیل سے پوچھا تھا، اس کی بات پہ شاہ نیل ایک پل کو حیران رہ گیا اس نے تو کبھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔
"سب بچے ایسا ہی کرتے ہیں اس لئے میں بھی....." شاہ نیل نے ہچکچاتے ہوئے کچھ دیر بعد کہا تھا۔
"نہیں صرف عیسائی کرتے ہیں سب بچے تو ایسا نہیں کرتے میں اور قندیل ہندو ہیں ہم بھگوان کی پوجا کرتے ہیں، فیصل عشاء اور تم مسلم ہو، فیصل اور عشاء بھی نہیں کرتے صرف تم واحد ہو جو ایسا کر رہے ہو۔" روحت کی بات پر شاہ نیل نے تعجب سے اسے دیکھا وہ بات جو پچھلے چھ سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس سکول میں رہتے ہوئے وہ نہیں جان پایا تھا، روحت شرمانے ہفتہ بھر میں جان لیا تھا اور نہ صرف جان لیا تھا بلکہ اسے ٹوکنے سے بھی باز نہیں آیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے یہ ہمیں عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔" اس کی طرف جھکتے ہوئے روحت شرمانے راز دادی سے کہا تو اتنی دیر سے خاموش بیٹھے شاہ نیل نے بلا آخر زبان کھولی۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"میرے پاپا نے اور میری مما مجھے روز سکول بھیجنے سے پہلے روز بھگوان کے سامنے پوجا کرواتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمیں بس ان کو پوجا کرنی ہے اور کسی کے سامنے نہ ہاتھ جوڑنے ہیں نہ ماتھا ٹیکنا ہے فیصل اور عشاء کی ممی پاپا بھی کہتے ہیں کہ بس اللہ کی عبادت کرنی ہے تمہارے ممی پاپا ایسا نہیں کہتے؟" بات کے آخر میں سرگوشی میں روحت نے اس نے پوچھا تھا۔

"میری ماما..... نے..... تو کبھی نہیں کہا۔" پرسوچ انداز میں شاہ نیل کے لب ہلے اس کی بات کے جواب میں روحت کچھ کہنے والا تھا کہ پیریڈ کی بیل نے ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور پھر وہ کچھ کہے بغیر اندر کلاس روم کی طرف بڑھ گئے تھے اور پھر سسٹر ڈیزی کی کلاس میں شاہ نیل ایک بار پھر سے الجھ گیا تھا جب سسٹر ڈیزی نے کہا تھا کہ ہمیں یسوع مسیح کی عبادت کرنی چاہیے انہی سے مانگنا چاہیے تو ایسے میں فیصل، قندیل اور روحت نے فوراً ان کی بات پہ نفی میں سر ہلایا تھا اور عشاء تو بول بھی پڑی تھی۔

"سوری ٹو سے میم، لیکن حضرت عیسیٰ تو صرف پیغمبر ہیں اور عبادت تو صرف اللہ کے لئے ہی ہے نا۔" سسٹر ڈیزی اس کی بات پر دھیرے سے مسکرائی تھیں۔

"عشاء مائی ڈاٹر..... حضرت عیسیٰ کو تو، تو آپ مانتی ہیں ناں، پتا ہے کوئی مسلم اس وقت تک مسلم نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضرت عیسیٰ پہ ایمان نہ لائے اور جہاں تک بات ہے عبادت کی تو مائی ڈاٹر جیسے روحت اور قندیل عبادت تو بھگوان کی کرتے ہیں لیکن وہ مختلف دیوی اور دیوتاؤں کے ذریعے سے بھگوان سے سفارش کرواتے ہیں تاکہ بھگوان خوش ہو کر ان کی بات مان لیں اسی طرح ہم حضرت عیسیٰ کی سفارش کروانے کے لئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں۔" سسٹر ڈیزی کی بات پہ روحت کھڑا ہو گیا تھا۔

"لیکن میم بھگوان تو بھگوان ہے اور حضرت عیسیٰ حضرت عیسیٰ ہیں، آپ عیسائی ہو اس لئے انہیں مانتی ہو ناں، ہم تو ہندو ہیں اس لئے بھگوان کو مانتے ہیں۔" سسٹر ڈیزی نے بغور روحت شرما کو دیکھا۔

"مائی سن بات ہندو، مسلم، عیسائی کی نہیں ہے ہم سب یسوع کے پیروکار ہیں، بس عبادت کے طریقے مختلف ہیں، یا پھر نام دیکھو ناں آپ بھگوان کی عبادت کرتے ہو اور اس بات پر بھی ایمان ہے ہندوؤں کا کہ بھگوان نے اپنے اوتار زمین پہ بھیجے اسی طرح مسلم اللہ کو خالق مانتے ہیں اور پیغمبروں پہ ایمان لاتے ہیں جبکہ ہمارا کہنا ہے کہ یسوع مسیح، خدا کے بیٹے ہیں اور اس کی تبلیغ کے لئے دنیا میں آئے دکھی انسانیت کی خدمت اور ان سے پیار کرنا سکھانے کے لئے، بس یہی فرق ہے کہ ہم جبکہ ہم سب نے نام مختلف رکھے ہیں جیسے بھگوان، اللہ اور خدا ایک ہی ہستی ہے اسی طرح اوتار، پیغمبر ایک ہیں بس یسوع یعنی خدا یا بھگوان کا بیٹا ہے ہم یہ مانتے ہیں اور بیٹے تو زیادہ عزیز ہوتے ہیں اپنے فادر کو اس لئے ہم ان کے ذریعے سے سفارش کرواتے ہیں آپ لوگ ہمارے پیارے بچے ہو اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی ان کو مانو تا کہ آپ لوگوں کو دشمن (خواہشات) جلدی جلدی (God) خدا پوری

ے کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں میں۔"
کے اختتام پہ سسٹر ڈیزی نے ان کی رائے
چاہی تو تمام کلاس "یس میم" کی آواز سے
ج اٹھی تھی ایسے میں عشاء، فیصل، قندیل اور
ت نے کیا کہا شاہ نیل نہیں سن سکا تھا لیکن گھر
ی پہ وہ اپنی ماں سے پوچھنا نہیں بولا تھا۔

"ماں! حضرت عیسیٰ کون تھے ماں؟"

"حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول تھے کیوں؟ تم
یوں پوچھ رہے ہو؟" ماں نے بتا کر سوال کیا

"وہ ماں میرا دوست روحت کہتا ہے کہ
ں ان کی عبادت نہیں کرنی چاہیے اور ہماری
ہمیں عیسائی بنانا چاہتی ہے۔" رضیہ نے اس
آخری بات پہ دھیان دیا تھا یا نہیں لیکن
ت نام پہ ضرور چونکی تھی۔

"آئے ہائے..... یہ کیسا پٹاخہ بچہ ہے
ے، شاہو خبردار جو تو نے ایسے فضول بچوں سے
ی کی حضرت عیسیٰ ہمارے پیغمبر ہیں اور ہم ان
مانتے ہیں، تمہارا وہ دوست ہندو ہے ناں اس
ے بس۔"

"لیکن ماں، وہ عشاء اور فیصل بھی یہی کہتے
۔"

"دیکھو شاہ نیل میں نے تمہارا داخلہ اتنے
ے سکول میں کروایا ہے وہ سارے بڑا پڑھے
ئے ہیں اس لئے غلط تو نہیں کہیں گے ناں تم
اپنے استادوں کی بات دھیان سے سنا کرو
وؤں کا مذہب اور ہے اور ہمارا اور بس عیسائی
رت عیسیٰ کو مانتے ہیں اور ہم حضرت محمد اور
رت عیسیٰ دونوں کو ٹھیک ہے ناں؟" بات کے
ر میں رضیہ نے پوچھا تو نا سمجھتے ہوئے بھی
ے نے اثبات میں گردن ہلا دی اور ذہن میں
ی تھی کو لئے اٹھ کھڑا ہوا اس کے ان سوالوں
ے جواب نہ تو اس کے ہم عمر دوست دے سکتے
ے اور نہ ہی رضیہ، رہی سسٹر ڈیزی اور اس کے

دوسرے اساتذہ تو وہ جان بوجھ کر انجان بن جاتے تھے، ایسے میں خود کو الجھنا شاہو کو بھی پسند نہ تھا جبھی وہ ان باتوں کی چھوڑ کر اپنی پڑھائی اور کھیل کود میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

"پٹیل چل یار اٹھ ذرا لوکیشن دیکھ آئیں۔" شاہ ویز کی بات پر بیڈ پر تکیے کے سہارے لئے پٹیل نے ایک نظر اسے دیکھا اور مزید پھیل کر لیٹ گیا۔

"کچھ رحم کرو مجھ پر شاہ۔"

"کیوں تمہیں کیا ہوا ہے۔" پٹیل کی آواز میں نمایاں تھکاوٹ بھی اسے اپنے فیصلے سے باز نہیں رکھ پائی تھی جبھی تو لیے سے سر رگڑتے اب وہ ڈریسر کے سامنے کھڑا بال بنانے لگا۔

پچھلے دو ہفتے اور پھر کل کا سارا دن وہ لوگ انڈیا میں اپنا کام مکمل کرتے رہے تھے اور جیسے ہی کام مکمل ہوا تھا تو شاہ ویز نے فوراً کال کر کے سکاٹ لینڈ یارڈ کی فلائٹ کے بارے میں معلومات لی تھیں اور شاہ کی خوش قسمتی کی انہیں دو گھنٹے بعد کی سیٹس مل گئی تھیں جبکہ کہ پٹیل چڑ گیا تھا۔

"فار گاڈ سیک یار ذرا دو تین دن آرام کر لیتے پھر کر لیتے یہ سب۔"

"صرف پندرہ دن کی بات ہے اس کے بعد جتنا چاہے آرام کرنا میں اگلے دو ماہ میں یہ فلم ریلیز کروانا چاہ رہا ہوں اس لئے جتنی جلدی اس کی شوٹنگ مکمل ہو اتنا ہی اچھا ہے۔" قطعیت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے شاہ ویز اٹھ کھڑا ہوا تو مجبوراً پٹیل کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی تھی اور اب جبکہ انہیں ہوٹل پہنچے محض پندرہ بیس منٹ ہوئے تھے شاہ ویز شاور لئے موبائل اور گلاسز اٹھائے جانے کے لئے پر تولنے لگا تھا۔

"پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس شاور لینا ہے تو ٹھیک ورنہ دو چھپاکے مارو منہ پہ پانی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور نکل چلو ورنہ اس کا بھی موقع نہیں دوں گا۔"
انٹر کام پہ کافی اور سینڈوچز کا آرڈر کرتے شاہ ویز اپنا لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا تھا مجبوراً پٹیل نے باتھ روم کا رخ کیا تھا، کہ دس منٹ تو کم از کم اسے نہانے کے لئے درکار تھے ہی اور پانچ منٹ میں کافی سینڈوچز سے نبرد آزما ہونا، خیر کافی ساتھ بھی لے جائی جا سکتی ہے خود کو تسلی دیتے پٹیل نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ شاہ ویز کی طرف اچھالا تھا اور اگلے ہی پل اس کا جواب سنے بغیر دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

"گرینی..... ماما....." مسز فلزا کی گود میں لیٹی ماریہ کو پھر سے ماں کی یاد آئی تھی۔

"میری..... مائی چائلڈ..... ماما..... آ جائینگی آپ یہ جوس پیو۔" مسز فلزا نے اس کا سر ٹھیک کر دھیان جوس کی طرف کیا۔

"نہیں..... ماما۔" ڈیڑھ سالہ بچی اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

"میری جان ماما آ جائیں گی آپ ادھر آؤ میں آپ کو کھڑکی میں سے باہر دکھاؤ اتنے ڈھیر سارے بچے کھیل رہے ہیں۔" مسز فلزا اسے گود میں لئے کھڑکی کے پاس آ گئیں جہاں باہر ہاسپٹل گراؤنڈ میں چند بچے چہل قدمی کر رہے تھے یہ تین سے دس سال تک کے بچے بھی یہاں داخل تھے اور اب اپنے اپنے اٹینڈنٹ کے ساتھ باہر کھلی فضا میں چکر لگا رہے تھے دو تین بڑے بچے فٹ بال کھیل رہے تھے۔

"گرینی..... باہر....." بچوں کو کھیلتے دیکھ کر ماریہ کا بھی دل مچلا تھا۔

"او میرے بچے کا بھی دل کر رہا ہے باہر جانے کو۔" مسز فلزا نے پیار سے اس کا گال چومتے ہوئے کہا۔

"باہر..... باہر۔" ماریہ نے اب باہر جانے کی رٹ لگا دی تھی، مسز فلزا اسے پرام میں بٹھا کر باہر لے آئیں بخار نے اسے کافی کمزور کر دیا ٹھیک سے کھڑا بھی نہیں ہو سکتی تھی جبھی سکون پرام میں بیٹھی ہوئی تھی، ورنہ تو اب تک ان بچ کے ساتھ بھاگ دوڑ میں شریک ہو چکی ہوتی۔

مسز فلزا کافی دیر اسے باہر بچوں کے لئے بیٹھی رہی تھیں اور جب نیند کے جھونکوں ماریہ کو بے حال کر دیا تو پھر آہستہ آہستہ دھکیلتی اندر کمرے میں لے آئیں۔

"سو گئی ہے؟" اخبار پڑھتے ڈیوڈ نے اندر آتے دیکھ کر پوچھا۔

"ہوں۔" ہلکا سا سر کو اشارہ دے کر انہ نے ماریہ کو پرام سے اٹھا کر بستر پر ڈالا اور اس ٹانگوں پر چادر پھیلا کر ڈیوڈ کے قریب ر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"سارہ کے آنے میں تو ابھی کافی دن ڈیوڈ اور ماریہ کو اب ایکسٹرا کیئر (اضافی توجہ ضرورت ہے، جوس، سوپ، سیریلز وغیرہ ٹم ٹف ٹائمنگ میں سے وقت نکال کر یہ سب گے؟" مسز مارٹن کی بات پر ڈیوڈ سوچ میں گیا، اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔

"ماریہ کو ایک دو روز میں ڈسچارج جائے گا اور میرا خیال ہے کہ میں اسے ساتھ لے جاتی ہوں سکول میں میڈ سنبھا کرے گی اور گھر میں، میں خود اس کی دیکھ کر لوں گی ویسے بھی ہفتہ اتوار کی چھٹی ہوتی آرام سے سب کچھ ہو جائے گا۔"

مسز مارٹن کی تجویز پر ایک پل کو ڈیوڈ غور کیا اور پھر سر ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے ماما، میرا خیال ہے کہ مناسب ہے میں ویک اینڈ پر ملنے آ جایا کرا اور جب سارا آئی تو پھر ماریہ کو لے آؤں ڈیوڈ جواب دیتا واش روم میں چلا گیا ڈیو جواب پر مسز مارٹن مطمئن ہو کر کافی بنانے کھڑی ہوئیں، سینڈوچز کو شاپر میں سے نکا

ے میں رکھا اور کافی کے مگ لئے صوفے پر آ کر
لیکن
"تھینکس مام!" کافی کی شدید طلب ہو
تھی لیکن بنانے کا موڈ نہیں تھا کچھ دیر بعد وہ
ں روم سے نکلا تو مسکراتے ہوئے بولا۔
"Its all right۔" مسز مارٹن نے بھی
کراتے ہوئے جواب دیا اور اپنا سینڈوچ اٹھا
رکھانے لگیں جبکہ ڈیوڈ صرف کافی کا مگ لئے
آواز میں ٹی وی کھول کر بیٹھ گیا، ماریہ کے
نے تک یہ ٹائم ان کا اپنا تھا اور وہ اسے اپنی مرضی
ے استعمال کر سکتے تھے، جبھی ریلیکس انداز میں
ے، کافی سے لطف اندوز ہونے لگے۔

☆☆☆

"اے ہٹے شاہو، ایسے کیسے بے صبری سے
ا رہا ہے آرام آرام سے نوالے ڈال کہیں
ندا ہی نہ لگ جائے....." رضیہ نے شاہو کو
ی سے نوالے توڑتے دیکھا تو ٹوکے بغیر نہ رہ
ی۔
"ارے نہیں ماں آج مجھے بہت جلدی ہے
لوگ فائنل ایئر کی الوداعی پارٹی دے رہے
، اس میں کچھ ٹیبلوز بھی ہوں گے میں نے ان
حصہ لیا اور ابھی ہم ریہرسل کریں گے سکول
وع ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے۔"
"کیا ہونے ہیں؟" رضیہ کی سمجھ میں ٹیبلو
یں آیا تھا جبھی حیرت سے پوچھا۔
"او ہو اماں ڈرامے..... ڈرامے۔" شاہو
نے رضیہ کی لاعلمی پر چڑ کر کہا، اسے اکثر رضیہ کی
لمی تپا ڈالتی تھی، شاہو نے لفظ ڈرامے پر زور
یتے ہوئے کہا۔
"پر تیرا کیا تعلق ہے ڈراموں سے۔" رضیہ
یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ شاہو سکول میں
ھنے جاتا ہے تو یہ ڈراموں کا کیا تعلق پڑھائی
ے؟
"او ہو اماں میں نے اس ڈرامے میں رول
کرنا ہے اور پتا ہے وہ بھی ہیرو کا رول پہلے جس طرح میں نظمیں پڑھتا تھا اسمبلی میں اس طرح اب یہ کروں گا کہ ڈرامہ کروں گا آیا کچھ سمجھ میں۔" شاہو نے تفصیلاً ماں کو بتایا۔
"پر شاہو اس طرح تو تیری پڑھائی کا حرج ہوگا۔" رضیہ نے متفکر لہجے میں کہا۔
"ارے نہیں ماں ایسا کچھ نہیں ہوگا تو کیوں فکر کرتی ہے۔" شاہو نے سمجھانے کے سے انداز میں رضیہ کو کہا اور خود جلدی سے بیگ اٹھاتا باہر کی طرف چل پڑا اداکاری کب اور کیسے اس کی زندگی کا حصہ بنتی چلی گئی خود شاید شاہو بھی ٹھیک سے نہیں جانتا تھا، بچپن میں سسٹر ڈیزی اسے مختلف نظمیں وغیرہ اسمبلی میں پڑھواتی تھیں یوں اس کی ہچکچاہٹ اور جھجک آہستہ آہستہ ختم ہو گئی اور پھر کلاس تو سے ہی وہ مختلف مواقع پر ٹیبلوز وغیرہ میں حصہ لینے لگا تھا اور اب تو وہ گویا اپنے سکول کا ہیرو تھا ہر مشکل کردار جو کوئی دوسرا بچو پرفارم نہ کر پاتا وہ شاہ نیل خان کو دے دیا جاتا اور وہ اس کردار کو یوں کرتا کہ جیسے اس میں ڈھل گیا ہو، بقول مسز کیتھرین۔
"گاڈ نے شاہ نیل کو خاص صلاحیت دی ہے اداکاری کی اور اسے چاہیے کہ اپنی اس خوبی کو کیش کروائے مستقبل میں اسے فلم انڈسٹری جوائن کرنی چاہیے۔"
اور شاہ نیل نے اس بات کو گویا پلے سے باندھ لیا تھا مستقبل میں وہ صرف اتنی ہی پڑھائی کا ارادہ رکھتا تھا جو اسے فلم انڈسٹری میں مددگار ثابت ہوتی اس کا اصل میدان اداکاری تھی اور وہ اس میں بھرپور محنت کر رہا تھا۔

☆☆☆

"ہے سارہ تم کہاں جا رہی ہو؟"
ڈیوڈ نے ٹیبل پر کیک رکھتے ہوئے کہا، وہ ماریہ کی فرمائش پر آئسکریم کیک لایا تھا۔
آج ماریہ کی پانچویں سالگرہ تھی اور ڈیوڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ماریہ صرف سارہ کے انتظار میں بیٹھے تھے ڈیوڈ تو آج سارا دن گھر ہی رہا تھا اور ماریہ کو خوب انجوائے کروایا تھا۔

جبکہ سارہ نے ایسی کوئی زحمت گوارا نہ کی تھی اور اب بھی آٹھ بجے تک آ کر سیدھی اپنے کمرے میں گئی تھی اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد خوب تیاری کے ساتھ پھر سے باہر جانے کو تیار تھی جبھی ڈیوڈ نے حیرانگی سے اس سے استفسار کیا تھا۔

''ایم سوری ڈیوڈ میں ضرور رکتی لیکن آج میرا مائیکل کے ساتھ ڈنر کا پراجیکٹ تھا۔''

لیکن ماما مجھے آپ کے ساتھ اپنی برتھ ڈے منانا پسند ہے۔''

''سوری ڈارلنگ لیکن میرا یہ بزنس ڈنر ہے مجھے ہر حال میں جانا ہے۔''

''Many many happy returns of the day۔''

''او کے آپ کا گفٹ ادھار رہا۔'' ماریہ کے گال پہ چٹ پٹ بوسے دیتے وہ ہاتھ ہلاتی باہر نکل گئی تو ماریہ نے بے دلی سے ڈیوڈ کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پہ رقم مایوسی نے ڈیوڈ کو اندر تک کاٹ ڈالا تھا جبھی دل میں پھیلی بے زاری سے نظر چرا کر وہ ماریہ کو بہلانے لگا۔

''کم آن میری کیک کی کریم پھیل کر خراب ہو جائے گی پھر مزا نہیں آئے گا۔''

''But papa-----mam۔''

''بیٹا انہوں نے بتایا تو ہے کہ انہیں بزنس ڈنر پہ جانا ہے۔'' ماریہ کو بہلاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

اور پھر اگلا پورا گھنٹہ وہ اسے ادھر ادھر مصروف رکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا، لیکن خود الجھا ہوا تھا، ماریہ دس بجے سو گئی تھی اور ڈیوڈ اس پر کمبل درست کرتا باہر نکل آیا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اور جب رات کے تین بجے سارہ کے لڑکھڑاتے وجود کو سہارا دے کر اندر آیا اس ڈیوڈ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود کے ساتھ کر بیٹھے اور شاید وہ ایسا کر بھی لیتا لیکن مار وجہ سے وہ نہ تو خود کو کوئی ڈک پہنچا سکتا تھا ہی سارہ کو چھوڑ سکتا تھا، لیکن سارہ کی حرکات اب ڈیوڈ کے لئے قابل قبول نہ تھیں، ماریہ ہو رہی تھی اور سارہ کی غلط حرکات کا اثر قبول سکتی تھی، ڈیوڈ اب سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل رہا تھا اور بلا آخر اس نے سارہ سے آخری بار کر اس مسئلے پر بات کرنے کا سوچا، باوجود یقین کے کہ سارہ پر کچھ اثر نہ ہو گا لیکن ڈیوڈ آخری کوشش کرنا چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

بہت محبت سے اس نے اپنی محبوبہ کے کو تھاما تھا۔

''I am sorry darling۔''

''مجھے معاف کر دینا پیاری لیکن میں ہوں مجھے حقیقتاً تم سے محبت ہے، میرے دل تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا لیکن شاید ہمارا تقدیر میں نہیں لکھا۔'' نرمی سے اس کے ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا سامنے کھڑی لڑکی کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اپنی پوروں موتیوں کی چن لیا تھا اور اس انداز پہ وہ ٹوٹ ہوئے پھل کی طرح اس کے کندھے سے آ تھی، ہچکیوں اور آنسوؤں کا ایک طوفان تھا جو نکلا تھا۔

''can,t live with out you jan (جان میں تمہارے بغیر نہیں سکتی)۔''

''ease sweety be brave (پیاری بہادر بنو)۔''

''ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہ اب سوال ہماری ذات کا نہیں ہے اب بات

دو الگ الگ خطوں کی ان کی محبت کی ہمارے قبیلوں کی جنہوں نے برسوں کی محنت اور جدوجہد کے بعد اپنے لئے الگ الگ ریاستیں حاصل کی ایسے میں ہم میں سے کسی ایک کو بھی دم مارنے کی اجازت نہیں، شادی کی صورت میں ہم دونوں ہی قبیلوں کی شناخت کھو دیں گے اور نہ ہی کوئی خطہ ہمیں پناہ دے گا، ایسے میں اپنی آئندہ نسلوں کو بے نام و نشان کرنا؟ نہیں ڈیئر ہم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ساتھ اپنی اپنی ریاستوں کی طرف ہجرت کر جائیں۔'' جان نے بہت نرمی اور سنجیدگی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیرے دھیرے سے کہا تھا۔

''لیکن جان ہم یہاں بھی تو رہ سکتے ہیں ناں جیسے پہلے رہ رہے تھے۔'' صنف نازک کی ازلی عادت ہر حال میں محبت کی پانے کی چاہ اور ہر ممکن حل ڈھونڈنے کی جدوجہد سو ایک اور مشورہ۔

''ہاں جیسے پہلے رہ رہے تھے، تیسرے درجے کے شہری بن کر کل کو جس شخص کا دل چاہے گا تمہیں مجھ سے چھین کر لے جائے گا کیونکہ وہ اس ملک کا پیدائشی شہری ہے ہر حق رکھتا ہے جبکہ ہم باوجود پانچویں نسل ہونے کے ابھی تک مہاجر ہیں اور ان کے غلام بھی نہیں، میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا، اس سب سے کہیں بہتر ہے کہ ہم باعزت طریقے سے الگ ہو جائیں اور اپنی اپنی نئی دنیا بسا لیں اپنے لئے نہ سہی اپنی آئندہ نسلوں کے لئے سہی، ہماری آج کی لرزش کہیں ہماری آئندہ نسلوں کو پھر سے اس غلامی اور ذلت کی زندگی میں نہ لے جائے جس سے بچنے کے لئے ہمارے قبیلوں نے اتنی بڑی بڑی قربانیاں دیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ہی گریک کامیاب ہو اور ہر بار ہی الگ ریاست کی نوید ملے اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو اس کے لئے اپنی پانچ نسلوں کی پھر سے اسی عذاب میں دھکیلنا، یہ تو ظلم ہے اور میں اس کا بار اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتا، کل رات میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اپنے ملک اپنی ریاست کی طرف چلا جاؤں گا، زندگی میں اگر کبھی کوئی بھی مشکل ہو تو یہ یاد رکھنا کہ میں تمہیں ہر دم ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا تھا، تم ضرور کسی اچھے ہم سفر کا ساتھ تھام لینا یہ گزارش بھی ہے اور حکم بھی۔'' اس کے کندھے کو تھپتھپاتے جان نے آخر میں ایک اور آزمائش لا کھڑی کی۔

''اور تم.....؟'' وہ جانتی تھی کہ جان اپنا ارادہ نہیں بدلے گا جبھی نیا سوال کیا۔

''میں بھی سال دو سال تک سنبھل گیا تو ضرور کسی کو زندگی کا ساتھی بنا لوں گا کہ بالآخر ہمارے لوگوں کو ہماری آئندہ باشعور نسلوں کی ضرورت ہے جو ہمارے ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔'' اس سے نظر چراتے جان نے کہا تھا۔

''اور دل کا مکین؟'' ایک اور سوال سامنے تھا۔

''دل کے مکین روز روز تھوڑی بدلے جاتے ہیں۔'' اپنے خود سے الگ کرتے جان نے سرگوشی کی تھی اور اس آخری بات پر وہ گویا پھر سے جی اٹھی تھی۔

''میں اپنی باقی کی زندگی اس بات کے سہارے کاٹ لوں گی جان اور یقین رکھنا خوشی سے نہ سہی نہیں بلکہ کوشش کروں گی کہ دل کی پوری رضامندی اور خلوص کے ساتھ کسی کی ہم سفر بن سکوں کہ بہر حال جب اپنے لئے نہ جی سکی اپنی خوشی نہ پا سکی تو کم از کم اتنا تو کروں کہ اپنے لوگوں کو آئندہ تعلیم یافتہ اور محنت کش نسلوں کا تحفہ دے سکوں۔''

بہر حال اس نے بھی حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا جبھی جان کے ہاتھ کی پشت پر الوداعی بوسہ دیتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوالیا تھا۔

ایک پل کے لئے جان نے اس کے چھوٹتے ہاتھ کی انگلیوں کو ہلکے سے دبایا اور پھر دوسرے ہی لمحے چھوڑ کر الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا یہ گویا اسے جانے کا اشارہ تھا، جبھی الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہٹتے اس نے اپنا رخ موڑا اور دوڑتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی، جان نے اپنی آنکھ میں آئے آنسو کو انگلی کی پور پہ چنا اور ہلکے سے جھٹک دیا اور مڑ کر اپنے رستے ہولیا، اس کے قدموں کا دھیما پن اس بات کی گواہی تھا کہ یہ فیصلہ اس کے لئے کتنا بھاری تھا لیکن بہرحال حقیقت یہی تھی کہ ان کے بچھڑنے میں ہی سب کی بہتری تھی۔

بیگ گراؤنڈ میں بجتے میوزک اور جان کے تھکے ماندے اٹھتے قدموں کی اداکاری نے گویا سماں باندھ دیا تھا ایک پل کو تو شاہ ویز بھی شاکڈ رہ گیا تھا جبھی پنیل کی کٹ..... کٹ..... کٹ کی آواز پہ یکدم ہوش کی دنیا میں آیا تھا۔

☆☆☆

او لیول کے بعد وہ مزید تعلیم کے لئے ممبئی چلا آیا اور تعلیم کا تو صرف بہانا تھا اس کا اصل مقصد بالی ووڈ میں جگہ بنانا تھا، جبھی رضیہ کے اصرار پر بھی وہ نہیں رکا تھا اور کالج کے پہلے سال ہی اسے خدا نے یہ موقع فرام کر دیا تھا، جب ڈرامیٹک سوسائٹی کے زیر اہتمام ہیر رانجھا میں اس نے رانجھا کا کردار ادا کیا تو ایسے میں بالی ووڈ کے ایک درمیانے درجے کے ہدایت کار کی نظروں میں آ گیا، جبھی اسے اگلے دن کالج کے پرنسپل صاحب نے بلا بھیجا جب وہ وہاں پہنچا تو پرنسپل صاحب کے ساتھ بیٹھے انیل ورما کو دیکھ کر چونک گیا۔

"ارے شاہ نیل آؤ آؤ۔" اس کے ڈھیلے پڑتے قدموں کو دیکھ کر پرنسپل صاحب بولے تو وہ چلتا ہوا ان کے قریب آ رکا۔

"بیٹھو بیٹھو..... شاباش۔" بہت خوشی سے انہوں نے اسے بیٹھنے کو کہا تھا اور جب وہ بیٹھ چکا تو انیل ورما کی طرف متوجہ ہوئے۔

"لیجئے ورما صاحب یہ ہے شاہ نیل جس نے ہیر رانجھا میں رانجھا کا کردار ادا کیا تھا۔"

"ہیلو ینگ مین میرے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو گے I am aneel warma مجھے اپنی نئی فلم کے لئے ایک نئے چہرے کی تلاش تھی جو تم پہ آ کر ختم ہوگئی کیا تم میری نئی فلم میں 2nd ہیرو کے طور پر کام کرو گے؟" انیل ورما کی بات سن کر ایک پل کو تو وہ شاکڈ رہ گیا تھا، فلم میں کام کرنا اس کا خواب تھا ایسا خواب جو اس کے بچپن سے لے کر جوانی تک اسے کے ساتھ پلا بڑھا تھا لیکن پہلے ہی چانس میں ہیرو کے طور پر خواہ 2nd ہیرو کے طور پر سہی شاہ نیل خان کو اس کی قطعاً امید نہ تھی۔

"ہاں تو شاہ نیل کیا کہتے ہو Its a big chance for you۔" پرنسپل صاحب نے اسے چپ دیکھ کر کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے سر لیکن میری پڑھائی.....؟" اگرچہ اس کے لئے یہ بہت بڑی کامیابی تھی اور وہ ایسے ہی کسی چانس کے انتظار میں دو چار سال مزید پڑھائی جاری رکھنے کا سوچے ہوئے تھا لیکن اب جب کے قسمت نے اپنی جلدی اس کے دروازے پر دستک دے دی تھی تو کہاں کی پڑھائی؟ لیکن محض ایک رسمی سا بہانہ اور وہ جانتا تھا کہ سامنے بیٹھے دونوں افراد بھی اس بودے بہانے کو قبول نہیں کریں گے۔

"پڑھائی کا کیا ہے پیارے وہ تو چلتی رہے گی اور اگر تم اس فلم سے اپنے کام کی بدولت چھا گئے تو تمہیں اس نام نہاد پڑھائی کی چنداں ضرورت نہیں رہے گی، فلم انڈسٹری میں اچھی پرسنالٹی اور خوب صورت لب و لہجے میں انگریزی بولنا

ضروری ہے اور تم میں یہ دونوں خوبیاں موجود ہیں، خیر پھر بھی تم سوچ لو، ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔" انیل ورما نے سب کچھ کہہ کر پھر بھی معاملہ اس کے سر چھوڑا۔

"میرا خیال ہے شاہ نیل تمہیں یہ چانس لے لینا چاہیے جہاں تک پڑھائی کی بات ہے تو وہ سب چلتا رہے گا اور میں تمہارے لئے اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہاری شوٹنگ کے دنوں میں ہونے والے لیکچرز کے نوٹس پروفیسرز سے تمہیں لے دوں گا اور اس کے علاوہ بھی تمہیں جس قسم کی مدد کی ضرورت ہوئی وہ تمہیں فراہم کر دی جائے گی، تمہارے اندر ٹیلنٹ ہے اور میں اس کی قدر کرتا ہوں اگر تم کامیاب ہوتے ہو تو یقیناً اس سے کالج کا نام بھی روشن ہوگا اور یہ ہمارے لئے اعزاز کی بات ہے اور دوسرا یہ کہ تمہارے لئے ایک روشن مستقبل کی راہیں کھل جائیں گی اور میں نہیں چاہتا کہ میں بذات خود یا میرا ادارہ تمہارے راستے کی رکاوٹ بنیں، اس لئے بیٹا ایسا کوئی قدم مت اٹھانا جس سے کل کو تمہیں کوئی پچھتاوا ہو۔" پرنسپل صاحب کے بھرپور تعاون پر اس کے اندر کا رہا سہا اندیشہ بھی دور ہوگیا تھا جبھی سر ہلا کر انیل ورما کی طرف متوجہ ہوا۔

"ٹھیک ہے سر میں یہ چانس ضرور لوں گا قسمت اگر مجھے ایک اچھا موقع دے رہی ہے تو میں اسے بے وجہ کیوں گنواؤں۔" اس کے کہنے پر انیل ورما کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"Good" اسے کہتے ہیں عقلمندی، تو ٹھیک ہے تم کل صبح گیارہ بجے میرے سٹوڈیو آ جانا میں اسکرپٹ تمہارے حوالے کر دوں گا ہفتہ دس دن اس کی پریکٹس کرو اس کے بعد پھر شوٹنگ شروع کر دیں گے۔" اپنا کارڈ شاہ نیل کی طرف بڑھاتے ہوئے انیل ورما اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت شکریہ پرنسپل صاحب آپ کے تعاون سے مجھے ایک نیا چہرہ مل گیا امید ہے آئندہ بھی آپ کا کالج مجھے مزید ٹیلنٹ فراہم کرتا رہے گا۔"

"ضرور ورما صاحب۔" گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے انہوں نے کہا تو شاہ نیل بھی اٹھ کھڑا ہوا اور ورما صاحب کے پیچھے پیچھے ہی باہر نکل گیا۔

☆☆☆

Great..... زبردست..... اس کی تالیوں پہ اسٹیج پر موجود ہر شخص کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ جھلکی تھی اور یہ اطمینان کیوں نہ ہوتا اس سین کا یہ آٹھواں ری ٹیک تھا۔

"Thank God---- we completed it۔" شاہ ویز کی بات پر پنیل نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"Ya thank god ورنہ تم نے تو ہمیں اور نجانے کتنا مجل خواز کرنا تھا نہ دن کی تمیز نہ رات کا پتا اب کم از کم اگلے پروجیکٹ تک نیند تو مکمل ہو جائے گی۔" پنیل کی بات پر اب ہنسنے کی باری شاہ ویز کی تھی۔

"خیر وہ تو تمہاری کبھی بھی پوری نہیں ہوگی، پتا نہیں تم نیند کے اتنے رسیا کیوں ہو؟" شاہ ویز کی بات پر پنیل تپ اٹھا۔

"ہاں ہاں، تم جیسے چار گھنٹے میں بھرپور نیند لینے والوں کو کیا معلوم کہ اگلا بندہ کم و بیش آٹھ گھنٹے کی نیند کے بعد ہوش میں آتا ہے۔"

"آٹھ نہیں اٹھارہ کہو، آٹھ گھنٹوں سے تم جیسے نشئی نیند کا کچھ نہیں بنتا۔"

"یہ زیادتی ہے شاہ ویز، خیر اس بات کا جواب ادھار رہا ابھی تو یہ بتاؤ کہ اگلا پروگرام کیا ہے؟" ان کا اسسٹنٹ راہول Back up کروا کر سب کو لنچ کے لئے کامن روم میں لے گیا تھا، جبھی دونوں فرصت ہے نوک جھونک میں مصروف تھے، لیکن بالآخر پنیل کو خیال آ گیا تھا کہ ابھی صرف ریکارڈنگ مکمل ہوئی، کمپوزنگ اور پھر اس کے بعد کلیئرنس کا کام ابھی باقی ہے، کلیرنس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو خیر کچھ خاص مسئلہ نہ تھا سنسر بورڈ سے اب تک جتنی بھی ان کی فلمیں گزریں تھیں ساری کی ساری مکمل طور پر پاس ہوگئی تھیں سین تو ایک بڑی بات ہے ان کی فلم کا تو کوئی ایک ڈائیلاگ بھی قابل گرفت نہ تھا اور اب کی بار تو ان دونوں کے خیال میں یہ ان کی فنی زندگی کی کمال ترین کاوش تھی۔

"کیمونگ کا کام ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ میں ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر صرف سنسر بورڈ والوں کا ہی مسئلہ ہے کوشش کریں گے کہ جلد سے جلد یہ مسئلہ نبٹ جائے چلو خیر اب یہ سب تو انڈیا میں ہی چل کر کرنا ہے ابھی تو اٹھو کچھ پیٹ پوجا کا انتظام کریں۔" شاہ ویز نے کہہ کر چابی اور موبائل اٹھایا تو پٹیل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ..... ایم سوری..... رئیلی ویری سوری۔" کافی شاپ کی سیڑھیاں چڑھتے وہ کسی کے ساتھ بہت زور سے ٹکرایا تھا۔

"Its all right" خود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے شاہ ویز نے کہا تھا۔

"ارے آپ تو شاہ ویز ہیں شاہ نیل خان اور کویتا کپور کے بیٹے I am right۔" سامنے کھڑی لڑکی اب یقیناً اپنے حواسوں میں آچکی تھی جبھی جان پہچان کے مراحل طے کررہی تھی۔

"Come on riza we are already late hurry up۔"

رجا نامی لڑکی کے پیچھے بہت تیزی سے سیڑھیاں اترتی وہ لڑکی اپنے پرس میں منہ دیئے کچھ تلاش کررہی تھی اور اب شاید اس کی تلاش ختم ہوگئی تھی جبھی پرس کی زپ بند کرکے بیل گم منہ میں ڈالی اور رجا کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"ہے مومی دیکھو شاہ نیل خان" کہی ان کہی" والا۔" رجا نے اس مومی نامی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اس نے بھی چیخ مار کر گویا خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"Unbleaiveable its a great surprise for us آپ یقیناً اپنی کسی نئی فلم کی شوٹنگ کے لئے یہاں آئے ہوں گے۔"

فارنر خدوخال والی لڑکی نے جب پٹا پٹ ہندی بولنا شروع کی تو پٹیل کے ساتھ ساتھ شاہ ویز بھی حیرانگی سے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ ہمارے ساتھ ایک کپ کافی پینا پسند کریں گے؟" رجا کی بے باکانہ آفر پہ شاہ نیل کے چہرے پر ناگواری ابھری تھی اور ابھی وہ انکار کرنے ہی لگا تھا کہ رجا پھر سے بول پڑی۔

"Actually momy is a writer انگلینڈ کے The time اور week end میں اس کے کئی افسانے اور کہانیاں چھپ چکی ہیں اگر آپ چاہیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو کوئی اچھی سٹوری مل جائے۔" رجا کی وضاحت پر شاہ ویز اور پٹیل نے ایک پل کو ایک دوسرے کو دیکھا، میگزین کے حوالے خاصے تگڑے تھے اور منفرد کرنے کی چاہ ان دونوں کو ہر پل بھگائے رکھتی تھی جبکہ اب کی بار اگر خود ٹیلنٹ ان کے پاس چل کر آیا تھا تو وہ کیوں کفران نعمت کے مرتکب ہوتے جبھی نوراً حامی بھری۔

"اچھی بات ہے تو آیئے پھر کافی ہو جائے ساتھ ساتھ گپ شپ بھی ہو جائے گی۔" شاہ ویز کی بات پر وہ دونوں بھی ان کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گئیں، کیسی جلدی اور کہاں کی دیر؟ شاہ ویز خان کے لئے وہ اپنا سارا وقت صرف کرسکتی تھیں۔

☆☆☆

"سارہ I want to talk you۔" ڈیوڈ نے سارا کو مخاطب کیا۔

"ہاں تو کرو کس نے منع کیا ہے؟" کلینزنگ کرتے سارا کے ہاتھ ایک پل کو رکے تھے، اس کے غیر سنجیدہ رویے پہ ڈیوڈ کو نئے

سرے سے تکلیف ہوئی تھی۔

"سارہ تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں کچھ وقت ماریہ کو دینا چاہیے اسے تمہاری ضرورت ہے۔"

"تم آن ڈیوڈ ہر دوسرے ہفتے تمہیں یہ ہی دورہ کیوں پڑ جاتا ہے، ماریہ اچھا کھاتی پیتی ہے اچھے سکول میں جاتی ہے ہر قسم کا کھلونا اس کے پاس ہے اور اسے کیا چاہیے؟" ڈیوڈ کی بات پر سارہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن سارہ یہ ساری چیزیں ماں کا نعم البدل کو نہیں ہوسکتی، تم اگر روزانہ ایک گھنٹہ اسے دے دو تو بھی بہت ہے۔"

"For God sake david فار گاڈ سیک (خدا کے لئے) ڈیوڈ میں ڈیلی ناشتہ اسی کے ساتھ کرتی ہوں اب میری واپسی ٹائمنگ پہ اگر وہ سو چکی ہوتی ہے تو میں کیا کرسکتی ہوں۔" سارہ کے جواب پر ڈیوڈ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تو پھر ویک اینڈ ہی اس کے ساتھ گزار لیا کرو۔" ڈیوڈ نے نیا حل پیش کیا۔

"What,s rabbish david تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم اندر سے ایک مکمل مشرقی مرد ہو مجھے اگر شادی سے پہلے پتا چل جاتا کہ تمہاری سوچ مکمل طور پر دقیانوسی ہے تو میں کبھی تم سے شادی نہ کرتی۔" ہاتھ میں پکڑا ٹشو ٹیبل پر پٹختے ہوئے سارہ نے کہا تو ڈیوڈ بھی غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور مجھے بھی اگر پہلے سے معلوم ہوتا کہ تم دراصل مجھ سے شادی صرف اسی لئے کرنا چاہ رہی ہو کہ تم مغربی طرز زندگی اپنا سکوں تو میں بھی یہ فاش غلطی نہ کرتا، میں نے تم سے شادی صرف اس لئے کی تھی کہ تم ایک مشرقی عورت ہو اور مشرقی عورت گھر داری اور ممتا کے لئے مشہور ہے، لیکن تم تو.....؟" دکھ سے ڈیوڈ سے بات بھی مکمل نہ ہوسکی تھی۔

"اگر اتنا ہی پچھتا رہے ہو تو الگ کیوں نہیں ہو جاتے مجھ سے، یہ کہو کہ تمہیں ان پچاس ہزار ڈالر کے ہاتھ سے جانے کا خطرہ ہے جو مجھ سے طلاق کی صورت میں تمہیں مجھے دینے ہوں گے۔"

"خیر یہ خطرہ تو تمہیں بھی ہے جبھی اب تک میرے ساتھ بندھی چلی آرہی ہو اگر تمہاری یہ سوچ ہے کہ میں کیا کرسکتا ہوں لیکن میں تو صرف تمہیں اس لئے برداشت کررہا تھا کہ میں ماریہ کو ایک مکمل گھر دینا چاہتا تھا۔" ڈیوڈ کی بات پر سارہ بھڑک اٹھی۔

"کتنی مضحکہ خیز بات ہے نا ڈیوڈ انگلینڈ جیسے ملک میں رہتے ہوئے تم ایشیا کے کسی پسماندہ ملک کے ان پڑھ شخص کی سی سوچ رکھتے ہو جو عورت کو باندھ کر رکھنا چاہتا ہے اور اسے گھر سے باہر نکالنے کو تیار نہیں ماریہ کا تو محض بہانہ ہے تمہیں دراصل میرا خود مختار ہونا ناپسند ہے۔"

"Maria please try to understand (ماریہ پلیز بات سمجھنے کی کوشش کرو)۔" ڈیوڈ نے بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے مفاہمت کی ایک اور کوشش کرنا چاہی۔

"I am sorry david میں اب تم جیسے ذہنی طور پر پسماندہ شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہر دوسرے دن تمہیں اسی بات کا بخار چڑھ جاتا ہے میرا گھر میں رہنا تم نے محال کر رکھا ہے اور میں اب اس روز کی چخ چخ سے تنگ آچکی ہوں براہ مہربانی تم اب فیصلہ کرلو اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو آئندہ مجھے روکنا مت ورنہ تم اپنے لئے بہتر فیصلہ کرسکتے ہو۔" سارہ کی دوٹوک بات پر ڈیوڈ لمحہ بھر کو اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"سارہ پلیز میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح تمہارے ملک میں مائیں بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں اسی طرح تم بھی ماریہ کا دھیان رکھو اور یہ کوئی ناجائز خواہش تو نہیں ہے۔" ڈیوڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بات نے سارہ کو مزید بھڑکا دیا۔

''دیکھو ڈیوڈ جہاں تک میرے ملک کی بات ہے تو اگر میں نے گھر بیٹھ کر بچے ہی پالنے ہوتے تو میرے ہم مذہب اور ہم وطن بہت تھے میں نے تم سے شادی ہی صرف اس لئے کی تھی کہ میں اپنے ملک کی جاہل ان پڑھ عورتوں کی سی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی، مجھے زمانے کے ساتھ چلنے کی چاہ ہے اور رہی بات ماریہ کی تو ماریہ اکیلی نہیں ہے اس ملک کے اور باقی یورپین ممالک کے ہزاروں لاکھوں بچے ایسی زندگی گزار رہے ہیں اور بہت مطمئن ہیں بہت سے بچے تو ایسے ہیں جو سنگل پیرنٹ (صرف ماں یا باپ) کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور ان سے بھی کہیں زیادہ تعداد میں ہاسٹلز میں رہ رہے ہیں، ماریہ کو تم mama,s baby نہ بناؤ اسے اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنے دو۔'' ماریہ نے گویا بات ختم کی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی اور ڈیوڈ باوجود ہزار دلیلوں کے اس قائل کرنے میں ناکام رہا تو گویا ایک فیصلے پر پہنچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''I am sorry sara لیکن میں اپنی بیٹی کو غلط ماحول میں پروان نہیں چڑھاؤں گا اور اس کے لئے خواہ مجھے کتنی بھی بڑی قربانی دینی پڑے میں دوں گا۔''

☆☆☆

اس کی پہلی فلم کی کامیابی کے بعد اسے فلموں میں چانس ملنا شروع ہو گیا تھا، لیکن ابھی کوئی بڑا پراجیکٹ ہاتھ نہیں لگا تھا، انہی دنوں اس کی ملاقات کویتا پٹیل سے ہوئی جو ایک بہت بڑے انڈین چینل کے اونر کی بیٹی تھی اور لٹریچر پڑھ رہی تھی، آپس کی دوستی کب محبت میں بدلی دونوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوا اور باوجود گھر والوں کی مخالفت کے ایکتا شیور نے شاہ نیل خان سے شادی کا فیصلہ نہ بدلا، انہی دنوں اسے دو خط موصول ہوئے جس میں سے ایک میں اس کی ماں کی مختصر علالت اور دوسرے میں وفات کا ذکر تھا، محکمہ ڈاک کی مہربانی سے وہ خط بھی اسے ایک ماہ بعد موصول ہوئے تھے حالانکہ اگر بروقت مل جاتے تو وہ کم از کم ماں کے سوئم میں تو شریک ہو ہی سکتا تھا اور اب واپس جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا لہٰذا اس نے دل سے واپسی کا خیال ہی نکال دیا ایکتا کی دلجوئی سے وہ جلد ہی ماں کے غم سے باہر نکل آیا تھا۔

کالج میں اس کا آخری سال تھا جب اسے ایک بڑی آفر ہوئی وہ مین ہیرو کے طور پر پہلی بار کسی فلم میں کام کر رہا تھا اور اس کا رول بھی کافی سٹرانگ تھا، فلم کی شوٹنگ انڈیا کے مختلف شہروں میں ہونا تھی، ایسے میں اسے یہ موقع مل گیا کہ جب وہ دلی میں قیام پذیر تھا تو کچھ وقت نکال کر اپنی ماں کی قبر پر فاتحہ خوانی کر آیا اور ساتھ ہی ساتھ ''مدر میری سکول'' میں سسٹر ڈیزی اور فادر سے بھی ملاقات کر کے آیا، اس فلم سے شاہ نیل خان کے عروج کی کہانی شروع ہو جاتی ہے۔

شوٹنگ مکمل ہونے کے فوراً بعد اس کے سالانہ امتحانات شروع ہو گئے تھے اور ان کے اختتام کے چند دن بعد اس نے کویتا سے شادی کر لی، ایکتا کے والد نے اپنی بیٹی کو ایک فلیٹ گفٹ کیا تھا جس میں انہوں نے رہائش رکھنا تھی، شادی کے منڈپ پہ پنڈت سے بھانتر سنتے سات پھیرے لگاتے ایکتا کو منگل سوتر پہنا کر اس کی مانگ میں سیندور بھرتے ایک پل کو بھی اسے یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ اسے نکاح کی رسم ادا کرنی چاہیے تھی اور اس کی اسی بات نے کویتا کی فیملی کو مطمئن کر دیا تھا کہ انہوں نے ایک مسلمان کے ساتھ بیٹی نہیں بیاہی تھی بلکہ ایک مسلمان کو آدھا ہندو کر لیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ ان کی آئندہ نسل ماں کا مذہب اختیار کرتے ہوئے ہندو بن جائے گی، جبکہ اس کے برعکس کویتا خود

ایک آزاد خیال لڑکی تھی، مذہب کو بہت حد تک ماننے کے باوجود وہ کسی پر مسلط کرنے کے خلاف تھی جبھی اس نے کبھی بھی اپنے دونوں بچوں پر زور نہیں دیا تھا کہ وہ ہندو مذہب اختیار کریں ہاں یہ الگ بات تھی کہ اس کے گھر میں موجود مندر میں ان کے بچے روزانہ بھگوان کو پرنام کرتے تھے اور انہیں گیاتری منتر بھی آتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ کلمہ بھی پڑھتے تھے ماں باپ نے مذہب کے معاملے میں بچوں کو آزاد چھوڑا ہوا تھا، ان کی بیٹی گیت ماں کے ساتھ اور ننھیال کے ساتھ زیادہ اٹیچ ہونے کے وجہ سے ہندو مذہب اختیار کر چکی تھی جبکہ شاہ ویز کسی بھی مذہب کو ماننے سے انکار تھا اور بہت سے برگر فیملی کے بچوں کی طرح لامذہب ہونے میں فخر محسوس کرتا تھا۔

شادی کے کچھ عرصے بعد کویتا نے اپنے لکھنے کے کیریئر کا آغاز کیا اور بہت جلد اس نے اس میں نام بنا لیا اب یہ حال تھا کہ وہ صرف مرکزی خیال دیتی تھی اور اس کے اسسٹنٹ رائٹر اس خیال کے تحت پورے پورے سوپ سیریل لکھتے تھے جو سالوں چلتے تھے اور اپنے ملک کے ساتھ ساتھ ہمسایہ ممالک میں بھی بے حد سراہے جاتے تھے۔

شاہ نیل خان ایک کامیاب ہیرو کے طور پر ابھرا تھا اور اب وہ بالی ووڈ انڈسٹری کا ناقابل شکست ہیرو تھا کوئی بھی بڑا پراجیکٹ اس کی شمولیت کے بغیر ادھورا تھا۔

چند سال پہلے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بھی پوری کر لی تھی اور وہ تھی ایک عالیشان محل جیسا گھر بقول شاہ نیل خان اس میں میرے بچے رہیں گے ان کے بچے رہیں گے ان کے پوتے پوتیاں رہیں گے پارسیوں کی طرح، اس گھر کا نام ''منت'' رکھا تھا اور اس میں ایک جھروکہ بنا رکھا تھا جہاں وہ روز اپنے چاہنے والوں کو اپنے درشن دیتا تھا کویتا کا کہنا تھا کہ میرے شوہر کو لوگ بھگوان کا درجہ دیتے ہیں اور اس لئے شاہ نیل کو بھی چاہیے کہ وہ لوگوں کی خواہش کا احترام کرے اور انہیں اپنے دیدار سے فیضیاب کرے اور اپنی چہیتی بیوی کی بات شاہ نیل خان کیسے رد کر سکتا تھا، گھر میں کوئی بھی پوجا ہوتی شاہ نیل خان کی شمولیت ازحد ضروری تھی اور وہ بھی پوجا میں ضرور شرکت کرتا تھا کیوں کہ بقول شاہ نیل خان ''میرے لئے رام اور رحیم برابر ہیں'' اسی بات کو لے کر شاہ ویز مکمل طور پر بے دین تھا۔

☆☆☆

''مومی آپ کے یہ دو افسانے تو کمال ہیں میرا خیال ہے کہ ان دونوں کہانیوں کو فائنل کر لیتے ہیں اور ان کا اختتام ذرا مختلف کر لیں گے فلم کے مطابق۔''

مومی کے پانچ افسانوں میں سے دو افسانے شاہ ویز کو متاثر کر ہی گئے تھے ان کا مرکزی خیال اور پلاٹ اتنا مضبوط تھا کہ شاہ ویز خان نے اپنی نئی فلم کے لئے انہیں فائنل کر لیا تھا اور اب ٹھیک پہلی ملاقات کے دو دن بعد وہ رجا کی خالہ کہ گھر موجود تھا جہاں رجا اور مومی چھٹیاں گزارنے آئی ہوئیں تھیں رجا کی خالہ نے بھی شاہ ویز کو دیکھ کر خوب خوشی کا اظہار کیا تھا اور اب اس کی ٹھیک ٹھاک خاطر تواضع میں مصروف تھیں جبکہ شاہ ویز اس سب سے بے نیاز اپنے پراجیکٹ کی فکر میں تھا۔

''ان دونوں کہانیوں کو مئی تو کیا جا سکتا ہے فلم کے حساب سے لیکن معذرت کے ساتھ میں اپنی کہانیوں کا بھرتہ نہیں بنانے دوں گی محض فلم کے چکر میں۔''

شاہ ویز کے ہاتھ سے کہانیاں پکڑ کر سرسری نظر ڈالتے مومی نے دوٹوک انداز میں کہا تو شاہ ویز کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، وہ خود بھی اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تخلیقات کے معاملے میں اتنا ہی سنجیدہ تھا کہ ان کے لئے کسی نفع نقصان کی پروا نہیں کرتا تھا۔

''تو میں آپ سے کب کہہ رہا ہوں کہ آپ ان کا بھرتا بنائیں بس آپ نے یہ کرنا ہے کہ ان کے کرداروں کی فلمی انداز میں ڈھالنا ہے اور اس کے بعد جو بھی انجام آپ کے ذہن میں آئے انہیں لکھ ڈالیے۔'' شاہ ویز کی بات پر مومی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ پھر بھی ایک بار نئے سرے سے سوچ لیں میری ہندی اچھی نہیں ہے اور لکھنا تو مجھے بالکل نہیں آتی ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں ہندی کو انگلش میں لکھ کر دے سکتی ہوں میرا مطلب ہے کہ جو زبان ہم موبائل میسجنگ میں استعمال کرتے ہیں۔''

''ہاں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' مومی کے ایک پل کو خاموش ہونے پر شاہ ویز فوراً بولا اسے یہ ٹاپکس بے حد بھائے تھے اور اب ان خطوط پر ہی وہ نئی فلم کے بارے میں پلاننگ کر رہا تھا جبکہ اب یوں مومی کا گریز بھی اس کی سمجھ میں آ رہا تھا لیکن وہ اسے ہر صورت منانا چاہتا تھا۔

''لیکن اس بات کیا گارنٹی ہے کہ ڈائیلاگز اور سین میں تبدیلی نہیں کی جائے گی دیکھئے شاہ ویز آپ کی مداح ہونا ایک الگ بات ہے اور اپنی تخلیقات کے بارے میں پوزیسیو ہونا ایک الگ بات ہے آپ برا مت مانیے لیکن میں اپنی کہانیوں کے متعلق اتنی ہی پوزیسیو ہوں میں انہیں اسی طرح سے سکرین پہ دیکھنا چاہتی ہوں جیسا کہ میں نے انہیں لکھا ہے، ان میں کمی پیشی مجھے گوارا نہ ہوگی۔'' مومی کی بات پر شاہ ویز نے گہری سانس کھینچی۔

''کم آن مومی کیا آپ کو مجھ پہ اعتبار نہیں جب میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کے لکھے میں کمی پیشی نہ ہوگی تو نہیں ہوگی ہاں جہاں مجھے اختلاف یا اعتراض ہوا تو وہاں آپ اور میں مل بیٹھ کر اس کو ڈسکس کر لیں گے پھر جیسا آپ کو مناسب لگا ویسی ہی کہانی میں تبدیلی آئے گی۔''

''پھر ٹھیک ہے آپ کو یہ کب تک چاہیے۔'' مومی کے پوچھنے پر شاہ ویز نے ایک پل کو سوچا۔

''جس طرح آپ کو سہولت ہو آپ اگر ایک ماہ لینا چاہیں تو بھی اور اگر ایک سال لینا چاہیں تو بھی لیکن میں ان افسانوں پر کام کرنا ضرور چاہوں گا۔'' شاہ ویز کی بات پر مومی مسکرا اٹھی۔

''خیر ایک سال تو بہت لمبا عرصہ ہے کہانی تو پہلے ہی تیار ہے اب صرف فلمی قالب میں ڈھالنا ہے تو میں کوشش کروں گی، کہ ڈیڑھ سے دو ماہ میں مکمل کر دوں، اتنا انتظار تو آپ کر ہی لیں گے ناں؟'' بات کے اختتام پر اس نے محض کاروائی کے طور پر پوچھا تھا جبھی شاہ ویز قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''Thanks God آپ لوگوں کا مسئلہ تو حل ہوا چلیں اب جلدی سے آ جائیں سموسے ٹھنڈے ہو رہے ہیں خالہ بھی کیا لاجواب کوکنگ کرتی ہیں جبھی تو میں ہر سال چھٹیوں میں ان کے دیسی کھانے کھانے کے لئے بھاگے آتی ہوں اور اس بار مومی کا آنا اور بھی شبہ ثابت ہوا۔'' ڈھیر ساری چٹنی میں سموسہ ڈبوتے رجا نے کہا اس سے پہلے وہ دو ڈوسا ود آلو بھاجی کھا چکی تھی اور یہ حرکت مومی سے پوشیدہ نہ تھی جبھی چڑ کر بولی۔

''بس کرو کھا کھا کر پھٹ جاؤ گی۔'' اس کی بات پر شاہ ویز کے ساتھ ساتھ رجا بھی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''ڈونٹ وری ایسا کچھ نہیں ہوگا آؤ تم بھی ٹرائی کرو تمہارے لئے خالہ نے کم مرچوں والے بنائے ہیں لیکن مزے میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' رجا کی بات پر مومی بھی ٹیبل کے گرد آ بیٹھی تھی اور تھوڑی دیر پہلے رجا کو کم کھانے کا مشورہ دیتی اب خود تیسرا ڈوسا کھانے میں مصروف تھی ساتھ

ساتھ ان کی نوک جھونک بھی جاری تھی اور شاہ ویز کافی کا مگ ہاتھ میں لئے ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''شاہ ویز صاحب آپ کا ناشتے پہ انتظار ہو رہا ہے۔'' ملازمہ نے کمرے کا دروازہ بجاتے ہوئے باہر سے ہی آواز لگائی تھی، وہ دو مرتبہ پہلے بھی اسے اٹھانے آ چکی تھی، آج پورے تین ماہ بعد وہ گھر میں موجود تھا ایسے میں اس کے والدین کا اس کے ساتھ ناشتہ کرنے کے لئے انتظار کرنا کوئی نئی بات نہ تھی پہلے بھی جب جب وہ گھر سے لمبے عرصے کے لئے باہر ہوتا تو سب اس کی واپسی کر کم از کم ایک دن کا شیڈول اس کے لئے ترتیب دے دیتے تھے اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو پھر کسی ایک وقت کا کھانا اور خاص طور سے ناشتہ اکٹھے کیا جاتا تھا۔

''ہاں تو چلو میں آ رہا ہوں۔'' بالوں میں برش کرتے اس نے کہا اور پرفیوم اٹھا کر خود پر سپرے کرنے لگا ناشتے کے فوراً بعد اس کا ارادہ سٹوڈیو جانے کا تھا۔

''ہیلو ماما، ہائے ڈیڈ۔'' ماں باپ سے سلام دعا کرتا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''ہیلو بھائی کیسے ہیں آپ؟'' ابھی وہ ٹھیک سے بیٹھ بھی نہ پایا تھا کہ گیت تقریباً بھاگتی ہوئی آئی اور پیچھے سے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اس کے کندھے پر جھول گئی۔

''میں بالکل ٹھیک ٹھاک تم سناؤ تمہارے ایگزامز کیسے ہوئے؟'' اس کے سر پہ پیار سے چپت لگاتے اس نے گیت کے گریجویشن کے سالانہ امتحانات کے متعلق پوچھا تھا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس اور بس اب میں نے آگے نہیں پڑھنا اب لمبا آرام کروں گی سن لیں سب۔'' اس نے اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور خاص طور سے کویتا کو سنایا تھا کیونکہ اسی کے اصرار پر وہ گریجویشن کے لئے تیار ہوئی تھی ورنہ اس کا ارادہ تو ایف ایس سی کے بعد ہی گھر بیٹھ رہنے کا تھا وہ بھی عام لڑکیوں کی طرح جیولری کپڑے فیشن کی دلدادہ تھی اور زندگی کو خوب انجوائے کرنا چاہتی تھی۔

''لمبا آرام اب تم اپنے گھر جا کر ہی کرنا۔'' کویتا نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا تو نوالہ ہاتھ میں پکڑے گیت نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا مطلب مام..... اپنا گھر؟'' گیت کی بجائے شاہ ویز نے استفسار کیا۔

''اپنا گھر سے مراد اس کی شادی ہے بھائی صاحب نے کافی عرصے سے وردھان کے لئے کہہ رکھا تھا میرا اور تمہارے پاپا کا خیال ہے کہ وردھان اچھا لڑکا ہے گھر کا ہے پھر دیکھا بھالا ہے اور سب سے بڑی بات گیت کو پسند کرتا ہے اب یہ گیت پر ڈپینڈ کرتا ہے کہ وہ کیا جواب دیتی ہے ورنہ کوئی اور لڑکا دیکھ لیں گے لیکن اب میں اس کی شادی کر دینا چاہتی ہوں کی تمہاری کیا رائے ہے شاہ ویز؟'' آخر میں اس نے شاہ ویز کی رائے معلوم کرنا چاہی۔

''ہوں رشتہ تو اچھا ہے کیوں گیت پھر کیا خیال ہے؟'' شاہ ویز نے بھی پسندیدگی کی سند دیئے گیت کی رائے جاننا چاہی۔

''رشتے پہ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں کیونکہ آپ سب میرا اچھا ہی چاہیں گے لیکن یہ فاؤل ہے بھائی آپ بڑے ہیں پہلے آپ کی شادی ہونی چاہیے۔'' اپنے اقرار کے بعد گیت نے اسے پکڑ لیا تھا۔

''واقعی شاہ ویز اب بہت ہو گیا، تمہارا کام بھی اب سیٹ ہو گیا ہے اب بہتر یہی ہے کہ تم بھی کسی کھونٹے لگو، اگر کوئی پسند ہے تو بتا دو ورنہ میں خود ہی کوئی لڑکی پسند کر لوں گی۔''

''ارے نہیں مام یہ ظلم مت کیجئے گا میں لڑکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پسند کر چکا ہوں اور گیت کے منگنی کے فنکشن پر آپ لوگ بھی اس سے مل لیجئے گا پھر باقی کے معاملات طے کرلیں گے۔'' شاہ ویز نے فوراً سے کہا تھا اس ڈر سے کہ کہیں واقعی کویتا اس کے لئے کوئی لڑکی پسند نہ کرلیں۔

''واہ یار یہ کارنامہ کب سرانجام دیا تم نے؟'' شاہ نیل خان نے اس کے اقرار محبت پر پوچھا تھا۔

''زیادہ عرصہ نہیں گزرا ڈیڈ حال ہی میں تقریباً دو ہفتے پہلے کا حادثہ ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''کیا مطلب کوئی سکاٹ لینڈ کی لڑکی ہے؟'' کویتا نے بھی استفسار کیا۔

''نہیں مام لڑکی ہے تو انگلینڈ کی لیکن ہندی بولنا جانتی ہے ڈونٹ وری آپ ساس بہو کی لڑائی آرام سے لڑسکتی ہیں اس کے ساتھ۔'' شاہ ویز نے کویتا کو اس کے سیریلز کے حوالے سے چھیڑا تھا۔

''زیادہ پٹر پٹر بولنے کی ضرورت نہیں ہے گیت کے فنکشن میں مل کر فیصلہ کروں گی کہ وہ میری بہو بن سکتی ہے یا نہیں، آیا سمجھ میں۔''

''او کے مام جیسے آپ کی مرضی۔'' شاہ نے سر تسلیم خم کیا تھا اور سب ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆

بالآخر ڈیوڈ اور سارہ نے باہمی مشورے سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور سارہ نے پچاس ہزار ڈالر کے عوض ماریہ کو ڈیوڈ کی تحویل میں دے دیا تھا، خود اس نے اپنے کولیگ جوزف مارشل کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کرلیا تھا جہاں بقول سارہ وہ اپنی عدت گزرنے کے بعد مارٹن کی بیوی کی حیثیت سے لمبا قیام کرسکتی تھی جبکہ ڈیوڈ، ماریہ کو اپنی ماں کے پاس اپنے آبائی گھر لے آیا تھا، مسز فلزا مارٹن کو ڈیوڈ اور سارہ کی علیحدگی کا بے حد دکھ تھا۔

''ڈیوڈ میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ مسلمان عورت وفا نہیں کرسکتی۔'' مسز مارٹن نے افسوس سے کہا۔

''نہیں مام مسلمان عورتیں تو بڑی باوفا ہوتی ہیں بس سارہ کو ہی مغربی معاشرے کی ہوا لگ گئی تھی جبھی یہاں کی عورتوں کی طرح اپنی بچی کی پروا بھی نہیں کی اور اپنی جاب اور کیریئر کو اہمیت دی ورنہ آپ بھی یوسف اور معظم کے گھرانے دیکھیں تو پھر کبھی مسلمان عورت پہ اعتراض نہ کرتیں، بس یہ تو اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔'' ڈیوڈ نے کہہ کر افسردگی سے سر جھکا لیا تو مسز مارٹن بھی گہری سانس بھر کر خاموش ہوگئیں۔

سارہ، ڈیوڈ کی کلاس فیلو تھی اور پاکستان سے پڑھنے کے لئے آئی ہوئی تھی، ان کے کلاس فیلوز یوسف، معظم، حنا اور ابراہیم ان سب کا گروپ ڈیوڈ کو اتنا اچھا لگا کہ اس نے اپنے باقی کلاس فیلوز کی بجائے ان مسلم لڑکے لڑکیوں کا گروپ جوائن کرلیا تھا، سارہ ڈیوڈ کے حسن کے اسیر ہوچکی تھی لیکن اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا یوسف اور حنا آپس میں کزن تھے اور مستقبل میں ایک دوسرے کے جیون ساتھی بننے والے تھے، اپنے تعلیمی کیریئر کے پہلے ہی سال ڈیوڈ کے فادر کی وفات ہوگئی تو ڈیوڈ کو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر اپنا خاندانی کاروبار سنبھالنا پڑا ڈیوڈ کا تعلق کیتھولک عیسائی خاندان سے تھا جہاں پرانی روایات کو سینے سے لگا کر رکھا جاتا تھا ان کے ہاں فیملی سسٹم تھا ماں باپ اپنے بچوں کی ویسی ہی دیکھ بھال کرتے تھے جیسی ایشائی ممالک یا عرب مسلم ممالک میں کی جاتی تھی، یہی وجہ ہے کہ ڈیوڈ یونیورسٹی آنے کے بعد بھی اپنے باپ کے رحم وکرم پر تھا یونیورسٹی فیس سے لے کر ماہانہ جیب خرچ تک اس کا باپ ادا کرتا تھا اس کی ماں ایک پرائمری سکول ٹیچر تھی اور ڈیوڈ اکلوتا تھا یوں ان کی اچھی گزر بسر ہوجاتی، لیکن والد کی ناگہانی وفات

کے بعد ڈیوڈ کو اسٹور کا کنٹرول سنبھالنا پڑا، لیکن اس نے دوستوں سے تعلق نہ توڑا وہ ہر ویک اینڈ پہ جب اسٹور کے لئے ضروری خریداری کرنے آتا تو ان سب سے ملاقات ضرور کرتا خواہ وہ ملاقات ایک گھنٹے کی ہی کیوں نہ ہوتی ان مسلم دوستوں سے اسے اپنے کیتھولک کے روایتی اور پرانے پن کی خوشبو محسوس ہوتی جو اب آہستہ آہستہ ان خاندانوں میں بھی مفقود ہوتی جارہی تھی اور بہت سے والدین نے اپنے بچوں کو روایتی مغربی انداز میں مادر پدر آزادی دے دی تھی یہ تو ڈیوڈ جیسے چند گھرانے تھے جو اب بھی اپنی خاندانی روایت کو سینہ بہ سینہ منتقل کیے جارہے تھے اور یہی وہ محبت تھی جو ڈیوڈ کے دل میں اجاگر تھی اور وہ اپنے بچوں کے لئے ایک مکمل ماں چاہتا تھا ایسے میں جب اسے سارہ کی محبت کا علم ہوا تو اس نے باوجود اپنی والدہ کی دبی دبی مخالفت کے پرپوز کر ڈالا یوں ان کی منگنی ہوگئی اور شادی سارہ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد طے پائی ان کی منگنی کے کچھ عرصہ بعد یوسف کی والدہ بے حد علیل ہوگئیں اور ان کی فرمائش پر یوسف اور حنا کی شادی کردی گئی، اپنی شادی کے پندرہ دن بعد جب وہ پاکستان سے انگلینڈ آئے تو ان کے دوستوں نے ان دونوں کے لئے ایک پُرزور دست پارٹی کا بندوبست کیا تھا، ان کی شادی کی مووی ڈیوڈ کو بہت بھائی تھی مکمل مشرقی انداز میں تینوں دن شادی کی رسومات ایک انوکھا تاثر چھوڑ گئی تھیں ڈیوڈ یہ اپنی شادی کے دوسرے ہی روز حنا امید سے ہوئی تو ڈاکٹر کے مشورے پر اس نے اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑ دی، بقول حنا ماں بننا ایک ایسا اعزاز ہے جس کے سامنے ساری ڈگریاں ہیچ ہیں سب نے ہی اس کے فیصلے کو سراہا سوائے سارہ کے لیکن حنا نے اسے یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ وہ یا تو بندہ شادی جیسی ذمہ داری نہ لے اور اگر شادی کرلے تو اس کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے جو اس رشتہ کی مرھون منت ہیں۔

حنا کے اس فیصلے نے ڈیوڈ کو مزید اپنے فیصلے میں مستحکم کیا تھا اور سارہ کی مخالفت کو اس نے اتنا اہم نہ جانا کیوں اس کا خیال تھا کہ ذاتی تجربے اور تجزیے میں فرق ہوتا ہے سارہ جب خود اس مرحلے سے گزرے گی تو خود ہی حنا کی طرح اپنا لاابالی پن چھوڑ دے گی کیوں، وہ بھی تو ایک مشرقی لڑکی ہے، لیکن یہی ڈیوڈ کی بھول تھی حنا اور سارہ بے شک ایک سا بیک گراؤنڈ رکھتی تھیں لیکن دونوں کی طبیعتیں متضاد تھیں، جبھی شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی دونوں میں ٹھن گئی تھی یہ تو ڈیوڈ کی صلح جو طبیعت تھی جو وہ ہر مرحلے پر جھکتا چلا گیا تھا صرف اور صرف ماریہ کی خاطر لیکن بالآخر اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہوگیا تھا اور اب وہ ماریہ کو اپنی ماں کے حوالے کرکے خود واپس چلا گیا تھا یوں ماریہ ماں کے ساتھ ساتھ باپ سے بھی مرحوم ہوگئی تھی ڈیوڈ ہر ہفتے اس سے ملنے آتا لیکن اب ماریہ کو اپنی خاص پروانہ تھی وہ اپنی گرینڈ مدر سے بہت اٹیچ ہوگئی تھی اور اس کے گھر کے ساتھ ایک اینڈین فیملی بھی تھی ان کی چھوٹی بیٹی ماریہ کی ہم عمر تھی ایک ہی سکول میں پڑھنے کے سبب وہ اور بھی قریب آگئیں تھیں جبھی ماریہ سکول سے واپسی کے بعد بھی زیادہ تر مسٹر گیتا کے ہاں ہی پائی جاتی بھی کمبائن اسٹڈی کے لئے اور کبھی کھیل کود کے لئے مسز فلزا مارٹن بھی ماریہ کے یوں گھل مل جانے پر بے فکر ہوگئی تھیں اور ان کی جاب بھی برقرار تھی وقت گزرتا رہا اور ماریہ اے لیول کے بعد یونیورسٹی پہنچ گئی ڈیوڈ نے ایک کیتھولک عیسائی لڑکی سے شادی کرلی جس سے اس کے دو بیٹے تھے ماریہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے ہاں جاتی رہتی تھی، ہنی ایک اچھی عورت تھی اس کے ڈیوڈ کو سنبھال لیا تھا اور ماریہ کے ساتھ بھی اس کے اچھے تعلقات تھے اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کئی بار ماریہ کو اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی لیکن ماریہ اب اپنے ماحول کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی وہ مسز فلزا اور مسٹر گیتا کی فیملی کے ساتھ بہت خوش تھی مسز فلزا مارٹن ریٹائرڈ ہو چکی تھیں اور اب گھر داری کے ساتھ ساتھ باغبانی کا شوق بھی پورا کر رہی تھیں باقی کا وقت ماریہ کے ساتھ گپ شپ میں گزرتا یا پھر ان دنوں وہ ایک کتاب لکھ رہی تھیں اس کے ریسرچ ورک میں مصروف رہتیں۔

☆☆☆

گیت کی منگنی والے دن شاہ ویز اور وردھان نے اپنی فلم کی ریلیز کا فیصلہ کیا تھا یہ دونوں کا گیت کے لئے تحفہ تھا، گیت کے فنکشن میں جہاں بڑی بڑی نامور شخصیات نے شرکت کی تھی وہیں رجا اور مومی بھی خاص طور پر مدعو تھیں وہ دونوں صبح کی فلائٹ سے پہنچی تھیں، گھر پہنچتے ہی شاہ ویز نے سب سے پہلے والدہ سے ان کا تعارف کروایا۔

''مام اس سے ملیں مومی میری نئی فلم کی رائٹر اور ساتھ میں اس کی دوست رجاء۔''

''او ہیلو..... کیسی ہو آپ لوگ؟'' باری باری دونوں کو گلے لگاتے انہوں نے پوچھا تھا۔

''ایک دم فائن میم۔'' رجاء نے کہا تو وہ ہنس پڑیں۔

''آپ لوگ اگر مجھے آنٹی کہو گے تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔'' شاہ ویز کے حوالے سے مومی انہیں پہلی نظر میں ہی پسند آئی تھی اور اس بات سے شاہ ویز بھی ان کا گرین سگنل سمجھ گیا تھا جبھی ہلکے سے مسکرایا۔

''او کے مام آپ انہیں ان کا کمرہ دکھا دیں تاکہ یہ آرام کر لیں فنکشن تو رات گئے شروع ہوگا تب تک یہ لوگ تازہ دم ہو جائیں گی۔'' شاہ ویز انہیں کویتا پٹیل کے حوالے کرتا خود باہر کی طرف بڑھ گیا تھا کویتا پٹیل خاص طور سے انہیں ان کے کمروں تک چھوڑنے آئی تھیں۔

''یہ مومی آپ کا کمرہ ہے اور اس کے ساتھ والا رجاء آپ کا۔'' ان کی بات پر رجاء فوراً بول پڑی۔

''ارے نہیں آنٹی ہم لوگ کمرہ شیئر کر لیں گے۔''

''ارے نہیں بیٹا جب سہولت موجود ہے تو؟''

''ارے نہیں آنٹی ہم لوگوں کو تو عادت ہے ایک دوسرے کے ساتھ کی آپ پریشان نہ ہوں بلکہ ہم لوگ الگ الگ بے آرامی محسوس کریں گی۔''

''او کے بیٹا ایز یو وش (جیسے تمہاری مرضی) میں تم لوگوں کے لئے کافی بھجواتی ہوں تب تک تم لوگ فریش ہو جاؤ۔'' کویتا پٹیل کہتے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھیں اور رجاء چھلانگ لگا کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

''مائی گاڈ مومی، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ ہم ان لوگوں سے مل رہے ہیں جنہیں صرف ٹی وی اسکرین پر دیکھتے تھے۔''

''اور یہ سب میری وجہ سے ممکن ہوا ہے۔'' مومی نے فرضی کالر چڑھاتے تھے۔

''لیکن یہ مت بھولو کہ میں نے ہی راہ ہموار کی تھی کیسے ڈھیٹ بن کر کافی کی آفر کی تھی شاہ ویز کو جب ہی تو تمہارا چانس بن سکا تھا۔'' رجاء نے تڑپ کر اٹھتے مومی کو جتایا تھا اور اس کی بات پر مومی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' مومی کی بات کے دوران ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

''Yes come in (اندر آ جاؤ)۔'' ان کے کہنے پر دروازہ کھلا تھا اور لوازمات سے بھری ٹرالی گھسیٹتی ایک ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

''بی بی جی بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ اگر اور کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دیں اور جب بھی

آپ کو کوئی کام ہو تو یہ بیڈ کے ساتھ والا بٹن دبا دیجئے گا میں آ جاؤں گی۔'' ٹرالی گھسیٹ کر ان کے بیڈ کے پاس رکھتے وہ خود بھی نیچے بیٹھ گئی، دو قسم کے جوسز چائے کافی بیکری کے بے تحاشا سامان اور پھلوں سے بھری ٹرالی کو دونوں نے یک نظر دیکھا تھا۔

''بی بی کیا بناؤں آپ کے لئے؟'' ملازمہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''ارے نہیں تم جاؤ ہم لوگ خود ہی لے لیں گے بس یہ کافی کا سامان اور سینڈوچیز رکھ جاؤ سائیڈ ٹیبل پر باقی سامان لے جاؤ۔'' رجاء کے کہنے پر اس نے کافی کے سامان اور سینڈوچیز کے ساتھ ساتھ اور بچ جوس بھی رکھ دیا تھا اور باقی کی ٹرالی گھسیٹتی باہر نکل گئی تھی، جبکہ رجاء کافی بنانے لگی اور مومی ہاتھ منہ دھونے کی غرض سے واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''پھر کیسا لگا تمہیں انڈیا؟'' کیفے کی سیڑھیاں چڑھتے شاہ ویز نے مومی سے استفسار کیا۔

''زبردست مجھے معلوم نہ تھا کہ مشرق میں اتنا حسن چھپا ہے۔'' وہ لوگ کل ہی شملہ سے واپس آئے تھے گیت اور وردھان کی منگنی کی خوشی میں شاہ ویز نے تین دن کا ٹرپ رکھا تھا، یوں رجاء اور مومی بھی ان کے ساتھ یادگار تین دن گزار کے آئیں تھیں، رجاء تو واپسی پہ اپنے چند ایک رشتہ داروں سے ملنے نکل کھڑی ہوئی جبکہ مومی شاہ ویز سے کہانی ڈسکس کرنے رک گئی، شاہ ویز نے اس غرض سے بھی اسے کافی جگہیں دکھائی تھیں جہاں اس کا شوٹ کرنے کا ارادہ تھا، اس طرح مومی کو سین دیکھنے میں مزید آسانی ہو جاتی اور اب جبکہ وہ لوگ اپنا کام ختم کر بیٹھے تو کچھ کھانے پینے کے خیال سے یہاں آ بیٹھے تھے۔

''ابھی تو تم لوگ بہت کم وقت کے لئے آئیں تھیں اگر زیادہ ٹائم کے لئے آتیں تو مزید رنگ دیکھنے کو ملتے انڈیا کے۔'' شاہ ویز نے چائنیز رائس پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا، تو مومی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہوں یہ تو ہے لیکن خیر اگلی دفعہ سہی۔''

''کہانی کہاں تک پہنچی تمہاری؟''

''بس فائنل ٹچ رہتا ہے ایک دو روز میں مکمل ہو جائے گی میرا خیال ہے کہ میں یہ دے کر ہی واپس جاؤں گی۔'' مومی کے جواب پر شاہ ویز نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا تھا ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران انہوں نے کھانا ختم کیا جب ویٹر نے ایک کیک اور بوکے لا کر ٹیبل پر رکھا۔

''یہ کس نے بھیجا ہے؟ تمہارے کسی مداح نے؟'' مومی نے شاہ ویز سے استفسار کیا تھا۔

''نہیں بلکہ میں نے خود منگوایا ہے۔'' شاہ ویز کے کہنے پر مومی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''لیکن کیوں آج کیا خاص دن ہے؟ حالانکہ تمہارا برتھ ڈے تو پچھلے ماہ گزرا ہے۔''

''ضروری ہے کہ برتھ ڈے ہو تب ہی کیک منگوایا اور کھایا جائے۔'' جیب سے ایک چھوٹا سا باکس نکالتے شاہ ویز نے الٹا اسی سے پوچھا تھا۔

''تو پھر.....؟'' مومی نے سوالیہ انداز میں اس کے ہاتھ میں پکڑے خوبصورت سے ڈبے کو دیکھا جبکہ شاہ ویز نے ہاتھ بڑھا کر بکے سے ایک ادھ کھلی سفید گلاب کی کلی نکالی اور باکس کھول کر مومی کے سامنے کر دیا۔

''Will you merry me? (کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟)۔'' ادھ کھلے گلاب اور چمکتی انگوٹھی کا مطلب اب مومی کی سمجھ میں آیا تھا، اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر گلاب کی کلی تھام لی اور شاہ ویز کی طرف غور سے دیکھا۔

''میں صرف تم سے دوستی کا رشتہ استوار کر سکتی ہوں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' مومی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب پر شاہ ویز نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"لیکن کیوں مومی؟ مجھ میں کیا کمی ہے؟"
شاہ ویز نے حیرت سے پوچھا تھا۔
"کمی تم میں نہیں مجھ میں ہے، میں مومی صرف رجاء کے لئے ہوں کیونکہ اسے یہ نام پسند تھا حالانکہ میرا اصل نام ماریہ ہے اور میں ہندو نہیں بلکہ عیسائی ہوں۔" ماریہ نے اپنی طرف سے گویا دھماکا کیا تھا، جبکہ اس کی بات سن کر شاہ ویز نے گہری سانس کھینچی۔
"گاڈ تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا، میں سمجھا تم شاید کسی اور کو پسند کرتی ہو، خیر اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم عیسائی ہو I love you مومی اور شادی بندے کو اسی سے کرنی چاہیے جس سے وہ پیار کرتا ہو۔"
"I am sorry to say شاہ ویز لیکن میرے لئے مذہب بہت اہمیت رکھتا ہے اور میں کسی کیتھولک عیسائی سے شادی کروں گی۔"
"اگر ایسی بات ہے تو میں تمہارے لئے عیسائی ہو سکتا ہوں، ویسے بھی میرا پہلے سے کوئی مذہب نہیں عیسائیت اپنانے میں مجھے مشکل نہ ہو گی۔"
"اور پھر کل کسی اور کے لئے مجھے چھوڑ دو گے۔" مومی کے طنزیہ لہجے پر شاہ ویز نے اسے دیکھا۔
"کیا مطلب.....؟"
"مطلب یہ کہ جس شخص کے لئے مذہب کی کوئی اہمیت نہیں وہ اپنی زندگی میں موجود رشتوں کو کتنی اہمیت دے گا؟ جو شخص ہندومت اور اسلام جیسے کٹر مذاہب کے درمیان پرورش پانے کے باوجود لامذہب ہو وہ اپنی زندگی اور اس میں شامل دوسرے افراد کے لئے کتنا سنجیدہ ہو گا یہ بات تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔"
"خدا کے لئے مومی، بات کو اتنا الجھا کیوں رہی ہو اگر تمہیں میرے لامذہب ہونے پر اعتراض ہے تو میں ہندو یا مسلمان ہو جاتا ہوں لیکن تم مجھ سے شادی کی حامی تو بھرو۔"
"نہیں شاہ ویز تم مجھے کسی طور بھی شریک حیات کے طور پر قبول نہیں، ہندومت کی میرے مذہب میں کوئی حقیقت نہیں اور رہے مسلمان تو میں کنوارا مرنا تو پسند کر لوں گی لیکن کسی مسلمان سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی، یہ لوگ کبھی مخلص نہیں رہے جو اپنی اولاد سے مخلص نہ ہوں وہ لائف پارٹنر کے ساتھ کتنے مخلص ہوں گے اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ بطور دوست ہم لوگ اچھا وقت گزار سکتے ہیں اس سے زیادہ امید مت رکھنا۔"
"پلیز مومی کوئی تو حل ہو گا اس مسئلے کا۔"
شاہ ویز نے گویا اس کی منت کی، اپنے شعور سنبھالنے سے لے کر آج تک اس کی اگر کوئی لڑکی دل کو بھائی تھی تو وہ یہی تھی اور بظاہر کوئی مسئلہ نظر نہیں آ رہا تھا ایسے میں مومی کا انکار شاہ ویز کی سمجھ سے باہر تھا۔
"مجھے اپنے بچوں کو لامذہب نہیں بنانا شاہ ویز اور نہ ہی میں یہ چاہوں گی کہ وہ دو مذاہب کے درمیان بھٹکتے پھریں، میں خود ایسے ہی والدین کی اولاد ہوں میری ماں مسلمان تھی لیکن صرف میرے باپ سے شادی کے لئے اس نے اپنا مذہب بدل دیا اور جب میں محض پانچ چھ سال کی تھی تو اس عورت نے میرے باپ کو ایک اور شخص کے لئے چھوڑ دیا اور خود تم اپنے گھر میں ہی دیکھ لو، تمہارے باپ نے تمہاری ماں کے لئے اسلام چھوڑ دیا اور شادی مکمل ہندو طریقے سے کی، یہی حال تمہاری بہن کا ہے ان مسلمانوں سے کم از کم ہندو پھر بھی اچھے ہیں جو اپنے مذہب کے لئے پوز یسیو تو ہیں ناں۔"
"نہیں مومی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ان دونوں مذاہب کے لوگ صدیوں سے اکٹھے رہتے رہے ہیں اسی لئے یہ لوگ مذہب سے زیادہ

رشتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔" شاہ ویز نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی۔
"تم کچھ بھی کہو شاہ ویز لیکن یہ طے ہے کہ میں جس شخص سے شادی کروں گی وہ پیدائشی کیتھولک عیسائی ہو گا اور میرے بچوں کا بھی یہی مذہب ہو گا مجھے تو میری دادی نے سنبھال لیا تھا شاہ ویز لیکن میرے بچوں کو کون سہارا دے گا میں اپنی آئندہ نسلوں کو یوں بیچ دوراہے کے نہیں چھوڑ سکتی۔" مومی کے کہنے پر شاہ ویز کو اپنی حالیہ فلم یاد آ گئی تھی، اس نے خود بھی تو یہی پیغام دیا تھا اس فلم میں کہ نسلوں کی بقا کے لئے خود کو بھی قربان کرنا پڑے تو دریغ مت کریں اب ایسے میں وہ مومی کو کیسے اس راستے سے ہٹا سکتا تھا، اس کی طویل خاموشی پر مومی نے ایک بار پھر لب کشائی کی۔
"مجھے امید ہے شاہ ویز اب تم مجھے مزید قائل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے، ہم اچھے دوست ہیں اور رہیں گے اس سے زیادہ کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔" مومی نے اپنا بیگ اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی یہ گویا شاہ ویز کو چلنے کا اشارہ تھا، واپسی کے سفر میں دونوں بہت خاموش گھر پہنچنے پر مومی نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا پھر کچھ سوچ کر شاہ ویز کی طرف متوجہ ہوئی۔
"اور ہاں ایک آخری بات تم پلیز خود کو ضائع مت کرو اور اپنی آئندہ نسلوں سے ان کو پہچان مت چھینو، شاہ ویز اب کسی ایک سب کو سمجھ کر اس کو اپنا لو تا کہ تمہاری آئندہ نسلیں ملے سے بچ سکیں، ورنہ روز محشر انہیں کیا جواب دے گے مذہب انسان کو پہچان کے ساتھ ساتھ ذہنی سکون بخشتا ہے اور خدا کی ذات پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے اس ایک بات کو مان کر تم خود بھی مطمئن ہو جاؤ گے اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی بچا لو گے۔" شاہ ویز کے لئے سوچ کے نئے در وا ہو گئے وہ کب کی اندر جا چکی تھی جبکہ شاہ ویز بہت دیر تک وہیں بیٹھا سوچتا رہا تھا۔

☆☆☆

مومی کی باتوں کو شاہ ویز چاہنے کے باوجود دل سے نہیں نکال سکا تھا، جبھی سارے کاموں کی پس پشت ڈالے وہ مختلف مذاہب کی تحقیق میں لگ گیا تھا ہندومت، سکھ ازم اور اسلام کے ساتھ ساتھ وہ عیسائیت اور بدھومت کے متعلق بھی معلومات اکٹھی کر رہا تھا، اس نے صرف مختلف کتابوں اور انٹرنیٹ معلومات پر بھی اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ وہ ان کے علماء پنڈت اور پادری اور بھکشو حضرات سے بھی ملنے کا خواہ تھا، ایک لمبی ریسرچ کے بعد وہ بالآخر دو مذاہب عیسائیت اور اسلام کے بیچ آ کر اٹک گیا تھا، اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کس مذہب کا پیروکار بنے اسی کش و پنج میں مبتلا اس کی ملاقات ڈاکٹر نائیک سے ہوئی، اس نے ان کے کئی لیکچر سنے تھے اور اب ان سے باقاعدہ ملاقات کے لئے آیا تھا۔
"جی بیٹا جی آپ کس لئے تشریف لائے ہیں؟" انہوں نے بہت محبت سے مصافحہ کرتے ہوئے اسے اپنے پاس بٹھایا تھا اور استفسار کیا، شاہ ویز کے بتانے پر انہوں نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔
"مجھے خوشی ہے بیٹا کہ آپ حق کی تلاش میں نکلے ہو اور حق آپ سے زیادہ دور نہیں، اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کو حق پر ہی چلائیں گے جہاں تک بات ہے عیسائیت اور اسلام کی بنیادی عقیدے کی تو آپ تو ہندو مذہب کو بھی اچھے طرح جانتے ہو، وہاں بھی بھگوان صرف ایک خدا کو ہی مانا جاتا ہے باقی دیوی دیوتا اگرچہ ہزاروں میں ہیں لیکن پھر بھی بھگوان ایک ہی ہے، اسی طرح کیتھولک عیسائی بھی ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد بہت قلیل رہ گئی ہے اور پروٹسٹنٹ پر یقین کرنے لگے ہیں لیکن دراصل یہ عیسائیت کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اصل تو وہ ہی ہے جو تقریباً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمام مذاہب کے لوگ مانتے ہیں اب چاہے اس ذات باری کو بھگوان کہو، خداوند کہو یا اس کے اصل نام اللہ سے مخاطب کرو اللہ دراصل عربی کا لفظ ال الا کا مجموعہ ہے جس کے معنی ہیں خاص خدا، تو بس یہ ہی بنیادی فرق ہے جو اسلام اور عیسائیت میں پایا جاتا ہے۔'' ڈاکٹر ٹائیک اپنے دھیمے پرسوز لہجے میں آہستہ آہستہ بولتے جارہے تھے اور ان کا لفظ لفظ شاہ ویز کو اپنے دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا، ان سے ایک گھنٹہ کی نشست کے بعد وہ کافی حد تک اپنے ذہن میں الجھی گتھیوں کو سلجھانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

☆☆☆

ابھی مذاہب کا معاملہ درمیان میں ہی تھا کہ وہ سب ہوگیا جس کی ان میں سے کسی کو بھی توقع نہ تھی، گھر میں گیت اور وردھان کی شادی کے سلسلے میں بات چیت چل رہی تھی اور پنڈت صاحب سے شبھ گھڑی نکلوانے کے بعد وردھان کے گھر والوں کو کھانے پر مدعو کیا گیا تھا، تاکہ شادی کی فائنل تاریخیں اور باقی سارے معاملات طے کر لئے جائیں۔

کھانے کے بعد سب کامن روم میں چلے آئے تھے اور کافی کا دور چل رہا تھا ساتھ ساتھ بات چیت بھی جاری تھی، جب آنٹی سنینا کی بات پر وردھان سے ڈسکس کرتا شاہ ویز چونکا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اس بار شادی مندر میں رکھواتے ہیں پھیروں کے لئے تو چند ایک چیدہ چیدہ مہمان ہی مدعو ہوں گے اور گروتی مندر میں کافی گنجائش ہے وہاں آسانی سے انتظام ہو جائے گا، بعد میں کسی بھی بڑے ہوٹل یا پھر اپنے ہی فارم ہاؤس میں پرتکلف دعوت کر لیں گے جس میں سب شریک ہو سکیں گے۔''

آنٹی کی بات پر باقی لوگوں نے کیا خیال ظاہر کیا شاہ ویز نہیں سن سکا تھا اسے تو بس اپنی اور مومی کی گفتگو یاد آ گئی تھی، جبھی ایک نئے خ سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''ویسے میرا خیال ہے کہ اس بار شادی رسم ورواج کی بجائے مسلم طریقے سے کر ہیں چینج کا چینج اور پھر سب کو ایک نیا پیغام کہ ہم لوگ کتنے کھلے ذہن کے ہیں ہندومت اسلام میں فرق نہیں کرتے۔'' شاہ ویز کی با وہاں بیٹھے معزز مہمانوں کے چہرے جس ط سے متغیر ہوئے تھے وہ کسی کی نگاہ سے چھپے سکے تھے۔

''یہ کس طرح ممکن ہے بھلا دو گھرانوں کے ہندو بچوں کی شادی اور ا طریقے سے؟ شاہ ویز تمہارا تو دماغ چل ہے۔'' اس کے چھوٹے ماموں اور وردھان چچا سوریش پٹیل نے اسے گویا لعن طعن کیا تھ

''سوریش کی بات بالکل ٹھیک ہے بھی شاہ ویز سوچ سمجھ کر بولا کرو آج کل کن کی کمپنی میں بیٹھ رہے ہو جو اتنی ناز یبا بات نے؟'' وردھان کے والد اجیت پٹیل شاہ ویز کو ٹوکنا ضروری سمجھا تھا، شاہ و حیرت سے ایک نظر اپنے دونوں ماموں طرف دیکھا اور پھر ایک نظر اپنے والد خاص طور پر شاہ نیل خان کی طرف کی شاید بارے میں کچھ کہیں لیکن وہ تو جیسے اس گفتگو سے لاتعلق نظر آتے شادی کے لئے کے ڈیزائن پسند کرنے میں لگے ہوئے تھے

''اس میں برا کیا ہے انکل، میرے بھی تو مسلمان ہوتے ہوئے ہندو رسم کے مطابق شادی کی تھی آج اگر ان کی شادی اسلامی طریقے کے مطابق ہو تو اس مضائقہ ہے؟'' شاہ ویز کو خود بھی سمجھ نہیں تھی کہ وہ کیوں اس بات کو اتنا طول دے لیکن وہ خود کو بولنے سے باز بھی نہیں تھا۔

''اس لئے کہ ہر کوئی تمہارے باپ کی طرح بے غیرت نہیں ہوتا کہ اپنے مفاد کے لئے مذہب تک کو پس پشت ڈال دے۔''

سوریش پٹیل نے تنفر سے کہا تو شاہ ویز کے ساتھ ساتھ باقی موجود افراد نے بھی بے حد حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا، خود شاہ نیل خان کو بھی امید نہ تھی کہ سوریش یوں ان کو سرعام بے عزت کر دے گا اگرچہ ان کی شادی کے دن سے لے کر آج تک اس نے سیدھے منہ شاہ نیل سے بات نہ کی تھی لیکن ایک تو اپنی بے پناہ مصروفیت کے باعث شاہ نیل خان کی سوریش پٹیل سے ملاقات سالوں بعد ہوتی تھی دوسرے اگر کبھی کبھار ان کا یہ رویہ دیکھنا بھی پڑ جاتا تو وہ کویتا کی خاطر برداشت کر جاتے تھے لیکن آج اتنے عرصے بعد وہ لاوا جو سوریش کے دل میں پک رہا تھا پھٹ پڑا تھا۔

شاہ نیل نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کیے تھے کہ گیت نے اپنا کانپتا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا، آنکھوں میں گہری تشویش اور آنسوؤں کی نمی لئے اس نے سر کے اشارے سے باپ کو بولنے سے منع کیا تھا، وہ ننھیال کے زیادہ قریب تھی اور اپنے چھوٹے ماموں کی فطرت کو اچھے سے جانتی تھی ایسے میں شاہ نیل کا کچھ کہنا جھگڑے کو مزید ہوا دے سکتا تھا، لیکن کویتا چپ نہیں رہ سکیں۔

''بھائی صاحب یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں شاہ نیل نے وہ سب میری محبت میں کیا تھا آپ ان کی محبت کا مذاق اڑا رہے ہیں؟''

''محبت میں نہیں بلکہ اس کو اس وقت ایک ڈھی کی ضرورت تھی جس پر چڑھ کر یہ کامیاب م ایکٹر بن سکتا اور وہ سیڑھی تم نے اپنی بے وقوفی سے اس کو فراہم کر دی تھی جبھی تو یہ مذہب کو چھوڑ ہاز تمہاری ہر شرط مانتا چلا گیا تھا۔'' سوریش پٹیل کی بات پر شاہ نیل خان نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''تم میری محبت کی توہین کر رہے ہو سوریش۔'' بہت آہستگی سے شاہ نیل خان نے شکوہ کیا تھا۔

''میں تمہیں صرف حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں ورنہ محبت تو گیت سے وردھان بھی بے تحاشا کرتا ہے لیکن یہ بھی گیت کے لئے مذہب کو نہیں چھوڑے گا بے شک آزما لو، کیوں وردھان کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری شادی اسلام طریقے کے مطابق ہو۔'' بات کرنے کے دوران ہی سوریش پٹیل نے وردھان کی بھی گھسیٹ لیا تھا اور سب کی نظریں وردھان کی طرف اٹھ گئیں تھیں۔

''ایم ساری شاہ ویز میں اگرچہ گیت سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اس کے بعد میری زندگی میں کوئی اور لڑکی نہیں آ سکتی لیکن جہاں تک مذہب کی بات ہے تو میں مذہب کے لئے گیت کو تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن گیت کے لئے مذہب نہیں۔'' وردھان کی بات پر شاہ ویز گویا بھڑک اٹھا تھا۔

''ہندوؤں کے متعلق انتہا پسندی کی جو باتیں مشہور ہیں وہ واقعی درست ہیں اکیسویں صدی میں بھی اگر آپ جیسے شدت پسند موجود ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا میرے باپ جیسے روشن خیال مرد بہت کم ہیں اور ان جیسی قربانی آپ جیسے تنگ دل لوگ دے بھی نہیں سکتے لیکن خیر یہ تنگ دلی اور انتہا پسندی آپ لوگوں کو مبارک ہو گیت کی شادی اگر ہوئی تو اسلامی طریقے کے مطابق ورنہ ہماری طرف سے انکار۔'' شاہ ویز کی بات نے گویا آگ ہی لگا دی تھی لیکن اس سے پہلے کہ کوئی اور کچھ کہتا وردھان نے اپنے ہاتھ شاہ ویز کے کندھے پر رکھا تھا۔

''دیکھو شاہ ویز تم کیوں ایک چھوٹی سی بات کو مسئلہ بنا رہو جب انکل اور آنٹی کو اعتراض نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے تو پھر تم کیوں اس بات کو طول دے رہے ہو حالانکہ تم کو خود کسی بھی مذہب کے ماننے والے نہیں ہو؟"

"بات مذہب کو ماننے یہ نہ ماننے کی نہیں ہے بات ہے اصول کی اگر میرے پاپا مسلمان ہو کر ہندوانہ رسم و رواج کے مطابق شادی کر سکتے ہیں تو پھر ایک ہندو مرد کیوں اسلامی طریقہ سے شادی کرنے سے انکار کر رہا ہے یہ کیسی برابری ہے۔" شاہ ویز نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"دیکھو شاہ نیل خان اپنے بیٹے کو سمجھاؤ ہم نے کل تمہیں اپنی بیٹی سونپی تھی آج تمہاری باری ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس بحث کو یہیں ختم کر کے شادی کی تیاریاں شروع کریں پنڈت صاحب کے بقول شبھ موہرد میں دن بہت کم ہیں اور ڈھیروں کام کرنے والے پڑے ہیں۔" وردھان کے والد اکھیجیت پٹیل نے درشتگی سے کہتے اپنے فیصلہ سنایا تھا لیکن ان کی بات پر شاہ ویز پھر سے بول پڑا۔

"ہمیں شادی پر کوئی اعتراض نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ شادی اسلامی طریقے کے مطابق ہو گی اور بس۔" شاہ ویز کے قطعیت بھرے لہجے نے سب کو پھر سے بپھر جانے پہ مجبور کر دیا تھا، جبھی سورلیش پٹیل نے نفرت زدہ لہجے میں شاہ نیل خان کو مخاطب کیا تھا۔

"واہ شاہ نیل خان واہ یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم نے بیٹے کو آگے کر دیا پٹیاں پڑھا پڑھا کر اور خود آرام سے تماشا دیکھ رہے ہو اگر تمہیں یہ رشتہ منظور نہیں تھا تو پہلے ہی انکار کر دیتے یوں گھر بلا کر ہماری بے عزتی کرنے کا حق تمہیں قطعاً نہیں تھا۔"

"آپ پاپا کو دوش مت دیں یہ میرا بالکل ذاتی فیصلہ ہے اور میں اس معاملے میں کسی کی نہیں سنوں گا آپ کو منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ آپ وردھان کا رشتہ کہیں اور کرنے کے لئے آزاد ہیں۔" شاہ ویز بات کے اختتام پر اٹھ کھڑا ہوا گویا وہ مزید اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"دیکھا بالآخر مسلے کا بیٹا مسلا ہی نکلا ناں لیکن میں آج یہ قصہ ہی پاک کر دونگا نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری میں ان دونوں باپ بیٹے کو ختم کر دونگا۔" سورلیش پٹیل نے اپنی جیب سے پستول نکالتے اس کا رخ شاہ ویز کی طرف کیا تھا اور ٹائیگر دبا دیا، لمحوں کا کھیل تھا اور گولی کی زد میں آیا وجود خون میں لت پت پڑا تھا، شاہ ویز کو بچانے کے لئے اس کے سامنے آئی گیت سینے پہ گولی کھائے شاہ ویز کی بانہوں میں آ گری تھی صورت حال کو گمبھیر ہوتا دیکھ کر وردھان اور اس کی فیملی واپس نکل پڑی تھی، جبکہ کویتا پٹیل اور شاہ نیل خان سکتے کی سی کیفیت میں کھڑے تھے، کویتا جیسی آزاد خیال عورت کے لئے اپنے بھائی کی اتنی سنگدلانہ حرکت قابل قبول نہ تھی اور اب جوان سے عزیز بیٹی کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر وہ گویا ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں اور ہوش ہو کر گر پڑیں تھیں۔

"ماما!" گیت کو سنبھالتے سنبھالتے شاہ ویز نے تڑپ کر ماں کو گرتے دیکھا تھا اور پھر حیرت سے کنگ کھڑے باپ کو پکارا۔

"پاپا پلیز جلدی سے کے لئے گاڑی نکلوائیں، ہاسپٹل..... ہری اپ پاپا۔" شاہ ویز کی چیخ و پکار کا بھی شاہ نیل خان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا، جبھی اس نے گیت کو نیچے لٹاتے ہوئے فوراً ملازم کو آواز دے کر گاڑی نکلوانے کو کہا تھا اور پھر ایک گاڑی میں گیت اور دوسری میں کویتا اور شاہ نیل کو سوار کروائے اس نے گاڑیاں باہر ہاسپٹل کی طرف نکلوائی تھیں، گیت کی گاڑی وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا، راستے میں آئے ہر سگنل کو توڑتے ہو ہر ممکن طریقے سے جلد از جلد ہاسپٹل

پہنچا تھا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا جبھی اس کی ساری کوششیں رائیگاں ٹھہری تھیں اور گھر سے لائے گئے تینوں زندہ نفوس اب زندگی کی رنگینوں میں اس کا ساتھ دینے کے قابل نہ رہے تھے۔

گیت کی موت بھی شاہ نیل خان کی چپ اور کویتا پٹیل کی نیند توڑنے میں ناکام ٹھہری تھی، شاہ ویز کی چیخ و پکار اور منتیں بھی کویتا پٹیل کو کومے سے باہر نہ نکال سکیں تھیں، جبکہ شاہ نیل خان کا سکتہ ٹوٹا تو شاہ ویز نے بے اختیار سوچا تھا کہ کاش یہ اسی حالت میں رہتے تو بہتر تھا، بیٹی کی موت اور محبوب بیوی کی بیماری نے اس شخص کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا اور وہ نیم پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگا تھا، شاہ ویز اپنا آپ بھلائے کبھی ماں کے سرہانے بیٹھا باتوں میں مصروف ہوتا اور کبھی مینٹل ہاسپٹل میں موجود باپ کو دیکھ دیکھ کر آنسو روکنے کی کوشش میں بے حال رہتا تھا، لیکن اس کی محبت و خدمت اور طویل ڈاکٹری علاج بھی ان دونوں افراد کو زندگی کی طرف لانے میں ناکام رہا تھا، ڈاکٹروں نے ان دونوں کو لاعلاج قرار دے دیا تھا اور اب کوئی معجزہ ہی تھا جو ان کو تندرست کر سکتا تھا، ورنہ تو ایسا ہونا ممکن نظر نہ آتا تھا۔

"کاش آپ لوگوں نے اپنی زندگی کی ابتداء سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں ایک پل کو سوچا ہوتا تو آج یوں میں دوراہے پر کھڑا نہ ہوتا آپ لوگوں کے ایک غلط فیصلے نے ہم چار زندگیوں کو نگل لیا ہے اور سب سے بڑا المیہ تو ہے کہ میرا دکھ بانٹنے کو آپ میں سے کوئی ایک بھی میرے ساتھ نہیں ہے، آپ لوگ کو دنیا سے منہ موڑے زبان و مکاں کی قید سے گویا آزاد ہو گئے ہیں اور شاید ہر دکھ سے بھی لیکن میں اپنا دکھ کس سے کہوں کہ میں نے اپنی ہستی بستی فیملی لمحوں میں کھو دی ہے۔" ہاسپٹل کے دروازے سے ٹیک لگائے شاہ ویز نے دکھ سے سوچا تھا، آنسو قطرہ قطرہ اسکی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور انہیں پونچھنے والا کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

"محمد شاہ زیب..... فاطمہ..... come back (واپس آ جاؤ) زیادہ دور مت جانا، آ جاؤ گھر جانے کا وقت ہو گیا ہے پھر تھوڑی دیر بعد آپ کو مدرسے بھی جانا ہے۔" اپنے پیچھے سے آتی مردانہ آواز پر سائیکل چلاتے دونوں بچے اپنی اپنی سائیکل کا رخ موڑے واپسی کے لئے نکل پڑے تھے۔

"پاپا آپ کو پتا ہے کہ آج میں نے پندرواں پارہ مکمل کر لیا ہے اس طرح میں آدھا قرآن پاک حفظ کر لوں گا۔" باپ کے پاس آ کر شاہ زیب سائیکل سے اتر گیا تھا اور اب ایک ہاتھ سے سائیکل تھامے اس نے باپ کو خوشی خوشی اطلاع دی تھی۔

"ماشا اللہ، اللہ تمہیں مزید کامیابی عطا کرے اور میرا بچہ فاطمہ کہاں تک پہنچا۔" بہت محبت سے باپ نے بیٹے سے دو سال بڑی بیٹی کو پکارا تھا۔

"پاپا میرا ترجمہ اور تفسیر چل رہی ہے میرا دسواں پارہ شروع ہو گیا ہے۔"

تیرہ سالہ فاطمہ نے دھیمے سے جواب دیا، وہ لڑکیوں کے ٹین ایجر گروپ میں شامل تھی اور اپنی لیول کی تفسیر اس کی استانی اسے کروا رہی تھیں جو عام فہم اور اسے تیرہ سال تک کی بچیوں کے لئے قابل سمجھ تھی۔

"ماشا اللہ، اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو مزید ترقی عطا فرمائے اور آپ کو اپنے چنے ہوئے لوگوں میں شامل فرمائے۔" باپ کی دعا پر دونوں بچوں نے دل سے آمین کہا تھا، گھر پہنچنے پر دونوں بچے اپنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"شاہ ویز جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر آ جائیں میں نے چائے دم دے دی ہے۔" کچن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آتی آواز پر شاہ ویز خان نے مسکرا کر ایک نظر اپنی بیوی کو دیکھا اور پھر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، تولیے سے منہ صاف کرتے اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑی گروپ فوٹو پر پڑی تھی دو قدم آگے بڑھ کر اس نے تصویر اٹھالی تھی۔

کویتا پٹیل، شاہ نیل خان، گیت اور وہ خود شاہ ویز ہنستے مسکراتے زندگی سے بھرپور چہرے اور اب؟ دکھ بھرا گہرا سانس اس کے منہ سے خارج ہوا تھا، اس نے اپنی نظریں شاہ نیل خان کے چہرے پر جمادیں۔

''کاش پاپا آپ نے مذہب کو اہمیت دی ہوتی تو آج ہم سب خوش و خرم زندگی گزار رہے ہوتے، لیکن خیر شکر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات باری کا کہ اس نے مجھے حق راہ دکھائی آج میں اپنے پروردگار اور اپنے بچوں کے سامنے سرخرو ہوں کہ میں نے محض دنیاوی زندگی کے متعلق ہی نہیں سوچا بلکہ اپنی اور اپنی آئندہ نسلوں کی دائمی زندگی کو بہتر بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔''

تصویر پر ہلکے سے ہاتھ پھیرتے شاہ ویز خان نے ایک بار پھر سے خود کو دلی کے ''منت'' میں محسوس کیا تھا اور تمام مناظر اس کی آنکھوں میں تازہ ہوگئے تھے، گیت کی موت کے بعد جب کافی عرصہ تک شاہ نیل خان اور کویتا پٹیل ٹھیک نہ ہو سکے تو شاہ ویز انہیں علاج کی غرض سے کینیڈا لے آیا تھا، یہیں اس کی ملاقات ایک کینڈین نژاد پاکستانی فیملی سے ہوئی، اسلام کے لئے ان کی محبت اور ان کا طرز زندگی شاہ ویز کو بے حد تاثر کر گیا اور اس نے بلا آخر اسلام قبول کر لیا، کچھ عرصہ بعد اسی خاندان کی ایک لڑکی نور الہدیٰ سے اس نے شادی کر لی تھی اور آج اپنے اس فیصلے پر وہ اللہ کا جتنا شکر ادا کرتا اتنا کم تھا، نور اس کے لئے ایک بہترین شریک حیات ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین ماں بھی تھی، اس کے بچے تین سال کی عمر میں اسلام کے متعلق بہت کچھ جان چکے تھے، نور نے اپنی پریگنسی کے دوران اور پھر بعد میں بھی بے تحاشا قرآن خود بھی پڑھا تھا اور مختلف قاریوں کی آواز میں سنا بھی تھا جبھی اسکے دونوں بچے چھوٹی عمر سے ہی قرآن سے محبت کرتے تھے اور بے حد ذہین بھی تھے یہ سب قرآن کی برکت سے ہی ممکن تھا اور وقت کے ساتھ ان کے بچے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی تعلیم سے بھی بہرہ مند ہو رہے تھے اس سلسلے میں شاہ ویز بھی اپنی بھرپور کوشش اور تعاون کر رہا تھا۔

نور سے شادی کے بعد شاہ ویز نے کینیڈا میں ہی رہائش اختیار کر لی تھی، یہاں کا اسلامی ماحول اس کے بچوں کے لئے بے حد موزوں تھا، مسلم کمیونٹی کے سارے مسلمان ایک غیر مسلم ملک میں رہنے کے باوجود اپنے اپنے مسلم ممالک کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ مذہبی تھے اور ایک مکمل اور بھرپور زندگی گزار رہے تھے اسی بات نے شاہ ویز کو کینیڈا میں رہائش اختیار کرنے پر اکسایا تھا اور آج وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھا۔

کویتا پٹیل اور شاہ نیل خان کو لاعلاج قرار دیا جا چکا تھا ہوسٹل کے لگژری روم میں وہ دونوں آج بھی یونہی زندگی سے منہ موڑے ہوئے تھے لیکن موت بھی شاید انہیں قبول نہیں کر رہی تھی اور شاید اسی کو مکافات عمل کہتے ہیں جبھی تو اپنے فرض سے کوتاہی برتنے ان افراد نے جب اپنی حدود کو کراس کیا تو زمین و آسمان گویا ان پر تنگ ہو کر رہ گئے تھے اور ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی اور عقل والے اگر اب بھی ان کو دیکھ کر عبرت نہ پکڑتے تو ان کی سوچ پر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اور میری آئندہ نسلوں کو بھٹکنے سے بچا لیا۔''

تصویر کو اس کی جگہ پر واپس رکھتے شاہ ویز نے سچے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

''شاہ ویز اب آ بھی جائیں ناں چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' نور کی آواز پر شاہ ویز نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے اور دھیمے پروقار انداز میں چلتے اس شخص پر ہواؤں کو بھی رشک آیا تھا جس نے وقت کی آواز پر کان دھرتے ایک درست فیصلہ کیا تھا اور خود کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو اندھا بہرا ہونے سے بچا لیا تھا۔

☆☆☆

فلم انڈسٹری میں آج بھی شاہ ویز خان کا نام فلم کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا، فرق صرف یہ تھا کہ اب کی بار بنائی جانے والی فلمیں اسلامی تاریخ اور اسلامی ادب کے متعلق اور خاص طور سے بچوں کے لئے شاہ ویز نے بے حد کام کیا تھا، فاطمہ اور شاہ زیب کے لئے بنائی جانے والی فلمیں ان کی عمر کے دوسرے بچوں کے لئے بھی بے حد مفید ثابت ہوئی تھیں اور مختلف اسلامی ممالک میں ڈبنگ کے ساتھ ان کو پیش کیا جاتا تھا۔

انڈیا سے تعلق رکھنے والے شاہ ویز خان کا نام آج ساری اسلامی دنیا میں جانا جاتا تھا، جبکہ انڈیا کے شاہ نیل خان کو خود انڈیا میں ہی یاد کرنے والا شاید کوئی باقی نہ بچا تھا، ایک نے اللہ کے ساتھ رشتہ جوڑا تو گویا ساری دنیا اسکے قدموں تلے بچھ گئی اور دوسرے نے اللہ کی یاد سے غفلت برتی تو دنیا نے اسے اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔

اور شاہ ویز خان کو یہ بات سمجھ آ گئی تھی کہ عزت اور شہرت دینے والے ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جبھی اس نے اپنی زندگی کے تمام اختیارات اس ذات باری کو سونپ دیئے تھے اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہا تھا، جس کے ساتھ آخرت کی کامیابی کی ضمانت بھی تھی۔

فاطمہ اور شاہ زیب کی نوک جھونک پر ڈانٹتی نور کو اس نے ایک نظر دیکھا اور اپنے خاندان کی بھرپور اور مکمل زندگی پر سچے دل سے ایک بار پھر سے اللہ کا شکر ادا کرتے اس نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا اور سامنے موجود تینوں افراد کی باتوں کو انجوائے کرنے لگا، کہ بہرحال زندگی اس کے لئے بھی خوشیاں کشید لائی تھی اور ماضی کی یادیں اگرچہ تکلیف دہ ہونے کے ساتھ ساتھ نہ قابل فراموش تھیں لیکن حال اور مستقبل کا خوش کن احساس اسے زندگی کی خوشیاں محسوس کرنے اور دل سے ان پر شکر ادا کرنے کے لئے اکسا رہا تھا اور وہ ناشکرا نہیں بننا چاہتا تھا جبھی دل کی گہرائیوں سے اس رب کو یاد کرتے اس نے آنکھیں موند کر کرسی کی بیک سے ٹیک لگا لی تھی شکرانے کے لئے ہر پل اس رب کو دل سے یاد کرنا شاہ ویز کو بے حد بھاتا تھا اور اب بھی وہ اسی عبادت میں مشغول ہو گیا تھا۔

رام اور رحیم کو ایک کہنے والوں نے بھی یہ جان لیا تھا کہ ''رحیم'' جس کی صفت ہے وہ اپنے بندوں پر کتنا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیشے کی دیوار سے سر ٹکائے ہوئے، آنسو قطرہ قطرہ اس کی سنہری آنکھوں سے گر رہے تھے، شیشے کے اس پار ''وہ'' آئی سی یو میں تھا، نلکیوں اور پٹیوں میں جکڑا ہوا، جتنی بار اس کی نظر ''اس'' بے جان زرد پڑے چہرے پر جاتی نئے سرے سے اذیت سمیٹ لاتی، اس کی ٹانگیں مسلسل کھڑے ہونے کی وجہ سے بے جان سی ہو رہی تھیں مگر اسے یہاں سے دور جانا منظور نہ تھا سو وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی، جب ایک ہاتھ نرمی سے اس کے سر پہ آ کر ٹھہر گیا، اس نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

''کب تک ادھر کھڑی رہو گی؟ آؤ میرے ساتھ۔'' سفید اوور آل کندھوں پہ ڈالے ادھیڑ عمر ڈاکٹر دانش نے اسے سمجھایا تھا، مگر وہ اسی طرح کھڑی رہی، بس کچھ کہے بنا سر ہلا دیا۔

''آجاؤ لعل گرل، مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔'' انہوں نے کہا، وہ چونک کر متوجہ ہوئی پھر سر ہلاتے ہوئے ان کے ساتھ چل پڑی، ان کے آفس میں آ کر وہ کرسی پر گر سی گئی مسلسل جاگتے ہوئے اسے اڑتالیس گھنٹے ہو چکے تھے، تھکن، پریشانی، خوف اور پچھتاوا مل کر اسے مزید کمزور کر رہے تھے، ڈاکٹر دانش نے چائے کے دو کپ منگوا لئے۔

گرم چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اسے یاد آیا کہ آج سردی کس قدر عروج پر تھی، درجہ حرارت منفی سینٹی گریڈ پر پہنچا ہوا تھا، حالانکہ اسے سردی بہت پسند تھی، وہ پورا سال سردیوں کا انتظار کرتی تھی مگر آج اسے یہ سردی بہت بری لگ رہی تھی۔

''انکل! کیا آپ مجھے کچھ بتانا چاہ رہے تھے؟'' اس نے یاد آنے پہ پوچھا۔

''ہوں، تم جانتی ہو انہیں کیا ہوا ہے؟''

مکمل ناول



Courtesy www.pdfbooksfree.pk



انہوں نے بہت افسردہ اور پریشان لہجے میں بتایا۔

"جی میں جانتی ہوں۔" اس کے لبوں پہ سسکیاں تھیں۔

"مگر اس کی ریزن حیران کن ہے میں نہیں جانتا انہیں کیا پریشانی تھی؟ مگر یہ ایک بہت ہی اوور اسٹریسڈ اور پریشرائزنگ نروس بریک ڈاؤن ہے۔" وہ لب کچلتی آنسو روکتی انہیں دیکھے گئی۔

"اگرچہ اب ان کی کنڈیشن پہلے جیسی تو نہیں مگر پھر بھی ہم انہیں بہتر نہیں کہہ سکتے، کم از کم مزید دو دن انہیں انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھنا پڑے گا۔" انہوں نے کہا۔

اسے لگا جیسے سزا کا فیصلہ مزید دو دن آگے سرک گیا ہو، ڈاکٹر دانش اپنا اوور آل بازو پہ ڈالے باہر جا چکے تھے، اب کمرہ صرف اس کی سسکیوں سے گونج رہا تھا، کتنا پچھتاوا تھا اس کے آنسوؤں میں کتنے نوحے تھے اس کے لبوں پہ اور کتنے سارے کاش تھے اس کے دل میں، مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ اس کی مثال اس بڑھیا کی سی تھی جس نے ایک مضبوط رسی بٹی اور پھر اسے اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ہر گھڑی درد کی شدت سے سسکتی آنکھیں!!
اور ادھر سے تیرے وصل کے خوابوں کے عذاب
روز آنگن میں کھڑے پیڑ سے گرتے پتے
اور سر شام پرندوں پہ گزرتی آفات
نبض اور دل کی بغاوت سے تڑپتی ہے حیات
اس بڑے شہر میں بڑھتا ہوا لوگوں کا قحط
روز ہوتی ہے میرے ساتھ دیواروں کی جھڑپ
روز اک سانس کو پھانسی کی سزا ملتی ہے
اب تو آ جا اے میری جان کے پیارے دشمن
اب تو آ جا کہ تیرے ہجر کے قیدی کو یہاں
روز اس شہر میں مرنے کی دعا ملتی ہے

☆☆☆

"دیکھو تائب! مجھے یوں بار بار یہاں مت بلایا کرو، تم جانتے ہو یہ کتنا مشکل ہے۔" گل رعنا از حد جھنجھلائی ہوئی تھی، جواباً وہ مسکراتا ہوا اس کے صبیح چہرے پہ نظریں گاڑ کر سلگتے ہوئے لہجے میں بولا تھا کہ۔

"تمہیں پتا ہے گل! میں تم پہ مرتا ہوں۔"

وہ کھل اٹھی، ایک بے اختیار مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔

"بس اسی قسم کی باتیں کرتے رہنا۔" اس نے ننھی سے ناک سکوڑی۔

"تم کہو تو کوئی عملی قدم اٹھالوں؟" وہ بولا، لہجہ خاصا دھمکی آمیز تھا، گل دہل سی گئی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو؟" اس نے تائب کو گھورا۔

جواباً وہ پھر سے ہنس پڑا، ماحول میں رچی شام کی لالی دھیرے دھیرے دور دور تک پھیلے کھیتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، وہ اس وقت جس جگہ پہ کھڑے تھے وہاں دو جھولے لگے تھے جن پر سارا دن گاؤں کے بچے جھولتے رہتے تھے یہ ایک طرح سے ان کی پلے گراؤنڈ تھی، اس وقت ایک جھولے پہ گل بیٹھی تھی جبکہ لوہے کے مضبوط راڈ کے ساتھ کمر ٹکائے تائب کھڑا اس کے جھولے کو آہستہ آہستہ حرکت دے رہا تھا۔

"گل!"

"ہوں۔" شام کی لالی اس کے عارضوں پہ دھنک بکھیر رہی تھی، وہ اپنی بات بھول کر مبہوت سا اسے دیکھے گیا، پتا نہیں وہ واقعی اتنی خوبصورت تھی یا اسے ہی لگتی تھی؟

"تم بہت خوبصورت ہو۔" اس نے کہتے ہوئے ایک جذب کے عالم میں آنکھیں بند کر

لیں، گل نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور زور سے ہنس دی، اس کی شفاف ہنسی بالکل ایسی ہی تھی جیسے کرسٹل ٹیبل پر ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں گر کے بج اٹھیں۔

"میں سمجھی پتا نہیں کیا بات کرنے لگے ہو؟" اس نے سر جھٹکا۔

"گل! ایک بات مانو گی؟" اس کا لہجہ پرسوچ تھا۔

"ہوں..... بولو۔"

"میری بن جاؤ ناں۔" وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

"اچھا۔" وہ ہنس دی۔

"تم ہنس کیوں رہی ہو؟"

"اور کیا کروں؟"

"میری بات کا جواب دو۔"

"تمہاری بات کا جواب.....؟ تو اس کا جواب یہ ہے تائب چوہدری! کہ تم اپنی ماں کو ہمارے گھر بھیجو اور باقاعدہ طور پر مجھے اپنے نام لکھوالو۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

تائب قدرے چونکا پھر خاموشی سے کچی زمین کھرچنے لگا، ماحول میں چہچہاتے پرندوں کے شور کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔

"میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے؟" وہ بولی۔

"کیا جواب دوں؟" تائب کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"اچھا۔" وہ طنزیہ ہنسی پھر بولی۔

"اور خود تمہیں جواب لینے کی کتنی جلدی تھی تائب!"

"گل! میری ایک بات مان لو۔" اس کا لہجہ بدل گیا۔

"کون سی بات؟" اس نے زمین پر پیر ٹکاتے ہوئے جھولے کی حرکت روک دی۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں؟"

"آؤ بھاگ چلیں۔" اس نے گل کا ہاتھ تھام لیا۔

"تائب!" وہ ساکت رہ گئی۔

"ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔" تائب کے انداز میں کیا کچھ نہ تھا، محسوس کر کے گل دھک سے رہ گئی۔

"مگر میں....." اس کے عارضوں کی دھنک ماند پڑ گئی۔

"اگر مگر کچھ نہیں گل!" وہ پرعزم تھا، وہ نیم جاں ہونے لگی۔

"تائب! میرے گھر والے..... میرے بابا سائیں..... میرے لالہ؟" وہ زرد پڑ گئی۔

"تو ٹھیک ہے پھر مجھے بھول جاؤ۔" اس نے گل کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تم سنجیدہ ہو؟" وہ دنگ رہ گئی۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے جھک مار رہا ہوں۔" وہ سرد مہری سے بولا۔

"لیکن تم میری بات کیوں نہیں مان لیتے؟ بھیج دو ناں اپنے والدین کو۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"نہیں بھیج سکتا۔"

"کیوں؟" وہ چیخ پڑی۔

"چلاؤ مت، تم اچھی طرح جانتی ہو یہ ممکن نہیں کیونکہ زرنیلا میری منگیتر ہے۔" اس نے سختی سے کہا۔

"تو یہ سب کچھ میرے ساتھ وعدے وعہد کرنے سے پہلے سوچنا تھا نا؟" وہ پھٹ پڑی، وہ عجیب سے انداز سے ہنس دیا۔

"یہ دل کے معاملے ہیں گل رعنا ملک!"

"تو پھر ایک بات میری بھی کان کھول کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سن لو تائب چوہدری! جو تم چاہتے ہو وہ میں کبھی نہیں کر سکتی۔'' اس نے کٹھور اور دوٹوک لہجے میں کہا اور تیزی سے واپسی کے لئے مڑ گئی، مگر اس کی آواز نے آگے بڑھتے قدم روک دیئے۔

''ایک بات میری بھی یاد رکھنا گل رعنا ملک! تائب چوہدری کبھی ہارا نہیں۔''

وہ بھی تڑپ نہ جائیں تو اس عاشق پہ خاک
ہم سے فقط نگاہ ملانے کی دیر ہے.....!

تائب چوہدری کی آواز اور اس کے لہجے میں نجانے ایسا کیا تھا کہ گل رعنا کے رہ گئی پھر وہ بھاگنے والے انداز میں وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

''قصر گل'' میں زوریز ملک اور گل افشاں ملک رہتے تھے جن کے دو ہی بچے تھے، زرشام ملک اور گل رعنا ملک۔

گل رعنا نے مقامی اسکول سے میٹرک پاس کیا تھا اور اس کے بعد گھر میں ہی ہوتی تھی ان کے خاندان میں لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کا رواج ہی نہ تھا جبکہ دوسری طرف زرشام انگلش میں ماسٹرز کرنے کے بعد اب لاہور سے ہی ایم فل کر رہا تھا، حالانکہ تھا تو یہ کھلا تضاد مگر روایتی باپوں کی طرح زوریز ملک بھی اس کی ضد کے آگے مجبور ہو گئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ وہ زراعت میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرے مگر زرشام کو شروع سے ہی گاؤں اور اس کے گھٹے ماحول سے عجیب سی چڑ تھی جو کبھی کبھی بہت شدید ہو جاتی تھی، خاص طور پہ تب جب گاؤں کی پنچایت عجیب و غریب بلکہ کسی حد تک گھناؤنے فیصلے کرتی، اکثر اس کا باپ سے اس بات کو لے کر جھگڑا بھی ہو جاتا تھا مگر وہ اسے سمجھا بجھا کر واپس اسے اس کی جگہ (لاہور) بھیج دیتے، ''لال حویلی'' میں، سلطان چوہدری اور سلمیٰ چوہدری کا بسیرا تھا ان کے بھی دو ہی بچے تھے، تائب چوہدری اور زیمل چوہدری۔

تائب حال ہی میں زراعت میں ماسٹرز کر کے فارغ ہوا تھا اور آج کل کثرت سے گاؤں میں پایا جاتا تھا اور اس کی آوارہ گردی اسے ''گل رعنا'' سے ٹکرا گئی، دونوں میں جذبے بڑی تیزی سے پروان چڑھے تھے اگر وہ اس کے لئے دیوانہ تھا تو گل رعنا بھی اس کے لئے ساری پابندیاں توڑ کر اسے ملنے آتی تھی۔

دوسری طرف ''زیمل چوہدری'' ابھی صرف تیرا سال کی تھی اس کی اور تائب کی عمر میں دس سال کا فرق تھا اس کے درمیان ان کے دو اور بہن بھائی اوپر تلے پیدائش کے بعد فوراً بعد فوت ہو گئے تھے، زیمل اس وقت مقامی اسکول میں ساتویں جماعت کی طالبہ تھی، ان کے خاندانی رواج کے مطابق اسے مڈل تک پڑھایا جانا تھا اور اس کے بعد چار پانچ سال تک جب اس کی عمر بمشکل سترہ سے اٹھارہ سال کی ہوتی اسے بیاہ دیا جاتا۔

یوں تو دونوں خاندانوں میں بظاہر کوئی چپقلش نہ تھی مگر چوہدری کو ملک فیملی سے خدا واسطے کا بیر تھا وہ انہیں زک پہنچانے کا کوئی موقع نہ ہاتھ سے جانے دیتے، یہ زوریز ملک کی امن پسندی ہی تھی کہ کبھی دونوں خاندانوں میں کوئی بڑا جھگڑا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی قابل ذکر لڑائی۔

''سلطان چوہدری'' گاؤں کی پنچایت کے ایک اہم اور با اثر رکن تھے اور عموماً اہم فیصلوں میں ان کی بات کو ہمیشہ اولیت دی جاتی تھی، مگر اپنی فطری فسادی طبیعت کی بنا پر وہ ہمیشہ ہی بڑے سخت فیصلے کرتے تھے خاص طور پر اگر کوئی خون بہا یا ونی کا معاملہ آجاتا تو ان کی ساری ہمدردیاں متاثرہ فریق کے ساتھ ہوتی تھیں۔

جبکہ ''زوریز ملک'' ہمیشہ ہی ایسے معاملات سے دور رہے تھے دل ہی دل میں وہ بھی زرشام کے ہم خیال تھے اور ان غیر انسانی رسموں کے سخت خلاف تھے مگر چونکہ ان کا کوئی تعلق نہ تھا ایسے معاملات سے جبھی وہ ہمیشہ ان سب سے دور ہی رہے، آج کل وہ شدومد سے گل رعنا کی شادی کا سوچ رہے تھے۔

☆☆☆

بمشکل اسے ڈاکٹر دانش اس بات پر آمادہ کر سکے تھے کہ وہ تھوڑی دیر جا کر گھر میں ریسٹ کر لے وہ مان تو گئی تھی مگر صرف ایک گھنٹہ ریسٹ پر، ڈرائیور اسے لے کر گھر آیا تو وہ تھکے قدموں اور بوجھل دل کے ساتھ نم پلکیں لئے اندر کی طرف بڑھ گئی، وسیع و عریض گھر جیسے سنسان گھاٹ بنا ہوا تھا، لاؤنج سے گزرتے ہوئے اس کی نظر اس مخصوص گوشے پر پڑی تھی جہاں وہ اکثر بیٹھا کرتا تھا، کوئی نہ کوئی کتاب پکڑے اور کبھی کبھار ٹی وی پر نظریں جمائے کسی نیوز چینل کو سرچ کرتے۔

سوچتے ہوئے وہ لرزتی ٹانگوں سے اندر کی طرف بڑھ گئی، بیڈ پہ بیٹھتے ہی اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پہ دھری ہاشم ندیم کی ''خدا اور محبت'' پہ پڑی، اس کے اندر کہیں درد مزید بڑھ گیا تھا، یہ کتاب اسے برتھ ڈے پہ گفٹ کی تھی اس نے، بیڈ پہ چت لیٹتے ہوئے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کس قدر تھکی ہوئی تھی، فوراً ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، چند لمحوں بعد ہی وہ نیند میں جا چکی تھی، اگرچہ اس کی نیند بڑی بے چین اور تکلیف دہ تھی، بار بار وہ کروٹ بدلتی اور پھر ڈراؤنے خوابوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، پہلے اس نے دیکھا وہ کسی تاریک کمرے میں تھی جس کی کوئی کھڑکی کوئی روشندان اور دروازہ نہ تھا اور وہ پاگلوں کی طرح چلاتی ہوئی ہر دیوار پر ہاتھ مار مار کر رہائی کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہی تھی، پھر اس نے دیکھا کہ بہت عجیب سی جگہ تھی ہر طرف بڑے بڑے درخت تھے اور اتنے گھنے کہ یہ گمان کرنا مشکل تھا کہ سورج کا گزر وہاں سے تھا کہ نہیں وہاں بھی سخت ویرانی اور گھور اندھیرے میں وہ ٹھوکریں کھاتی آگے بڑھ رہی تھی پھر یکلخت وہ بھاگتے بھاگتے جیسے کسی گہری کھائی میں جا گری، نیچے بس آگ اور خون تھا اور یہ سب اس قدر خوفناک اور دل دہلا دینے والا تھا کہ وہ ایک دلدوز چیخ مارتی اٹھ کر بیٹھ گئی اس کا سارا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور حلق جیسے خشک صحرا، اس نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ میں سے پانی گلاس میں نکالا اور ایک ہی سانس میں چڑھا گئی، پھر وہ تیزی سے بستر سے اتری اور چپل پہن کر بھاگنے والے انداز میں باہر آ گئی، اسے ابھی ہوسپٹل جانا تھا۔

کچھ ہی دیر میں اس کی گاڑی جیسے اڑی جا رہی تھی اور وہ بار بار ڈرائیور کو مزید تیز چلنے کا کہتی، ہوسپٹل پہنچنے پر اسے ڈاکٹر دانش کہیں نظر نہیں آئے وہ تیزی سے آگے بڑھتی اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔

وہ اسی طرح بیڈ پر دراز تھا، اس کا لمبا چوڑا شاندار سراپا پورے بیڈ پہ بکھرا ہوا تھا اور وہ آنکھیں بند کیے موت سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا، اس کے دل کو کچھ ہوا، وہ تیزی سے آگے بڑھی اور نزدیکی کرسی کو اس کے بیڈ کے قریب احتیاط سے رکھتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گئی، پھر اس کا ڈرپس میں جکڑا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر رو دی، بہت خاموشی سے بنا کوئی آواز کیے اس کے کتنے ہی بے تاب آنسو رخساروں پہ بہتے چلے گئے۔

''میں اس قابل نہیں تھی کہ آپ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے اتنا کچھ کرتے۔'' اس کی یدھم سرگوشی زمانوں کی تھکن اور تڑپ سمیٹے ہوئے تھی۔

☆☆☆

آنے والے بہت سارے دن اس کی ملاقات تائب چوہدری سے نہیں ہوئی تھی، وہ اندر سے سخت بے چین اور بے حال تھی مگر ظاہری طور پر اسی طرح ہنستی کھلکھلاتی ''قصر گل'' میں روشنیاں بکھیر رہی تھی، آج تو گھر میں خصوصی تیاریاں ہو رہی تھیں، لاہور سے زرشام ملک تین دن کے لئے آ رہا تھا، گل افشاں ملک جیسے ہوا کے گھوڑے پہ سوار تھیں، کبھی ہدایات دیتی یہاں پائی جاتی تو کبھی وہاں، وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا جس سے انہیں بے تحاشا پیار تھا، آج انہوں نے خود اس کے لئے اپنے ہاتھوں سے اس کی پسند کا مٹن پلاؤ اور روسٹ تجی تیار کی تھی، اس وقت وہ ملازماؤں سے اس کے کمرے کی سیٹنگ ٹھیک کروا رہی تھیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کہیں بھی کوئی کمی رہے کیوں کہ وہ کون سا روز روز آتا تھا؟ کبھی کبھار تو اس کا دل چاہتا تھا آنے کو۔

جب اس کی پجارو نے ''قصر گل'' کا مرکزی گیٹ پار کیا تو افشاں ملک کا سیروں خون بڑھ گیا تھا، گاڑی رکی اور پھر دروازہ کھول کر وہ باہر آ گیا، زوریز ملک نے بڑھ کر اسے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

''کیسا ہے میرا شہزادہ؟''

''میں ٹھیک ہوں بابا! آپ کیسے ہیں؟'' اس نے بھی ان کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا حلقہ بنا لیا۔

''ویسا ہی ہوں جیسا ایک باپ اپنے اکلوتے بیٹے کی جدائی میں ہو سکتا ہے۔'' ان کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔

زرشام طویل سانس لیتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا، پھر گل افشاں ملک آگے بڑھیں تو وہ ان کے ملنے لگا، گل رعنا نے صرف دور سے ہی سر جھکا کر سلام کیا تھا وہ بھی سرسری سا اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے گل رعنا کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں نظر آ رہی تھیں کھانے کی میز پہ وہ سب آپس میں محو گفتگو تھے جبکہ وہ بالکل خاموش تھی، افشاں ملک خوش دلی سے ڈشز اٹھا اٹھا کر زرشام کے سامنے رکھ رہی تھیں، جواباً وہ دھیما سا مسکراتے ہوئے سب میں سے تھوڑا تھوڑا چکھ رہا تھا جس پر افشاں خاصی تنقید کر رہی تھیں کہ وہ ذرا بھی خوش خوراک نہیں رہا، گل بڑی سرد نظروں سے لاڈ کے یہ مظاہرے دیکھ رہی تھی، اس کے ہاتھ سست روی سے پلیٹ میں چمچ چلانے میں مصروف تھے، پھر اس نے یہ اکتا دینے والا مرحلہ چھوڑا اور کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اماں جان! میں جاؤں۔'' اس نے بڑے دھیمے لب و لہجے میں پوچھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ زرشام اسے نوٹس کرے۔

افشاں نے بنا اس کی طرف دیکھے صرف سر ہلا کر جانے کا اشارہ کر دیا، اس کا رنگ بدل گیا، وہ لب بھینچے تیز تیز قدم اٹھاتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

کھانے کے بعد اب زوریز ملک اس کے ساتھ بیٹھے شکار کا پروگرام بنا رہے تھے جبکہ وہ ہمیشہ ہی اس قسم کے تشدد پسندانہ وحشیانہ مشاغل سے دور رہتا تھا جبھی اس نے صاف طور پر جانے سے نہ کر دی تھی، ویسے بھی افشاں ملک نے اسے یہاں ایک انتہائی ضروری کام سے بلایا تھا اور کام یہ تھا کہ گل رعنا کے لئے خاندان کے دو تین گھروں سے شادی کا پیغام آیا تھا، وہ چاہتی تھیں

کہ وہ باپ کے ساتھ مل کر کوئی ایک گھرانہ دیکھ بھال کر منتخب کر لے، کچھ دیر اسے منانے کے بعد زوریز نے ہار مان کر موضوع گفتگو بدل دیا، اب افشاں ملک کی عین خواہش کے مطابق یہ باتیں کرتے تھے اور اسے بتا بھی رہے تھے کہ ان کے ساتھ مل کر بہن کی بات تو فائنل کرے گا ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنا بھی کچھ سوچے، جواباً وہ دھیمے جاندار انداز میں مسکرایا تھا۔

''آپ جانتے ہیں بابا! شادی میری زندگی میں سب سے آخر میں ہے۔'' وہ اس کی عجیب سی بات سن کر حیران رہ گئے۔

''یہ کیا بات ہوئی زرشام! کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''کچھ نہیں بس یہ کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا بابا جان! میں شادی ضرور کروں گا اور آپ کی مرضی کی ہی کروں گا مگر ابھی نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''مگر بیٹا! یہی تو عمر ہوتی ہے شادی کی۔'' افشاں اپنی حیرانی نما پریشانی چھپا نہیں سکی تھیں، وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

''ارے نہیں اماں جان! شادی کسی بھی عمر میں ہو سکتی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! ہونے کو تو سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم شادی بھی پچاس سال کے ہو کر کرنے کا سوچو۔'' انہوں نے قدرے خفگی سے کہا۔

''ارے بیگم! کمال کرتی ہیں، کون ہونے دے گا اسے پچاس سال کا؟ کوئی اچھی سی لڑکی دیکھیں اس کے لئے اور بات کریں۔'' زوریز ملک نے شد و مد سے اپنی تجویز دی تھی۔

''پلیز، بابا جان! شادی میری Aims کی لسٹ میں سب سے آخر میں ہے اور یقین رکھیں کہ جب بھی میرا موڈ ہوا آپ کو سب سے پہلے انفارم کر دوں گا۔'' وہ اکتا سا گیا تھا مسلسل خود کو موضوع گفتگو بنا دیکھ کر، اس کا موڈ دیکھ کر زوریز و ملک نے بات بدل دی۔

مگر وہاں بیٹھا کوئی بھی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ تقدیر ''انہونی'' کا دوسرا نام ہے اور بندوں کی سوچیں ان کے ارادے اپنے حساب کتاب سے ہوتے تھے جبکہ رب عظیم اس پابندی سے مبرا ہے، وہ جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے، وہ تین نفوس ''قصر گل'' کی طرف بڑھتی ہوئی تباہی سے بے خبر تھے۔

☆☆☆

اس نے اپنی خاص ملازمہ کے ہاتھ تائب چوہدری کو پیغام بھجوایا تھا کہ وہ اسے ملنا چاہتی ہے اور اسی شام وہ بڑی راز داری سے اپنے مخصوص مقام پر موجود تھی، آج وہ جھولے پہ بیٹھنے کی بجائے کھڑی تھی، موسم بھی سردی کی شدت بتدریج بڑھتی جا رہی تھی اس وقت بھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دھند اور کہرا آسمان سے برس رہا تھا، تائب بہت خاموش اور وہ بھی، ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی تائب!'' کچھ دیر بعد وہ بڑی گہری اور فیصلہ کن آواز میں بولی تھی۔

''ہاں..... کہو..... کیا سوچا تم نے؟'' تائب کا لہجہ بھی سوالیہ تھا، وہ کچھ دیر خاموش رہی جیسے الفاظ جمع کر رہی ہو۔

''بابا سائیں اور لالہ میری بات طے کرنے والے ہیں۔'' اس نے بمشکل لفظ جوڑے تھے، دھماکہ اتنا شدید تھا کہ وہ ہل کر رہ گیا۔

''یہ اگر مذاق ہے تو بہت گھٹیا ہے گل؟'' اس نے طیش میں آتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ حقیقت ہے۔" وہ چبا چبا کر بولی، تائب گنگ سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

"میری بات سنو گل!" اس نے جارح انداز سے اس کے بازو کو جھٹکا دیا تھا۔

"تائب! بدتمیزی مت کرو۔" گل رعنا نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑوایا تھا۔

"میں تمہیں یہ نہیں کرنے دوں گا۔" وہ چلایا تھا۔

"میں کچھ نہیں کرسکوں گی، تمہیں کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"تو پھر میری بات مان لو گل۔"

"نہیں تائب!..... میں..... یہ راستہ..... نہیں..... یہ صرف ذلت ہے۔" وہ ہکلا گئی تھی اور کمزور پڑ گئی تھی۔

"میں تمہیں بھگا نہیں رہا گل! میں تمہیں اپنے گھر لے کر جاؤں گا، میرا گھر، جس کا میں وارث ہوں "لال حویلی" کا اکلوتا وارث۔" اس نے ایقان کی ڈور گل کے ہاتھوں میں تھما دی، وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم سچ کہہ رہے ہو تائب!"

"بالکل سچ۔"

"تم میرے ساتھ..... دھوکہ....." وہ رک گئی، تائب نے اس کی بات قطع کردی۔

"قطعاً نہیں، سوچنا بھی مت، میں تم سے پیار کرتا ہوں گل رعنا! اور یہ محبت نا، زندگی میں بس ایک ہی بار ہوئی ہے کسی خاص سے، میرے لئے وہ تم ہو، میں تمہیں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔" گل نے اس کے الفاظ سے پھوٹتی سچائی کو پوری طرح محسوس کیا تھا، وہ جیسے کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں آتی جارہی تھی۔

"تم مجھے چھوڑو گے تو نہیں۔" وہ شکوک میں مبتلا سی بولی تھی۔

"تائب چوہدری مرد ہے گل اور یہ ایک مر کی زبان ہے جس سے پھرنے سے بہتر میں م جانا پسند کروں گا۔" اس نے شدت پسندی کی انتہ کردی تھی۔

"تائب!..... میں....." آنسو اس کی آواز پہ غالب آگئے۔

فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا، ایک طرف اکیس سال تک پھولوں کی مانند رکھنے والے والدین تھے اور دوسری طرف آئندہ آنے والے سال گلستان بنا دینے کا دعوے دار، وہ جیسے کسی دوراہے پہ کھڑی تھی، چند لمحے گزر گئے، پھر اس نے سوچا۔

"خوش قسمتی دروازے پہ ایک ہی بار دستک دیتی ہے اور ہم اس کی دستک کو نظر انداز کر دیتے اور پھر ساری زندگی پچھتاتے ہیں۔" اس نے اپنے دروازے پہ دی جانے والی دستک کو نظر انداز نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ پچھتانا نہیں چاہتی تھی، اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنا ہاتھ تائب کے ہاتھ میں تھما دیا۔

☆☆☆

زمین پہ آگ تھی تارے لہو میں لتھڑے تھے ہوا کے ہاتھ میں خنجر تھا اور پھولوں کی پھٹی پھٹی ہوئی آنکھوں میں ایک دہشت تھی ارادے ٹوٹتے جاتے تھے اور امید یر حصار دشت میں بکھری تھیں اس طرح جیسے نشان بھٹکے ہوئے قافلوں کے رہ جائیں

اس کے لئے بھی زمین "سرد جہنم" بن رہ تھی اور اس کی خوفزدہ نگاہیں ایک موہوم اور در ناک انتظار میں اس چہرے کو تکتی تھیں جیسے کوئی معصوم ہرن کسی جال سے بچنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہو، وہ یہ تو چاہتی ہی تھی کہ اسے جلد از جلد ہوش آجائے، ایک بار اسے دیکھے پھر چاہے

بھی ہو، جو سزا وہ اسے دے گا وہ قبول کرلے گی، بلکہ اس نے تو یہ تک سوچ لیا کہ وہ اسے کہے گی کہ:۔

"خدا کے لئے مجھے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالو مگر آنکھیں تو کھولو، مجھ سے بات تو کرو، خواہ برا بھلا ہی کہو۔"

مگر وہ تو جیسے سارے عالم سے بے خبر تھا، کب سے بیٹھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے تھی اس کے نیم وا لبوں پہ کتنی ہی دعائیں مچل رہی تھیں جو عرش بریں سے مقبولیت چاہتی تھیں اور بے بسی اور کچھ نہ کرسکنے کا احساس اسے رلائے دے رہا تھا۔

ڈاکٹر دانش کا بلاوا آیا تو وہ سسٹر کے ساتھ چل دی اور اب وہ ان کے آفس میں ان کے سامنے بیٹھی منتظر تھی کہ وہ کچھ کہیں۔

"آپ نے بلایا تھا انکل!" اس نے انہیں یاد دلایا۔

"ہاں۔" انہوں نے طویل سانس لے کر اسے دیکھا۔

وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی، وہ اس کے آگے کو جھک آئے، ٹیبل پہ کہنیاں ٹکاتے ہوئے جو انہوں نے کہا وہ از حد حیران کن بلکہ کسی حد تک پریشان کن بھی تھا، وہ اس کے ساتھ کچھ بلانا چاہتے تھے، اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلا دیا۔

"آئم سوری انکل! مگر میں کبھی بھی آپ کی بات نہیں مان سکتی اور ان کی اجازت کے بغیر تو میں کبھی نہیں۔" اس نے دوٹوک کہا۔

"مگر بیٹا! اس میں میرا مفاد کسی طور شامل نہیں بلکہ میں تو....." اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"میں جانتی ہوں انکل! مجھے آپ کے خلوص پر بالکل شبہ نہیں ہے مگر میں مجبور ہوں، انہیں ہوش کب تک آئے گا؟"

"ایک گھنٹے تک۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنا ہاتھ تائب کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ انہی سے پوچھ لیجئے گا، میں ذرا تب تک ان کو دیکھ آؤں۔" وہ اٹھ گئی، واپس اس کے کمرے کی طرف آتے ہوئے اس کی دھڑکن بڑھ رہی تھی اور قدموں میں لرزش سی آگئی تھی، دوبارہ اسی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا کہ کاش اسے اس کے الفاظ سنائی دے جائیں، وہ اس کے بیڈ پہ سر رکھ کے دھیرے دھیرے بڑبڑانے لگی۔

"میں نے اپنی ساری تصویروں کو آگ لگا دی ہے اور سارے آئینے تڑخا دیئے ہیں اور اپنی انا کو دل کے قبرستان میں دفنا دیا ہے جہاں سے وہ کبھی واپس نہ آسکے گی، تمہاری مسکراہٹ میں نے کھودی ہے اور میری حیثیت اس وقت جوئے باز کی سی ہے جس نے بازی کھیلی اور سب گنوا دیا لیکن نہیں، ٹھہرو ابھی بہت کچھ باقی ہے داؤ پر لگانے کے لئے، اب میں حاضر ہوں، ہاں..... وہی جو میں کہہ رہی ہوں، درست ہے، میں اپنا آپ داؤ پہ لگانا چاہتی ہوں، آؤ اور میری قیمت لگاؤ اور مجھے مصلوب کردو۔" آنسو حقیر کیچوؤں کی طرح اس کی آنکھوں سے رینگتے رہے اور ماتم جاں جاری رہا۔

☆☆☆

ایک سرد دوپہر نے "قصر گل" کا احاطہ کیا ہوا تھا، سورج نے آج صبح سے صورت نہیں دکھلائی تھی اور ہر چیز جیسے سردی کی شدت سے ٹھٹھری ہوئی تھی، زوریز ملک نے بیٹے کے ساتھ مل کر آخر کار ایک رشتے کو فائنل کر دیا تھا، آج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شام وہ ان کے گھر جا رہے تھے، رشتہ فائنل کرنے کے لئے، زرشام ماں کے کمرے میں آیا تو کافی دیر بیٹھا رہا، آج رات کو یوں بھی وہ واپس جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا کہ کچھ دیر رعنا کے پاس بیٹھ جائے پھر شاید جلد ملاقات نہ ہو سکے، وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا مگر یہ کیا؟ وہ تو تھی ہی نہیں، کمرہ خالی تھا، وہ واپس افشاں ملک کے کمرے کی طرف بڑھ آیا۔

''اماں جان! رعنا کدھر ہے؟''

''اپنے کمرے میں تھی۔'' وہ حیرانی سے گویا ہوئیں۔

''نہیں، وہاں نہیں ہے۔''

''اچھا..... آؤ میں دیکھتی ہوں، ادھر ہی ہو گی، اس نے کہاں جانا ہے بھلا؟'' وہ اس کے ساتھ چل پڑیں۔

بے بسی کبھی کبھی موت سے بھی زیادہ ظالم ہوتی ہے، موت کبھی کبھی اپنے ہونے پہ روتی بھی ہے، اعتماد کا نازک شیشہ، جب ٹوٹتا ہے تو باقی کچھ نہیں بچتا۔

''قصر گل'' کی لاڈلی بیٹی روایتوں اور عزتوں کو روندتے ہوئے پنجرہ توڑ کر جا چکی تھی، ایک ہولناک آتشزدگی ہوئی تھی، زوریز ملک کے وجود میں، جس نے انہیں جھلسا کر رکھ دیا تھا، وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ۔

''اس کو غائب کیا گیا تھا؟''

یا

''وہ غائب ہو گئی تھی؟''

پورے گاؤں میں خبر جنگل میں آگ کی مانند پھیل گئی تھی اور پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب زوریز ملک کے پرسنل نمبر پہ ایک فون آیا تھا جس نے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی تھی، لال حویلی سے آنے والی، یہ فون کا ''سلطان چوہدری'' کی تھی، گل رعنا اور تائ چوہدری کا نکاح ہو چکا تھا۔

☆☆☆

''تائب چوہدری'' اسے لے کر سی ''لال حویلی'' گیا تھا جہاں گل کو اس کے سا دیکھ سلطان چوہدری پہلے تو گنگ رہ گئے مگر بیٹے سے ایک طویل بحث کے بعد ان کے د نے ایک شیطانی منصوبہ تشکیل دینا شروع کر جبکہ اسے منصوبے سے تائب سلطان بے خبر تھ

انہوں نے فوراً کچھ احکامات جاری دیئے جن میں سرفہرست ''لال حویلی'' کی سجا اور ایک بھرپور جشن کی تیاری کا حکم تھا، وہ چاہتے تھے کہ کہیں بھی کوئی کمی رہے آخر تائ ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی، جبھی وہ حد زیادہ پرجوش تھے، دوسری طرف سلمٰی چ اپنے شریک حیات کی اس ''اوور ایکسائٹمنٹ کچھ کچھ سمجھ رہی تھیں، شاید وجہ یہ ہو کہ وہ ا فطرت کو جانتی تھیں۔

بھلا وہ زوریز ملک نیچا دکھانے اور کرنے کا یہ نادر موقع کیوں ہاتھ سے دیتے؟

''گل رعنا'' انہیں دلی طور پر پسند آئی ازکم وہ اس زرنیلا سے تو بہتر تھی جو صرف بڑھ ہی نہ تھی بلکہ بدتمیز و گستاخ بھی تھی، گھنٹے کے اندر ہی حویلی میں دیگیں کھڑ جانے لگیں، مہمانوں کو فوری طور پر سندیسہ بلا لیا گیا، ان کی بھانجی گل رعنا کو دلہن بنا مصروف ہو گئی، سلمٰی بیگم نے اس کے لئے سارے زیوارت نکال کر رکھ دیئے تھے۔

دوسری طرف تائب بھی باپ کی ا خوشی اور رضامندی پہ ازحد خوش تھی، اس

میں باپ کی قدر و اہمیت مزید بڑھ گئی تھی، حویلی کی تیاریاں دیکھ کر وہ ہکا بکا سا تھا اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں ہو گا؟ ایک شاندار جشن تھا، جس میں گل رعنا ہمیشہ کے لئے اس کی بنا دی گئی، تب سلطان چوہدری نے بھرے پنڈال میں سارے گاؤں کے سامنے یہ معمہ حل کیا کہ۔

''زوریز ملک کی گمشدہ بیٹی ہی میرے بیٹے تائب سلطان کی بیوی ہے اور مجھے فخر ہے کہ وہ تائب کے لئے اپنے باپ اور ''قصر گل'' کو ٹھوکر مار کر چلی آئی ہے اس خوشی میں، میں اپنی حویلی کا نام ''لال حویلی'' سے بدل کر ''گل کدہ'' رکھنے کا اعلان کرتا ہوں۔''

ہجوم پہ ایک سناٹا طاری تھا، پھر دبی دبی سرگوشیاں اٹھنے لگیں، اسی اثناء میں سلطان چوہدری فون کان سے لگاتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے، انہیں زوریز ملک کو یہ خوشخبری سنانا تھی اور انہوں نے ایسا ہی کیا، بڑے طنزیہ اور تحقیرانہ لہجے میں انہوں نے زوریز ملک کو سب کچھ بتا دیا اور پھر فون بند کرنے سے پہلے بڑے چبھتے ہوئے اور زہریلے لہجے میں کہا تھا انہوں نے۔

''بڑے افسوس کی بات ہے ملک! تم سے بیٹی بھی نہ سنبھالی گئی۔'' اس کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا۔

وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھے کہ خدائی میں بات کرنے سے کوئی خدا نہیں بن جاتا رب کریم فرماتا ہے۔

''غرور میری چادر ہے جس نے اسے کھینچا، میں اسے رسوا کر دوں گا۔'' وہ لاعلم تھے کہ جس وقت کو وہ زوریز ملک کی جھولی میں ڈال کر جشن منا رہے تھے ویسی ہی ذلت و تذلیل کا ایک طوق ان کے گلے میں پڑنے والا تھا۔

☆☆☆

ہم ایک راہ پہ چلتے تو کس طرح چلتے
تری زمین کسی اور ہی مدار میں تھی
میرا ستارہ کسی اور آسمان میں تھا
ہم ایک دوجے سے ملتے تو کس طرح ملتے
سمے کا تیز سمندر جو درمیان میں تھا

وہ اس کے ہوش میں آنے کی منتظر تھی، کب سے پلکیں بچھائے اس کی صورت تک رہی تھی، چاہتی تھی کہ وہ آنکھیں کھولے اور سب سے پہلے اسی کو دیکھے اور پھر اس سے منہ موڑ لے، پتا نہیں وہ اتنی اذیت پسند کیوں ہو رہی تھی؟ اس نے مضبوطی سے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

''شاید آخری بار۔'' اس نے نم آنکھوں سے سوچا۔

اس کے ہاتھ نے دھیمے سے حرکت کی تھی وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی اور اس پر جھک گئی، اس کی پلکیں لرز رہی تھیں پھر وہ کھل گئیں اور سب سے پہلے وہ نگاہ اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی۔

''زیمل!'' اس کے خشک ہونٹوں سے اس کا نام کسی صحیفے کی طرح ادا ہوا تھا، زیمل کے لبوں سے کراہ سی نکل گئی، وہ اس کا ہاتھ تھام کر ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔

''مجھے معاف کر دیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا ڈاکٹرز کا پینل اندر آ گیا۔

''انکل! پلیز مجھے بات کرنے دیں..... مجھے.....'' وہ مچلتی روتی ان سے کہہ رہی تھی مگر ڈاکٹر دانش نے نرمی سے اسے باہر کی طرف دھکیل دیا، وہ کوریڈور کی دیوار سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اب وہ مجھ سے کبھی بات نہیں کریں گے، مجھے ان سے معافی تو مانگ لینے دی ہوتی انکل!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ آپ نے کیا کیا؟'' وہ روتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

☆☆☆

''قصر گل'' میں جیسے موت کا سناٹا طاری تھا، گل افشاں ملک کو بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے، زرشام ان کی پٹی سے لگا بیٹھا تھا، جبکہ زوریز ملک تب سے مسلسل کمرہ بند تھے، گھر میں تقریباً سبھی رشتہ دار اکٹھا ہو چکے تھے، جن میں سر فہرست تبریز چچا تھے جو کہ بالآخر زوریز ملک کو منا لینے کے بعد خود بھی ان کے ساتھ بند کمرے میں خدا معلوم کون سی خاص گفتگو میں مصروف تھے۔

''یہ ناممکن ہے تبریز! کہ میں یہ بھول جاؤں۔'' وہ جیسے خون کے گھونٹ پی رہے تھے۔

''چوہدری وہاں پہنچے گا، کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جائے گا۔'' تبریز نے کہا۔

''یہ ذلت میری برداشت سے بہت بڑھ کے ہے، میں اس بات کو ایسے نہیں چھوڑوں گا۔'' ان کی آنکھوں میں انتقام کی سرخیاں اتر رہی تھیں۔

''تو پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟ گل رعنا کی واپسی کا مطالبہ کریں گے؟''

''میں تمہیں احمق نظر آتا ہوں؟'' وہ بھڑک اٹھے۔

''وہ اپنی مرضی سے گئی ہے وہاں، اب تو لازماً وہ اسے ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار کر چکے ہوں گے کہ وہ پنچائیت کے سامنے یہی ظاہر کرے کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے اور ویسے بھی اس کے واپس آنے سے کون سا یہ ذلت و تذلیل عزت میں بدل جائے گی، اس لئے میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔''

''کیا؟''

''میں ان سے کچھ اور مطالبہ کروں گا؟''

''کس چیز کا مطالبہ؟''

''بیٹی کے بدلے بیٹی۔'' ان کا لہجہ سفاک تھا۔

''لالہ! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' تبریز جیسے ہل کر رہ گئے۔

''میں پاگل ہو رہا ہوں تبریز! اور یاد رکھنا جو میرے راستے میں آیا، بچ نہیں سکے گا۔'' وہ جیسے حواسوں میں ہی نہ تھے۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس کی بیٹی بہت کم عمر ہے بلکہ شاید..... تیرا چودہ سال کی ہے۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''فرق پڑتا ہے لالہ! زرشام آپ کو بالکل نہیں کرنے دے گا یہ۔'' انہوں نے جیسے انہیں زرشام کی باغی اور ضدی فطرت یاد دلائی۔

''اسے ماننا پڑے گا تبریز! اگر وہ میرا بیٹا ہے تو اسے صرف یہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔''

''مگر لالہ! اگر اس نے اعتراض کیا تو؟''

''نہیں، میں اسے اعتراض کا موقع ہی نہیں دوں گا۔''

''پھر بھی.....''

''میں نے کہا نا تبریز! میں انتقام میں پاگل ہو چکا ہوں، میرے خون میں انتقام کی آگ ہے اور یہ پیاس اب بھی بجھے گی جب میں سلطان چوہدری کی بیٹی کو اپنے گھر لاؤں گا اور عبرت مثال بنا دوں گا۔'' وہ خون آشام لہجے میں بول رہے تھے اسی دوران انہیں فون آ گیا کہ پنچائیت بیٹھ چکی تھی، سلطان چوہدری بھی آ چکا تھا، انہوں نے تبریز کو ساتھ لیا اور خود بھی روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

''لال حویلی'' میں کہرام سا مچ گیا سلطان چوہدری کو بالکل امید تھی نہ توقع کہ زو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک اس معاملے کو پنچائیت تک لے جائیں گے، وہ سٹپٹا سے گئے تھے، مگر پھر اپنے طاقتور اور با رسوخ ہونے کا احساس ہوتے ہی انہوں نے نخوت و کروفر سے سر جھٹکا اور تائب کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔

کاروائی شروع ہو چکی تھی، دونوں پارٹیوں کے ساتھ ساتھ مسلح گارڈز بھی تھے تا کہ اگر متعلقہ فریق کسی غلط ارادے سے بھی آیا ہو تو ناگوار صورتحال سے بچا جا سکے۔

تائب چوہدری پہ الزام تھا کہ اس نے معصوم و کمسن گل رعنا کو ورغلایا تھا اور اسے مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ فرار ہو جائے، اس کے اس قدم نے "ملک خاندان" کی عزت و شان کا بت دھڑام سے نیچے گرا کر تڑخا دیا تھا، زوریز ملک نے اس قدر واویلا مچایا تھا اور اتنا تماشا لگایا کہ پنچائیت ان سے یہ پوچھنے پہ مجبور ہو گئی کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ جس کے جواب میں ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ ان کی توہین ہوئی ہے اس لئے ان کی عزت بحال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی سلطان چوہدری کی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیں اب خدا معلوم یہ وٹہ سٹہ تھا، یا ونی کی منحوس کالی رسم۔

سلطان چوہدری صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گئے تھے، اس بات کا تو انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ معاملات یہ رخ اختیار کر جائیں گے۔

"ہرگز نہیں، میری بیٹی بہت چھوٹی ہے۔" وہ تڑپ کر کھڑے ہوئے۔

"ذرا سانس لیجئے چوہدری صاحب! آج آپ پنچائیت کے رکن کی حیثیت سے نہیں بلکہ مدعی کی حیثیت سے آئے ہیں۔" ایک اعلیٰ عہدے دار نے انہیں ٹوکا۔

وہ ہونٹ چباتے ہوئے بیٹھ گئے، تائب بھی اب مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"ایسے بہت سے معاملات اسی طریقے سے حل کئے گئے ہیں، مجھے آپ سے انصاف چاہیے سائیں! ایسا نہ ہو کہ آپ کا یک طرفہ فیصلہ گاؤں کے مکینوں کو یہ سوچنے پہ مجبور کر دے کہ یہاں طرف طاقتور کا ساتھ دیا جاتا ہے۔" زوریز ملک کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔

سلطان چوہدری نے پھر کچھ بولنا چاہا مگر سرپنچ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا اور پھر سرگوشیوں میں بحث و تمحیص ہونے لگی۔

اور پھر کچھ دیر بعد وہ فیصلہ سنا دیا گیا جس کی خواہش زوریز ملک نے کی تھی ایک اعلیٰ عہدے دار نے کیا گیا فیصلہ بلند آواز میں سنایا تھا۔

"اس پنچائیت نے دونوں فریقین کا بیان لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ زوریز ملک مظلوم ہیں ان کی عزت نیلام ہوئی اور سارے گاؤں میں ان کا تماشا بن گیا، اس لئے ایسے معزز و معتبر شخص کی عزت بحال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سلطان چوہدری کی بیٹی ونی کر دی جائے اور اس کا نکاح زرشام ملک سے کر دیا جائے، یہ پنچائیت کا حکم ہے اور اس میں ذرا سی بھی تاخیر برداشت نہیں کی جائے گی، ہمارا کام مظلوموں کی دادرسی کرنا ہے اگر کسی کو اعتراض ہے تو وہ ابھی بول سکتا ہے۔" زوریز ملک کے چہرے پہ جیت کی خوشی تھی انہوں نے سلطان چوہدری کو دیکھا تو ان کی آنکھیں پکار رہی تھیں کہ۔

"تم نے دیکھا چوہدری! اسے کہتے ہیں انتقام۔" پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں اپنے بیٹے کی بارات لے کر کب آؤں چوہدری؟" ان کا لہجہ سرد اور چبھتا ہوا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں، نکاح یہیں ہو گا، تائب! جاؤ زیمل کو لے آؤ۔" سلطان چوہدری کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طنطنہ قدرے دھیما پڑ گیا تھا۔

تائب تاریک چہرے کے ساتھ باہر نکل گیا، وہ طوفانی انداز میں گاڑی چلاتا ہوا "لال حویلی" میں داخل ہوا تھا، حویلی میں تاحال جشن جاری تھا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

پتا نہیں آج کا دن اپنے جلو میں کیا کیا لئے ہوئے تھا؟

گل رعنا ہال کمرے میں سب لڑکیوں و عورتوں و بچوں میں گھری بیٹھی تھی اور اس کے بالکل ساتھ زیمل بیٹھی تھی، تائب کو لگا اس کا دل پھٹ گیا ہو، وہ تیزی سے گل کی طرف آیا اور قدرے جھک کر بولا۔

"اندر آؤ مجھے تم سے بات کرنا ہے۔" سب لوگ حیران رہ گئے، ہجوم سے حیرانی نما آوازیں اٹھیں مگر وہ کسی کی طرف دیکھے بنا اس کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، گل حیران سی رہ گئی، کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"کیا بات ہے تائب؟"

"میری بات کا مختصر سا جواب دینا گل، زرشام ملک کیسا آدمی ہے؟"

"بہت اچھے۔"

"لاہور میں کیا کرتا ہے؟"

"ماسٹرز کے بعد ایم فل کر رہے ہیں۔"

"مزاجاً کیسا ہے؟"

"کم گو اور بہت نرم مزاج۔"

"یہ خون بہا، ونی، کاروکاری اور وٹہ سٹہ وغیرہ کی رسموں کے بارے میں کیا خیالات ہیں اس کے؟"

"بہت سخت خلاف ہیں، جب بھی گاؤں میں کوئی ایسا مسئلہ ہوتا ہے تو وہ بابا سے بہت جھگڑتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اسی وجہ سے وہ زیادہ گاؤں آنا پسند نہیں کرتے۔"

"کہیں انگیج منٹ وغیرہ؟"

"نہیں۔"

"انوالومنٹ؟"

"جہاں تک مجھے علم ہے، وہ کہیں بھی انوالو نہیں ہیں، وہ ہمیشہ بابا کو یہی کہتے ہیں کہ وہ ان کی پسند سے شادی کریں گی۔"

"اب سنو! تمہارے باپ نے پنچائیت بٹھائی ہے اور....." وہ آہستہ آہستہ ساری تفصیل بتاتا چلا گیا۔

گل رعنا کا رنگ زرد پڑ گیا تھا وہ بری طرح لرزنے لگی اسے بھی بابا سے قطعاً اس اقدام کی توقع نہیں تھی، تائب نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے اسے بیڈ پہ بٹھا دیا۔

"میں جا رہا ہوں زیمل کو لے کر، جب تک میں واپس نہ آؤں تم کمرے سے باہر مت آنا۔" اس نے تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھاما اور اسے تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔

دوسری طرف زوریز ملک فون پر زرشام سے جھگڑ رہے تھے وہ اسے قریب قریب ہر طرح سے دھمکا چکے تھے مگر وہ بھی ہٹ کا پکا تھا مان کر نہ دیا، مجبوراً انہیں ترپ کا آخری پتا استعمال کرنا پڑا تھا، انہوں نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اس نکاح کے لئے رضامند نہ ہوا تو وہ گل افشاں کو طلاق دے دیں گے اور بڑا ذہین و ضدی سا زرشام اس پوائنٹ پہ آ کے ہار مان گیا تھا۔

اور پھر وہ سب ہو گیا، دن کا سورج ڈھلتے ڈھلتے دو زندگیوں کو تاریک کر گیا تھا، نکاح نامے پہ سائن کرتے ہوئے اسے ہنسی آ رہی تھی۔

کیا تھا وہ؟

ان رسموں کے خلاف تھا، ان سے نفرت کرتا تھا

ہمیشہ باپ سے ان کی وجہ سے جھگڑتا تھا

اور آج!!!

خود انہی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا

ان دروازوں کا کیا کروں؟

جن کے پیچھے

رشتوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے خواب

اور تعلق داریوں میں الجھا ہوا احساس

اور وفاداریوں میں محصور تمنائیں

چیخنا چاہتی ہیں

اور ان دروازوں کا کیا کروں

جن کے پیچھے دھڑ دھڑاتے ہوئے سینوں میں

وحشتیں چن دی گئی ہیں

آرزوؤں کی کھیتیاں بو کے

گھٹن کے سپرد کر دی گئی ہیں

تائب کی کوشش تھی کہ وہ کم از کم ایک بار زرشام سے بات ضرور کرے، اس سے ملے تاکہ اسے تسلی ہو سکے مگر اس کی خواہش پوری نہ ہو سکی، زرشام نکاح کے فوراً بعد واپس "قصر گل" روانہ ہو گیا تھا۔

اس بات کا تائب کو دلی افسوس ہوا تھا، وہ بہرحال خود کو ہی قصوروار گردان رہا تھا، اس نے گل رعنا کو غلط راستے سے اپنانے کی بجائے، سیدھی طرح اپنے والدین کے سامنے اپنا معاملہ رکھ دیا ہوتا اور یا پھر انہیں مجبور کیا ہوتا کہ وہ اس کا رشتہ لے کر "قصر گل" جائیں تو حالات یقیناً مختلف ہوتے مگر افسوس، اس کے اٹھائے ایک غلط قدم نے چار لوگوں کی زندگیوں کا رخ بدل دیا تھا، پتا نہیں اب کیا ہونے والا تھا؟

☆☆☆

"زرشام ملک" جب سے آیا تھا، مسلسل کمرہ بند تھا، وہ تو قسمت کے اس مذاق پہ بس حیران سا تھا کہ آخر یہ اس کے ساتھ ہو کیا گیا تھا؟

اب پتا نہیں وہ لڑکی کیسی تھی جو خوامخواہ اس بھیانک رسم کی بھینٹ چڑھ گئی، بہت دیر تک وہ جاگتا رہا اور سوچتا رہا پھر اس نے اپنا بیگ کھولا اور پیکنگ کرنے لگا، سامان تھا ہی کتنا، دو منٹ میں سمٹ گیا، اسی اثناء میں دروازے پہ دستک ہوئی۔

"یس۔" اس نے کہا۔

دروازہ بڑے ڈرے سہمے اور جھجکے ہوئے انداز میں کھولا گیا تھا، زرشام کی نظر آنے والے پہ جم گئی۔

یہ چہرہ اس کے لئے بالکل نیا تھا، وہ قریباً چودہ پندرہ سال کی ایک معصوم و نوخیز لڑکی تھی جس نے بدرنگ کپڑے پہن رکھے تھے، جس کی پھٹی اوڑھنی سے اس کے سنہرے بال جھانک رہے تھے اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

"کون ہو تم؟" وہ خاصا چونک کر بولا تھا، جس کے جواب میں اس نے اپنی ہراساں آنکھیں اٹھا کر بے حد شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا، وہ حیران سا رہ گیا، لڑکی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور آنکھیں کیا تھیں؟ میرے خدا! جیسے دو ننھے ننھے چمکتے سنہرے کانچ، اس نے سسکی سی لی تھی۔

"میں..... آپ کی..... ملازمہ۔" وہ بدستور ٹرے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے تھی، اس نے جیسے رٹے رٹائے الفاظ بولے۔

"اوہ..... اچھا..... تو تم رو کیوں رہی ہو؟"

"انہوں نے مارا ہے۔" وہ اب آنسوؤں کے ساتھ رو رہی تھی، ٹرے اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا، زرشام نے ٹرے اس کے ہاتھوں سے لے لیا اور اسی اثناء میں اس کی نظر اس کی دائیں کلائی پہ پڑی جس میں موٹا سا سلور کا کڑا تھا، جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بات کی دلیل تھا کہ وہ کسی نیچ ذات سے تعلق رکھتی تھی (وہاں یہ کڑا اس بات کی نشانی تھی)۔

''کس نے مارا ہے؟'' زرشام نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے پوچھا، اسے فی الوقت اپنے سوا کسی سے بھی ہمدردی نہیں ہو رہی تھی۔

''بڑے ملک جی نے۔'' وہ بدستور رو رہی تھی۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' اس نے پہلا گھونٹ لے کر پوچھا۔

''ز.....زیمل۔'' وہ ہکلا سی گئی تھی۔

زرشام پہ جیسے کمرے کی چھت آ پڑی، گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا اور پانی کارپٹ پہ بہہ گیا۔

''تم زیمل ہو؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

جواباً وہ اسی طرح روتی رہی اور اس نے سارا ماجرہ کہہ سنایا، جب اسے تبریز چچا اپنی گاڑی میں ڈال کر لے کر آئے تھے تو ''قصر گل'' میں پہنچتے ہی زوریز ملک نے اسے بے اختیار پیٹنا شروع کر دیا اگر فیملی کے دوسرے لوگ درمیان میں نہ آتے تو شاید وہ اسے مار ہی ڈالتے، پھر اسے ملازماؤں کے سپرد کر دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ اسے بھی ملازماؤں والا درجہ دیں، اسے گھٹیا اور گھسے ہوئے کپڑے پہننے کو کہا گیا اور ستم بالائے ستم کہ اسے وہ سلور کا کڑا پہنا دیا گیا تاکہ وہ بھی مکمل طور پر ملازماؤں و نوکرانیوں کے قبیلے کی لگے، زرشام کو لگ رہا تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ زیمل اتنی سی لڑکی ہو گی یا شاید بچی کہنا مناسب ہوتا، ظلم کی انتہا تھی، کھولتے دماغ اور جلتی آنکھوں سے وہ کسی بگولے کی طرح چکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

اور پھر قصر گل کی در و دیوار نے دیکھا کہ وہ زرشام ملک جو کبھی باپ کے سامنے بلند آواز سے بولتا نہ تھا، ''قصر گل'' اس کی چنگھاڑوں سے گونج رہا تھا، اس نے زوریز ملک سے اتنا جھگڑا کیا کہ حد نہیں، اس نے ان سے کہا کہ وہ سب کچھ جانتے تھے اور جانتے بوجھتے ہوئے انہوں نے زرشام کو قربانی کا بکرا بنا لیا صرف اپنی انتقام کی آگ بجھانے کے لئے وہ اس حد تک گر گئے کہ ایک بچی کے ساتھ اس کا نکاح کروا دیا، اس نے ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔

وہ بلند آواز میں دھاڑ رہا تھا اور پورا مردان خانہ گونج رہا تھا، اس نے صاف طور پر الزام لگایا کہ انہوں نے یہ سب جانتے بوجھتے کیا ہے، مستزاد جو سلوک زیمل کو یہاں لانے کے بعد کیا گیا تھا ذلالت کی انتہا تھی، مگر زوریز ملک کو جیسے بیٹی کھونے کے بعد کوئی پرواہ ہی نہ تھی بیٹے کی، ان کا ایک ہی جواب تھا۔

''وہ دشمن کی بیٹی ہے۔''

زرشام جانتا تھا کہ وہ کس قدر کٹر سوچوں کے مالک لوگ تھے، پرانے عقیدے، خیالات و دشمنیاں ان کے لئے زندگی و موت کا مسئلہ تھیں مگر اس نے کبھی اپنے باپ کو ایسا نہ سمجھا تھا، وہ اس وقت اس کے چیخنے چلانے کا کوئی نوٹس ہی نہ لے رہے تھے، آخر تھک کر وہ بولا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے بابا! میں اسے اس طرح اس حالت میں، آپ کے رحم و کرم پہ چھوڑ دوں گا؟ ناممکن..... میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' شدت جذبات سے اس کا رنگ دہک رہا تھا اور آنکھوں سے گویا خون ٹپک رہا تھا، لہجے میں سرکشی تھی۔

''تم اسے کہیں نہیں لے جا سکتے۔'' وہ حکمیہ لہجے میں بولے تھے۔

''آپ بھول رہے ہیں ابھی دو گھنٹے پہلے

آپ نے ہی اس کا نکاح میرے ساتھ کروایا ہے، اس لحاظ سے وہ میری بیوی ہے اس لئے میں اسے جہاں چاہوں لے جا سکتا ہوں۔'' وہ غرا کے بولا تھا۔

''تو پھر میری بات یاد رکھنا، اگر تم اسے اپنے ساتھ لے کر گئے تو دوبارہ اس دہلیز پہ، میرے گھر کے دروازے پہ مت آنا، سمجھ لینا باپ مر گیا تمہارا۔'' وہ جیسے خون آشام لہجے میں بول رہے تھے۔

زرشام کے پیروں کے نیچے سے زمین سرک گئی وہ کھڑے قد سے لڑکھڑا سا گیا۔

''ٹھیک ہے بابا جان! جیسے آپ کا فیصلہ۔'' اس کی آنکھوں میں ریت سی چبھ رہی تھی وہ آندھی وطوفان کی مانند باہر نکل گیا۔

رات کی تاریکی نے ایک عجب منظر دیکھا ''قصر گل'' کے اکلوتے وارث نے ایک لفظ کہے بنا، زیمل کا ہاتھ تھاما اور گیٹ پار کر گیا، گل افشاں ملک لہرا کے زمین پہ آ گری تھیں۔

دھند جیسے مامی فضا کو آغوش میں لئے کسی ماں کی طرح تھپک رہی تھی، درخت ہولے ہولے لرز رہے تھے اور سنسان خاموش کھڑے کھیتوں میں جیسے آنسوؤں کے ڈھیر تھے جو دھیرے دھیرے کھالیوں میں سے رستہ بناتے بہتے جاتے تھے۔

ذرا تم صبح ہونے دو
کہ سورج کو تو آنے دو
پرندوں کو تو اڑنے دو
ذرا تو صبح ہونے دو
ابھی تو آسمان کا رنگ نکھرے گا
ابھی خوشبو بھی بکھرے گی
ابھی موسم بھی بدلے گا
ابھی تو چاند ڈوبے گا
ابھی منظر بدلنے میں
ذرا سی دیر باقی ہے
ابھی دل کے سنبھلنے میں
ذرا سی دیر باقی ہے

☆☆☆

کمرے میں ایک دھند بھری کہر آلود خاموشی تھی، حالانکہ دو نفوس موجود تھے مگر وہ دونوں ہی اس وقت بات کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے، ''گل رعنا'' اس وقت بھی دلہن کے لباس میں تھی اور بیڈ پر نڈھال سی بیٹھی تھی، پریشانی اور خوف نے اس کا برا حال کر رکھا تھا، پتا نہیں آنے والا وقت کیسا تھا؟ اسے تو فی الوقت ہر چیز دھند میں لپٹی نظر آ رہی تھی حتیٰ کہ وہ تمام خواب بھی جو اس نے تائب کے حوالے سے دیکھے تھے اور جن کو پورا کرنے کے لئے وہ ہر رکاوٹ پار کر کے یہاں تک چلی آئی تھی۔

دوسری طرف وہ بار بار لب کچل رہا تھا، کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگاتے وہ کسی بندھے ہوئے شیر کی طرح نظر آتا تھا، اس کی نظریں فون پہ مرتکز تھیں غالباً اسے کسی خاص فون کال کا انتظار تھا اور پھر کچھ دیر بعد فون جاگ اٹھا، اس نے پہلی بیل پہ ہی فون اٹھا لیا، وہ صرف ہوں ہاں کرتا رہا، دوسری طرف سے بات سنتے ہوئے اس کا رنگ پہلے سرخ ہوا اور اب بتدریج زرد ہو رہا تھا پھر گل نے اسے لڑکھڑا کر بیڈ پہ بیٹھتے دیکھا یقیناً اس میں کھڑا ہونے کی ہمت ہی نہ رہی تھی، وہ اب لب بھینچے دوسری طرف سے بات سن رہا تھا اور پھر اس نے فون بند کر دیا، گل نے دیکھا اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

''کیا ہوا تائب! کس کا فون تھا؟'' اس نے پوچھا، وہ یوں چونک کر متوجہ ہوا جیسے پہلی بار اس کی موجودگی سے آگاہ ہوا ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"انہوں نے بہت مارا ہے زیمل کا۔" وہ دانت بھینچتے ہوئے خود پہ قابو کر رہا تھا ورنہ شاید رو دیتا۔

"کس نے؟" اس پہ جیسے آسمان ٹوٹا۔

"زوریز ملک نے اور اس کے بعد انہوں نے اس کے ہاتھ میں وہ چاندی کا کڑا پہنا دیا زبردستی اور اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اب "قصر گل" کی ملازمہ ہے انہوں نے اسے ملازماؤں جیسے کپڑے پہننے پر مجبور کیا اور اس کے بعد وہ جو لباس ادھر سے پہن کے گئی تھی اسے آگ دکھا دی، گل! میں کیا کروں؟ میری بہن!" وہ جیسے ہار سا گیا تھا، آنکھوں میں اذیت کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔

گل تو سنتے ہی رونے لگ گئی، بھلا اسے کب توقع تھی ان کے اتنے شدید ردعمل کی؟ مگر سچ ہے انتقام اور غصے میں پاگل انسان، انسانیت کی سطح سے بہت نیچے آ جاتا ہے، جیسے وہ آ گئے تھے، گل اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اسے یہ سب کیسے معلوم ہوا مگر اس سوال کا نہ موقع تھا اور نہ مطلب، یقیناً اس کے ذرائع ہوں گے، تائب اب دروازے کی سمت جا رہا تھا شاید سلطان چوہدری کو یہ سب بتانے، یہ خیال آتے ہی وہ لپک کر اس کی طرف بڑھی اور اس کی راہ میں حائل ہو گئی۔

"نہیں تائب! خدا کے لئے کسی کو کچھ مت بتانا، اس سے اور کچھ ہو نہ ہو، نفرت ضرور پڑے گی، اپنی اماں کا سوچو تائب! وہ کس قدر پریشان ہے اور ایسے میں اگر تم مزید انہیں پریشان کن خبریں سناؤ گے تو کیا ہو گا سوائے مزید خرابی کے؟" وہ التجائیہ انداز میں بولتی گئی۔

"تو کیا کروں؟ خاموش ہو کے بیٹھ جاؤں؟" وہ جیسے بے بس سا ہو گیا تھا۔

"نہیں مگر ہم انتظار تو کر سکتے ہیں نا! اچھے وقت کا۔" اسے خود بھی اپنے کمزور پوائنٹ کا احساس تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" تائب نے سر جھٹکا۔

"مگر پھر بھی..... اس طرح سب کو بتا کر کیا حاصل ہو گا؟"

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ آخر زرشام ملک نے کچھ....." اس کی بات ادھوری رہ گئی، اس کے فون کی بیل بج اٹھی، اس نے چونک کر فون پہ نظر دوڑائی اور پھر فوراً کال پک کر لی۔

"ہاں بولو۔"

"کیا؟" وہ بلند آواز سے بولا۔

"پھر کیا ہوا؟" اس کی آواز میں بے تابی تھی۔

گل نے دیکھا اس کے چہرے کی رنگت بتدریج لوٹنے لگی تھی لازماً کوئی حوصلہ افزا خبر تھی مگر کیا؟ وہ جلد از جلد جاننا چاہتی تھی، دس پندرہ منٹ فون سننے کے بعد اس نے کال بند کی اور گل رعنا کی طرف مڑا تو اس کا رنگ جوش سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"گل! میں بہت..... بہت خوش ہوں۔" اس نے خوشی سے کہتے ہوئے گل کو دونوں بازوؤں میں تھام کر گھما ڈالا۔

"کک..... کیا ہوا تائب؟ کوئی اچھی خبر ہے کیا؟"

"اچھی؟ بہت بہت اچھی خبر ہے، تمہیں پتا ہے "قصر گل" میں کیا ہوا ہے، زوریز ملک اور زرشام میں بہت سخت تلخ کلامی ہوئی ہے اس نے اپنے باپ پر بے تحاشا الزامات لگائے ہیں اور انہیں بتایا ہے کہ وہ یہ سب زیمل کے ساتھ قطعاً برداشت نہیں کرے گا، اصل میں تو اسے پتا ہی نہیں تھا کہ وہ اس کے نکاح کے لئے مصر کیوں

ہیں، اگر وہ انتقام ہی لینا چاہتے ہیں تو جائیں اور تائب اور گل رعنا کو گولیاں مار دیں مگر کم از کم یوں ایک معصوم بچی پر تشدد کر کے اپنا وقار و عزت تو مت گنوائیں، بس مختصراً یہ کہ ان کے بیچ سخت جھگڑا ہوا جس کے بعد وہ زیمل کو ساتھ لے گیا ہے شاید لاہور، تمہارا بھائی واقعی بہت اچھا ہے، اس نے ایک سچا مرد ہونے کا ثبوت دیا ہے گل رعنا۔" اس نے گل کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور بولتا جا رہا تھا۔

اور وہ تو وہاں تھی ہی کب؟ اس کا دل سجدہ شکر میں جھکا ہوا تھا اور آنکھیں نم اس کے لالہ نے اس کی عزت رکھ لی تھی ورنہ تھوڑی دیر پہلے اسے یہی لگ رہا تھا کہ زندگی اب یوں ہو گی کہ۔

محبت اندھیری رات بن کر آ جائے گی اک دن
یوں اپنے سب رشتوں سے تیری بغاوت اچھی نہیں

مگر اب تائب کی خوشی دیکھ کر تشکر کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ بے ساختہ ہنس پڑی، اسے ہنستا دیکھ کر تائب پہلے تو حیران ہوا پھر خود بھی ہنس دیا۔

☆☆☆

پھٹی ہوئی آنکھیں
فالج زدہ زبان
اور مفلوج بازوؤں کا یہ سفر
جو نہ جانے کتنی صدیوں سے مجھے طے کر رہا ہے
آخر یہ میری انتہا تک پہنچ کیوں نہیں جاتا؟
اور یہ آنسو! یہ سارے کے سارے آنسو!!
ایک ہی بار ایک ہی ساتھ بہہ کیوں نہیں جاتے؟

وہ لب بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا اور اس کے بالکل ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی زیمل کسی مجسمے کی مانند ساکن تھی، ایک ہی دن میں اس کے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا تھا کہ اس کا ناپختہ شعور قبول کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔

اس کے زخم زخم وجود سے جیسے ٹیس اٹھ رہی تھیں مگر خوف و دہشت کی وجہ سے اس قدر سہمی ہوئی تھی کہ سانس بھی آہستہ لے رہی تھی، اب تک کا سفر نہایت خاموشی سے کٹا تھا وہ بری طرح ڈرائیونگ میں غرق تھا اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اپنے ساتھ بیٹھے ذی نفس کو نہ دیکھا تھا۔

بلکہ شاید وہ خود اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس کی ذات سے یکسر بے گانہ ہو گیا تھا، پھر اس نے گاڑی کی اسپیڈ سلو کرنا شروع کر دی، وجہ غالباً یہی تھی کہ اب دیہی علاقہ ختم ہو رہا تھا اور ایک طرف بڑا سا نیلا بورڈ لگا ہوا تھا۔

"رفتار آہستہ آگے آبادی ہے۔"

اب شہر کی روشنیاں شروع ہو رہی تھی، حالانکہ وہ آج تک شہر نہ آئی تھی اور اسے بے حد شوق تھا کہ وہ شہر دیکھے مگر اس وقت سچوئیشن اس طرح کی تھی اس نے سر اٹھا کہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا تھا۔

پھر اس نے ایک بڑے سے شاپنگ مال کے آگے گاڑی روک دی، گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ اس کی طرف مڑا۔

"میں پندرہ منٹ تک واپس آ جاؤں گا، کچھ کام ہے، تم پریشان مت ہونا، گاڑی کے شیشے بلیک ہیں باہر سے اندر کا منظر دیکھا نہیں جا سکتا۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا اور گاڑی لاک کر گیا، وہ خوف کے عالم میں گھٹنے پیٹ میں دبائے زیر لب کچھ پڑھنے لگی، کچھ دیر بعد وہ واپس آ گیا، اس کے ہاتھ میں چند شاپر تھے، اس نے انہیں پچھلی سیٹ پہ پھینکا اور دروازہ بند کر کے اس کے برابر آ کے بیٹھ گیا۔

گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اس کی نظر زیمل پہ پڑی تو وہ چونک گیا۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" اس نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیمل اسی طرح بیٹھی رہی، سر گھٹنوں پہ دھرے، بازوؤں سیٹ کے اوپر دھرے ہوئے، اس کے اندر کچھ کلک ہوا تھا، اس نے بے ساختہ زیمل کا کندھا ہلایا اور وہ یکدم ڈھلک کر اس کی سمت آ گری، زرشام دھک سے رہ گیا، وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

''اوہ میرے خدا..... مجھے ایک اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' اس نے تاسف سے سوچا، گھر یہاں سے زیادہ فاصلے پہ نہ تھا، زرشام نے گاڑی فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی اور چند منٹ بعد ہی وہ ''ملک ہاؤس'' کے گیٹ پہ تھا، گاڑی اندر لے جا کے اس نے پورچ میں روکی اور تیزی سے اسے بازوؤں میں سمیٹے باہر آ گیا۔

''نوراں! میری گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ چند شاپر ہیں وہ لے کر آؤ۔'' اس نے ملازمہ کو حکم دیا اور خود تیزی سے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

اس کوٹھی میں دو میاں بیوی ملازم تھے جو گاؤں سے ہی آئے تھے، نوراں اور سعید نامی یہ جوڑا بے اولاد تھا، اس وقت نوراں تیزی سے اس کے حکم کی تعمیل کو دوڑ گئی، اس کی آنکھوں میں واضح تشویش تھی، پتا نہیں یہ لڑکی کون تھی؟ زرشام نے اسے بیڈ پہ لٹایا اور ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگا، تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آ گیا، تب تک نوراں وہ شاپنگ بیگز اس کے کمرے میں رکھ کر جا چکی تھی، اس کی آنکھیں کھلیں تو چند لمحے چھت پہ ساکت رہیں پھر آہستہ آہستہ پتلیاں اپنی آنکھوں میں حرکت کرنے لگیں۔

زرشام خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا، جیسے ہی اس نے زرشام کو دیکھا وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کی رنگت زرد پڑ گئی اور آنکھوں میں خوف سمٹ آیا، وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''اٹھو، کپڑے چینج کر لو۔'' اس نے ایک پیکٹ اس کے قریب رکھا اور خود اٹھ کھڑا ہوا، لہجہ بڑا عام سا تھا۔

''میں کھانا لگواتا ہوں، تب تک تم بھی منہ ہاتھ دھو لو۔'' وہ مڑنے لگا تھا جب اس کی آواز نے بڑھتے قدم روک دیئے۔

''پھر آپ بھی مجھے ماریں گے؟'' ڈری سہمی، لرزیدہ آواز، کسی چابک کی طرح اسے لگی تھی وہ بے ساختہ واپس مڑا اور اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

''نہیں، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں، چلو اب اٹھو۔'' اس نے کہتے ہوئے زیمل کا ہاتھ کھینچ کر اسے اٹھایا تھا، وہ خاموشی سے اٹھی اور اس کی ہدایات پہ عمل کرتی گئی، جب تک کھانا آیا تب تک وہ منہ ہاتھ دھو کر دوپٹہ اچھی طرح سر پہ لپیٹ کر صوفہ پہ بیٹھی ہوئی تھی، وہ اس کی کیفیت بہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا مگر فی الحال خاموش تھا، جس قسم کا Drastic change اس کی زندگی میں آیا تھا اس کو قبول کرنا بہت مشکل و کٹھن تھا۔

☆☆☆

''قصر گل'' پہ جیسے موت کی سی بربادی و تباہی چھا گئی تھی، یک بیک یہ گھر اپنے وارثوں کی چہچہاٹوں اور کھلکھلاہٹوں سے محروم ہو گیا تھا، یوں جیسے کوئی تیز آندھی چلی اور پل ہی پل میں سب خاک میں ملا کر غائب ہو گئی، گل افشاں بے حد بیمار تھیں، ان سے بیٹے کی جدائی اور بیٹی کی ذلت برداشت ہی نہ ہو رہی تھیں، وہ ہائی بی پی کی مریضہ بن چکی تھیں، گھر سے اور زوریز ملک سے بالکل لاتعلق، یوں ہو گئیں جیسے ان کے ہونے نہ ہونے سے کچھ فرق ہی نہ پڑتا ہو، آج کئی دنوں بعد زوریز ملک ان کے پاس آئے تھے۔

''کیوں خود کو ہلکان کرتی ہو؟ کہیں نہیں جا سکتا وہ؟ آ جائے گا؟'' ان کے دھیمے لہجے میں اپنے کیے کی کوئی شرمندگی نہ تھی، گل افشاں کو جیسے آگ لگ گئی۔

''کبھی واپس نہیں آئے گا وہ، بھول کیوں رہے ہیں؟ آپ ہی کا خون ہے وہ، آپ کی طرح ضدی اور ہٹ دھرم، وہ نہیں آئے گا۔'' وہ بلند آواز میں کہتی کہتی آخر میں رونے لگ گئیں۔

''آپ کو ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ آپ نے محض اپنا شملہ اونچا رکھنے کے لئے جو قدم اٹھایا ہے اس نے ہمیں اپنے اکلوتے بیٹے سے محروم کر دیا ہے، کیوں ہیں آپ اونچی ذاتوں والے، انا پرست لوگ، جو زمین پہ چلتے لوگوں کو حقیر کیڑوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔'' وہ ہذیانی انداز میں بول رہی تھیں، زوریز ملک انہیں کوئی بڑے سخت الفاظ کہنا چاہتے تھے مگر پھر ان کی بیماری کا خیال کر کے مجبور ہو گئے، وہ دوپٹہ منہ پہ رکھے رو رہی تھیں، وہ اٹھے اور اسی اکڑو شان سے چلتے کمرے سے باہر نکل گئے۔

شہر میں بستے حیوانوں سے ڈر لگتا ہے
مجھ کو ایسے انسانوں سے ڈر لگتا ہے
اونچی ذات کا ڈھونگ رچا کر ڈستے ہیں
اونچی ذات کے شیطانوں سے ڈر لگتا ہے

☆☆☆

اور پھر ایک ناسمجھ میں آنے والی زندگی شروع ہو گئی، زرشام نے اس پر اس قدر محنت کی تھی کہ کبھی کبھار وہ تھک جاتا تھا، پہلا پورا ماہ وہ بے حد بیمار رہی تھی، پہلے پہل تو وہ اس سے بھی بہت ڈرتی تھی اسے دیکھتے ہی چھپنے کو جگہ ڈھونڈنے لگتی، وہ اس سے بے حد نرمی سے پیش آتا اور اپنے بہتر رویے کی بنا پر جلد ہی اس نے اپنے اور زیمل کے درمیان ایک بہتر Mutual understanding ڈویلپ کر لی تھی۔

زرشام کے بالکل ساتھ والا کمرہ اس کا تھا مگر وہ اکثر راتوں کو ڈر جاتی اور پھر باقی کی پوری رات روتے اور جاگتے گزار دیتی، وہ صبح اس کی متورم و سرخ آنکھیں دیکھ کر حیران ہوتا، مگر ایک دن اسے پتا چل گیا، وہ اسٹڈی میں اپنے تھیسیس پہ کام کر رہا تھا، رات دیر تک کام کرنے کے بعد جب وہ بیڈ روم کی طرف بڑھا تو زیمل کے کمرے سے اٹھتی سسکیوں کی مدھم سی آواز کو اس کی قوت سماعت نے بڑی تیز سے کیچ کیا تھا، وہ فوراً دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اسے یوں بیڈ پہ لحاف میں سکڑے سمٹے روتا دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''کیا بات ہے زیمل؟'' وہ اس کے نزدیک آ گیا، اس کا رونا اب مدھم پڑ چکا تھا۔

''کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ۔'' اس نے زیمل کا چہرہ اوپر کیا اور کراہ کر رہ گیا اس نے کس طرح اپنے سنہرے کانچ کے نگینوں کا رو رو کر حشر کیا ہوا تھا۔

''مجھے اکیلے سونے کی عادت نہیں ہے، مجھے ڈر لگتا ہے۔'' وہ بدستور سہمی ہوئی تھی۔

''اپنے گھر میں کس کے پاس سوتی تھیں؟''

''اماں کے ساتھ۔'' وہ پھر سے رونے لگی شاید اب اماں یاد آ رہی تھیں۔

''اوہ..... آؤ اٹھو..... میرے ساتھ چلو۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اسے ساتھ لے گیا۔

اس دن کے بعد دونوں کا بیڈ روم ایک ہو گیا، وہ اس کے بیڈ پہ ہی سوتی تھی مگر اتنے کنارے سے لگ کر کے بہت بار اسے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ وہ نیچے ہی نہ گر جائے اور پھر ایک دن یہ خدشہ سچ ثابت ہو گیا، اس کا تھیسیس حتمی مراحل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تھا اس دن بھی وہ دیر تک کام کرتا رہا تھا، تھک ہار کے سوئے اسے ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی جب ایک زور دار دھڑم کی آواز نے اسے جگا دیا، وہ ہڑبڑا کر اٹھا، اِدھر اُدھر نظر دوڑائی پھر اس کا قہقہہ نکل گیا زیمل زمین پر گری پڑی تھی اور سائیڈ ٹیبل کا کونا لگنے سے اس کی پیشانی کی کھال ہلکی سی پھٹ گئی تھی، وہ اسے اٹھانے کے لئے آگے بڑھ گیا، اس کے ماتھے پہ بینڈ ایج چپکانے تک وہ خاموش رہا پھر اس نے زیمل کو اچھا خاصا ڈانٹا، وہ بے چاری خاموشی سے رونے لگی، جس پہ اسے مزید غصہ آ گیا۔

''اب اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ اتنے کنارے سے لگ کر سونے کی کیا وجہ ہے؟ مجھ سے ڈر لگتا ہو گا؟'' تیسرا فقرہ اس نے طنزاً کہا تھا۔

''آپ اس طرح بات نہ کریں۔'' وہ سوں سوں کرتی التجائیہ انداز میں بولی تھی۔

''کیوں؟''

''مجھے ڈر لگتا ہے۔'' اس نے بے مثال توجیح پیش کی تھی۔

زرشام کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گیا، اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے سے ایک فٹ کے فاصلے پہ لٹا دیا۔

''اگر تم یہاں سے ہلیں سرکی بھی نا، تو میں تمہیں بہت ماروں گا سمجھی؟'' اس نے سختی سے کہا اور خود بھی لیٹ گیا۔

اس کے بعد بھی اس کے رونے کا سلسلہ تو تھم گیا تھا مگر اب اسے اکثر ڈراؤنے خواب آیا کرتے تھے، راتوں کو ڈر کر اٹھ جایا کرتی، اسے پراعتماد بنانے کے لئے اس نے خود کو کتنا بدلا تھا، وہ کم گو تھا، مگر اسے بولنے پہ اکسانے کے لئے وہ کتنی کتنی دیر اس کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہتا، وہ اس کا خوف کم کرنا چاہتا تھا، وہ اسے نارمل زندگی کی طرف لانا چاہتا تھا، اس سلسلے میں وہ اس کے دو تین سائیکاٹرسٹس سے بھی سیشن کرواتا رہا تھا، اس پہ دو نفسیاتی طریقہ علاج استعمال کیے گئے تھے۔

1) کونسلنگ
2) تحلیل نفسی

دونوں سے اسے کافی فرق پڑا تھا مگر ان سائیکاٹسٹ کا کہنا تھا کہ زیمل نفسیاتی طور پر بے حد کمزور تھی جس کی وجہ سے اس میں منفی رجحانات و خیالات کو قابو کرنے کا سسٹم (With Drawl) ہو چکا تھا، یہ نفسیاتی اصلاح میں انسان کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں وہ مدافعت کھو دیتا ہے اور پس قدمی اختیار کر لیتا ہے، اگرچہ وہ مکمل طور پر ٹھیک ہو گئی تھی مگر اب بھی وہ وقتاً فوقتاً اسے لے کر جاتا رہتا تھا۔

''میاں بیوی'' کا خوبصورت رشتہ ان کے لئے عجیب پیچیدگی سے بھرا بھید تھا، جبھی وہ اس کا دوست بن گیا کہ اس میں زیادہ آسانی تھی، اس نے لاہور کے سب سے بہترین ادارے میں اس کا ایڈمیشن کروایا تھا۔

''اسے زیمل کو ایسا بنانا تھا جس پہ ساری دنیا فخر کرے۔'' وہ اسے خود پڑھاتا، یوں بھی اس کا ایم فل تو ہو چکا تھا اس کے پاس دو تین کالجز کی طرف سے بہت اچھے سیلری پیکج کے ساتھ جاب کی آفرز تھیں، مگر وہ مزید کسی بہتر کے لئے غور کر رہا تھا، جبھی ان آفرز پر سنجیدگی سے غور نہیں کر رہا تھا، زیمل کو اس نے 8th اسٹینڈرڈ میں ایڈمٹ کروایا تھا وہ اسے خود چھوڑ کے آتا اور خود لینے جاتا تھا۔

اسی دوران اس کو ایک یونیورسٹی میں جاب کی آفر آ گئی، انٹرویو اور ٹیسٹ کے بعد

Evalutio میں اسے بالکل پرفیکٹ قرار ے دیا گیا تھا یوں وہ پروفیسر زرشام ملک بن ا، ''قصر گل'' کی طرف سے کسی نے پیش رفت ی تھی، اسے کبھی کبھار حیرت ہوتی، وہ کتنا غیر م تھا ان کے لئے؟ ان کا اکلوتا وارث جس کی زشتہ چھ ماہ سے کسی نے خبر تک نہ لی تھی، مگر وہ ی تو آخر انہی کا بیٹا تھا کیسے ہار مان لیتا، وہ بھی صداً خاموش تھا اور اس کی خاموشی پکارتی تھی۔

☆☆☆

ے کہنا خوش فہمی میں مت رہے
کہ تم سے ہم کلام ہوں گے
م تو خود سے بھی خفا ہوں
صدیوں خاموش رہتے ہیں

زرشام کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا، ڈاکٹر دانش نے ہلکی پھلکی غذا کے ساتھ ساتھ معمولی سی بھی کشن لینے سے سختی سے منع کیا تھا، مگر وہ جانتی تھی کہ ہوسپٹل میں تو وہ اس بات پہ عمل کر سکتی تھی یوں کہ اس کے سامنے نہ آئے مگر گھر میں یہ ممکن تھا، جبھی اس نے اس قسم کی کوئی کوشش بھی نہ کی گی، ان دونوں کے بیچ ایک سرد خاموشی تھی، اس ساری صورتحال پہ زیمل کا دل روتا تھا، وہ خاموشی سے اس کی تیمارداری کرتی رہتی، اس کے لئے کھانا بنا کے لاتی، اس کے کپڑے واش روم میں لٹکا دیتی، دوپہر میں اس کے سونے کے بعد وہ دیگر کام نمٹاتی رہتی، پھر شام کو اسے جوس یا روٹ اس کے بعد وہ لان میں ہلکی سی واک کرتا وہ ڈنر کی تیاری کرتے ہوئے کچن سے اسے دیکھتی رہتی اور اسے خود سے نفرت ہوتی، خود سے گھن آتی، کیا تھی وہ؟ احسان فراموش، نمک حرام پھر اس کی تھالی میں کھا کر اسی میں چھید کرنے والی غلیظ اور گھٹیا لڑکی، اسے خود کو یہ سب باور کرواتے ہوئے ذرا بھی ترس نہ آتا، وہ میڈیکل لیو پر یونیورسٹی کی طرف سے چھٹی پہ تھا، جبکہ زیمل تو یوں بھی فری ہی تھی آج کل۔

محبت کہیں چلی گئی ہے
لگتا ہے میرے اندر ہی اندر
کہیں دور چلی گئی ہے
اور اپنے بہت سارے سائے
پیچھے چھوڑ گئی ہے
میرے آس پاس
اور ارد گرد

وہ کرب سے سوچتی رہتی، وہ تو اس سے نگاہیں بھی نہیں ملاتی تھی کہ خود کو اس قابل ہی نہ سمجھتی تھی، کیا تھا وہ شخص؟ ایک دیوتا، کیا نہیں کیا تھا اس نے زیمل کے لئے؟ وہ تو اس کے احسانوں کے نیچے اس قدر دبی ہوئی تھی کہ سر اٹھانے کے بھی اہل نہ تھی مگر اس نے یہ سب کیا تھا اس نے دیوتا جیسے زرشام کو تراش سے زمین پہ گرا کے پاش پاش کر دیا تھا، اس نے رتبہ بدلنا چاہا تھا، اس نے حیثیت بدلنی چاہی تھی، اس نے Do more کا مطالبہ کر کے اس شخص کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ جانتی تھی اور اس آگہی کا کرب اس قدر بھاری تھا کہ اس کے کندھے ٹوٹنے لگے تھے۔

آج ایک سرد شام، کمرے کی پرحدت فضا میں وہ ایزی چیئر پہ جھول رہا تھا اور وہ اس کی وارڈ روب سیٹ کر رہی تھی، جب نوراں اندر آئی تھی، اس سے ملنے کچھ لوگ آئے تھے، وہ اٹھ کر باہر چلا گیا، زیمل خود بخود کام چھوڑ کر کچن کی طرف بڑھ گئی، اسے چائے کے انتظامات دیکھنا تھا، اپنی نگرانی میں سب کچھ تیار کروا کر وہ نوراں کے ہاتھ ہال میں بھیج کر واپس کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ ''ملک ہاؤس'' میں صبح کا آغاز تھا، پانچ بجے کا الارم بجا تو ایک ساتھ دونوں کی آنکھ کھل گئی تھی، زیمل نے مندی مندی آنکھوں سے اسے باتھ روم میں جاتے دیکھا تھا، پھر وہ پھرتی سے اٹھی اور چھلانگ مار کر کارپٹ پہ بکھری اپنی کتابیں اور نوٹ بکس سمیٹنے لگی، رات وہ پڑھتے پڑھتے یونہی ہر چیز پھیلائے چھوڑ کر سو گئی تھی، چونکہ زرشام بے حد تھکا ہوا تھا اور اس کے سر میں بھی حد درد تھا تبھی وہ جلد سو گیا تھا، اب اگر وہ اس کی یہ بے ترتیبی دیکھ لیتا تو زیمل کی کلاس لگ جانا تھی، وہ وضو کر کے لوٹا تو اسے بیگ سمیٹتے دیکھ کر پہلے تو حیران ہوا پھر جیسے سارا معاملہ سمجھ گیا، ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ رینگ گئی، سفید ٹراؤزر اور شرٹ میں جس پہ ریڈ ڈاٹس تھے، بکھرے بالوں سمیت وہ بے حد گھبرائی لگ رہی تھی، وہ سر جھٹکتے ہوئے نماز کے لئے نکل گیا، اس کے جانے کے بعد وہ خود بھی نماز میں مشغول ہو گئی، اس کے بعد اس نے لان میں آدھا گھنٹہ واک کی، واپس آ کر فریش ہو کر منہ ہاتھ دھویا، یونیفارم چینج کیا اور باہر آ گئی، اسی اثنا میں زرشام بھی اندر آ چکا تھا، وہ اس وقت جاگنگ سوٹ میں تھا تبھی ماتھے پہ پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں، زیمل نے فوراً بڑھ کر تولیہ اسے تھمایا، وہ چہرہ پونچھنے کے بعد صوفہ پہ بیٹھ گیا۔

''مارننگ۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر خود بھی چینج کرنے کے لئے بڑھ گیا، جب وہ لوٹا تو زیمل ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی بالوں سے الجھ رہی تھی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

''زیمل! کیا کرتی ہو؟ میرا انتظار تو کر لیا کرو۔'' اس نے زیمل کے ہاتھ سے ہیر برش لے لیا اور اسے اسٹول پہ بٹھا کر خود اس کے بال سلجھانے لگا، اس کے شانوں سے نیچے آتے سنہرے ریشم کے لچھے اس کے ہاتھوں میں سر رہے تھے، وہ بڑی احتیاط اور توجہ سے سلجھانے کے بعد اب اونچی سی پونی ٹیل باند رہا تھا، یہ بھی زیمل کا بڑا عجیب سا مسئلہ تھا، اس کے ساتھ تو مسائل کا انبار تھا، پہلی بار جب زرشام نے اسے یوں اپنے بال کھینچ کھینچ بناتے اور ساتھ ساتھ روتے دیکھا تو ہکا بکا سا گیا، پوچھنے پہ بتایا گیا کہ اسے خود سے سلجھانے نہیں آتے، ''لال حویلی'' میں ایک ملازمہ خصوصی وقف کی گئی تھی صرف اس کے سنہرے گچھوں کو سمیٹنے کے لئے، وہ ساری تفصیل جان کر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا تھا کہ اس کے سوا کر بھی اور کیا سکتا تھا پھر اس کے ہاتھ برش لے کر خود سلجھانے لگا اور اس کے بعد معمول بنتا گیا، اگر باوجود اس روٹین میں کو چینج آ جاتا تو وہ اپنے بال صحیح معنوں میں کھسوٹ ڈالتی تھی۔

بال ٹھیک کروانے کے بعد سر پہ اسکارف لینے لگی پھر بیگ کندھوں پہ ڈالا اور زرشام کے ساتھ نیچے آ گئی، ناشتے کی ٹیبل پہ وہ خود ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے بھی کرواتا رہا، پھر ان کے جانے کا وقت ہو گیا، زیمل نے بیگ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ پھینکا اور خود اس کے برابر آ کے بیٹھ گئی۔

''ٹیسٹ کی تیاری کیسی ہے؟'' اس نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''اچھی ہے۔'' وہ زیرلب کچھ پڑھ رہی تھی، زرشام نے اس کے معصوم چہرے پہ پھیلی ملاحت کو دیکھا تو دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی، ایک معصوم لڑکی، ان ظالم رسموں کی وجہ سے اپنے والوں سے دور تھی، وہ جانتا تھا وہ اپنے اماں کو مس کرتی تھی، انہی سوچوں میں گم اس

بیل کو اسکول کے گیٹ پر اتارا تو وہ نیچے اترنے سے پہلے اس کی طرف مڑی تھی۔

''آپ میرے لئے دعا کیجئے گا۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا، ڈونٹ وری۔'' اس نے تسلی دی۔

وہ سر ہلاتے ہوئے اسے خدا حافظ کہتے باہر گئی، وہ یونیورسٹی کی طرف مڑ گیا، وہاں پے در نکل آنے والی مصروفیات نے اسے پہلی بار دیا کہ اسے زیمل کو اسکول سے پک کرنا تھا اسے یاد آیا تو اس نے سر پیٹ لیا، وہ ڈیڑھ لیٹ تھا، انتہائی فاسٹ ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے اسکول پہنچا تو اسے دھچکا لگا، پٹھان دار ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا اور اس کی کرسی پہ بیٹھی تھی بیگ گود میں رکھے، وہ دونوں میں منہ چھپائے زور زور سے رو رہی تھی، تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آ گیا، اسکول کا بھی جا چکا تھا ورنہ وہ ریکارڈ سے اس کا فون وغیرہ ڈھونڈ کر اسے گھر پہنچانے کا بندوبست کرتا، زرشام کو دیکھتے وہ تیر کی طرح اس کی لپکی تھی اور اسے سے لپٹ کر اور زور سے نے لگی وہ اسے تھپکتا ہوا چوکیدار کو اپنا نمبر وانے لگا، پھر اس کا بیگ اٹھا کر ڈکی میں رکھا اسے ساتھ لگائے گاڑی کی طرف لے آیا، کا سارا راستہ وہ روتی آئی تھی، گھر آ کر اس کھانا بھی بمشکل دو سے تین لقمے لئے اور وہ شاید زرشام کے خوف سے پھر واپس کمرے لیٹ گئی، زرشام سے اس کے اسٹوڈنٹس کے لئے آ گئے تو وہ ادھر مصروف ہو گیا مگر کا سارا دھیان زیمل کی طرف ہی اٹکا رہا، ہوتے ہی وہ اوپر کی طرف بڑھا تھا، نوراں اسے بتا دیا تھا کہ وہ تب سے مسلسل کمرے تھی، جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہ باتھ روم سے باہر آ رہی تھی، ڈھلے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی متورم آنکھیں زرشام کو مضطرب کر گئیں۔

''زیمل ادھر آؤ۔'' وہ صوفہ پہ بیٹھ کے بولا، وہ خاموشی سے اس کے پاس آ گئی، اس نے ہاتھ پکڑ کر ساتھ بٹھا لیا۔

''ناراض ہو؟'' زرشام نے پوچھا، زیمل کے لب کپکپائے مگر وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''رو کیوں رہی تھیں؟'' جواباً وہ خاموش رہی۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟'' وہ چند لمحے اسی طرح بیٹھی رہی پھر نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، خوفزدہ نظریں۔

''مجھے پتا ہے آپ مجھے ایک دن ایسے ہی بھول جائیں گے اور واپس نہیں لے کے آئیں گے، زیمل کی کسی کو ضرورت نہیں ہے، زیمل سب کے لئے بوجھ ہے، پہلے بابا اور لالہ کے لئے تھی انہوں نے پھینکا تو اب آپ کے لئے ہوں اور آپ بھی مجھے یوں ہی کسی دن چھوڑ دیں گے۔'' وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔

زرشام گنگ سا رہ گیا تھا اس کی معمولی سی غلطی نے سائیکاٹریسٹ کی ساری محنت پہ پانی پھیر کر اسے پھر سے اسی State of mind میں دھکیل دیا تھا اسے خود پہ بے تحاشا غصہ آیا، اس نے خود کو سنبھالا اور اس کے شانے پہ بازو پھیلا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، انہوں نے تمہیں اس لئے نہیں چھوڑا اور نہ میں ایسا کروں گا، فضول باتیں مت سوچا کرو۔'' اس نے زیمل کی پیشانی پہ گرے سنہرے بال سمیٹے اور نرمی سے اس کی پیشانی کو چوما، اس کی سسکیاں رک گئیں۔

''میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔'' اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے وعدہ کیا تھا۔

''اور کبھی لیٹ بھی نہیں آئیں گے؟'' اس نے یقین دہانی چاہی۔

''ہاں، نہیں آؤں گا۔'' اس نے یقین دلایا۔

''اور تم بھی مجھ سے ناراض ہو کر اگر روئیں نا تو بہت ماروں گا۔'' اس نے دھمکایا وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لگ گئی۔

''چلو اٹھو، فورٹریس، جوائے لینڈ میں انجوائے کرواتے ہیں تمہیں۔'' اس نے کہا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

ایسے ٹوٹا ہے تمناؤں کا پندار کہ بس
دل نے جھیلے ہیں محبت میں وہ آزار کہ بس
اک جھونکے میں زمانے میرے ہاتھوں سے گئے
اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہ بس

☆☆☆

رات تاریک اور سرد تھی، زیمل بیڈ پہ لیٹی ہوئی تھی اور اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر دوسرا ذی نفس وہ خود تھا فاصلہ آج بھی قائم تھا، یہ کبھی ختم نہیں ہو سکا تھا کیونکہ اسے ختم کرنے کی کوشش ہی نہ کی گئی تھی جبکہ اس کا وجود ایک نو بالغ لڑکی سے ایک نوخیز دوشیزہ کے روپ میں ڈھل چکا تھا۔

وہ اس وقت رو رہی تھی، آنسو بے آواز اس کی سنہری آنکھوں سے گر رہے تھے اور اس سے ایک فٹ کی دوری سے لیٹا وجود بے خبر تھا، کیا اس دکھ سے بڑا کوئی دکھ تھا؟ اس کا سینہ جل اٹھا، لیکن وہ خود ذمہ دار تھی اس سارے حالات کی، اس نے اس ستارہ مہرباں کو خود بدگمانی اور بے اعتمادی کی سیاہی میں ڈبو دیا تھا۔

کتنے دن گزر گئے تھے وہ اس سے بات نہیں کرتا تھا اگر اس میں زرشام سے نظریں ملانے کی ہمت نہ تھی تو وہ بھی اس کے چہرے کو نہ دیکھتا تھا، جب بات برداشت سے باہر ہو تو وہ بیڈ سے نیچے اتر گئی، وہ نہیں چاہتی تھی اس کے رونے کی آواز سنے، جبھی تیزی کمرے سے نکل گئی۔

اس نے لان میں ٹھنڈی اور نم گھاس گرتے ہوئے ان سارے لمحوں کو یاد کیا جو ان دونوں کے بیچ آئے تھے، محبت بھر مسکراتے اور دل میں خوشی بھر دینے والے صرف چند لمحے تھے اس کے کاسۂ دل میں، چند، جب وہ روتی ہوئی زیمل کو ساتھ لگا ڈانٹتا اور آئندہ کبھی نہ رونے کا وعدہ لیتا، کبھی وفا نہ کر سکی، جب عیدین پہ وہ نماز پڑھنے کے بعد لوٹتا تو پہلے سے لان میں اس انتظار میں ٹہل رہی ہوتی زیمل دور کے اس سینے سے لگ جاتی وہ اسے نرمی آمیز محبت تھپکتا اور اس کی پیشانی چوما کرتا اور یہ موقع میں بس دو ہی بار آتا، تیسرا تب جب اس پوزیشن لی، کوئی ڈیبیٹ کمپیٹیشن جیتا، کوئی کمپیٹیشن جیتا تب جب وہ اس کی طرف وکٹری کا نشان بناتا، اس کا دل خوشی کے سے منور ہو جاتا۔

آج اس کی زندگی جیسے انہی کو یاد کر سی گئی تھی، رات بتدریج گہری ہو رہی تھی ویسے بھی تاریکی سے ڈرتی تھی جبھی خود کے آنسو پونچھتی اندر کی سمت بڑھ گئی، بیڈ مخصوص جگہ پر لیٹتے ہوئے اس نے سر میں درد کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا، تھکن کے باعث گہری نیند میں جلد ہی چلی گی مگر وہ منحوس آج پھر اس کے پیچھے تھے، تاریکی گہری اور خوف کا گہرا احساس اور دور تک پھیلی تنہا، وہ چیخ رہی تھی، بھاگ رہی تھی کسی کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو وہ چلاتی ہوئی اٹھ

''زیمل! کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے پوچھ رہا تھا، وہ گہرے گہرے سانس لیتی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''پھر کوئی برا خواب دیکھا؟'' اس کا لہجہ فکر مند تھا وہ گھٹنوں پہ سر رکھ کر رونے لگی۔

''بہت برا خواب ہے، مجھے لگا میں تنہا ہی ہوں، بھاگ رہی ہوں اور وہاں بہت اندھیرا تھا، مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا، میں اکیلی تھی، میں نے آپ کو بہت آوازیں دیں مگر آپ کہیں نہیں تھے، آپ نہیں آئے، آپ نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔'' اس کے لہجے میں کرب تھا شکوے تھے۔

''نہیں، میں تو تمہارے پاس ہوں۔'' اس نے زیمل کو تسلی دی، اس کی آواز نے زیمل کو چابک کی سی ضرب لگائی وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی، چند لمحے یک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دوڑتی ہوئی جا کر اسٹڈی روم میں بند ہو گئی، وہ ساکت بیٹھا رہ گیا۔

☆☆☆

دن اور رات کا چکر جاری تھا، زندگی بھاگتی جاتی تھی، موسم بدلتے تھے، ایک سنہری بہار میں اس نے اپنے رائٹنگ ٹیبل سے سر اٹھا کر سوئی ہوئی زیمل کو دیکھا، اب وہ بڑی ہو گئی تھی، ایک ٹین ایجر بلکہ سویٹ سکسٹین کی لڑکی، میٹرک کی اسٹوڈنٹ وہ بہت بدل گئی تھی، ہر وقت ہنستی کھلکھلاتی، اس پہ دھوس جماتی پراعتماد سی زیمل نس نے گھر کے کونے کونے کو اپنے ہاتھوں سے جایا تھا، کبھی کبھی وہ بڑی مدبر بن کے اسے شورے دیتی تو وہ ہنس دیتا۔

ذہین تو وہ تھی ہی مگر زرشام نے اس کی صلاحیتوں کو پالش کر دیا تھا، وہ اس سے بے حد ج تھی، وہ اس کا سب کچھ تھا بلکہ شاید زیمل کے سارے رشتے اسی کی ذات میں یکجا ہو گئے تھے، ایک باپ کی طرح پرشفق، ماں کی طرح فکر مند، بہن کی طرح اس سے ڈھیروں باتیں کرنے والا اور ایک بھائی کی طرح اس کی حفاظت کرنے والا اور سب سے بڑھ کر اس کا پیارا دوست، مگر صرف وہ اس کا شوہر نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ صبح کے لئے لیکچر تیار کرنے کے بعد بستر پہ آ گیا، وہ بے خبر سوئی تھی، ایک ہاتھ گال کے نیچے دھرے دوسرا تکیے پہ رکھے، اس نے لحاف اس پہ درست کر دیا اور خود بھی لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں، اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی، اسے زیمل کے حوصلے پر حیرت ہوتی تھی وہ اس کے سامنے اپنے والدین یا لالہ کا نام بھی لیتی تھی جبکہ وہ تو اندر ہی اندر ٹوٹ گیا تھا، اس قدر محبت کرنے والا باپ جان چھڑکتی ماں اور قدرے دور دور رہتی بہن، ہر رات وہ سوچتا تو چند لمحوں کے لئے دل رک سا جاتا تھا ''قصر گل'' نے اسے چھوڑ دیا تھا، اسے بھلا دیا تھا، صرف اس جرم کی پاداش میں جو اس سے سرزد ہی نہ ہوا تھا، کیا کیا تھا آخر اس نے؟ صرف ایک بے سہارا مظلوم اور معصوم و بیگناہ لڑکی کو سہارا دیا تھا اور کیا کیا تھا؟ بلکہ سہارا بھی اس لئے دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ایک مقدس رشتے میں بندھ گئی تھی، خواہ کم عمر ہی سہی مگر بہر حال وہ شرعی لحاظ سے میاں بیوی تو تھے، ایسی باتوں کو سوچتے ہوئے وہ سو گیا مگر اس کی نیند بڑی بے چین سی تھی، صبح وہ اٹھا تو سر بوجھل سا تھا، اس کا دل سخت گھبرا رہا تھا، یونیورسٹی میں اس نے دو کلاسیں لیں اور اپنے آفس میں آ گیا، ایک گلاس گلوکوز پی کے بھی اس کا دل معمول پہ نہ آ سکا تھا، اسی دوران اس کا سیل بج اٹھا۔

''بابا کی کال۔'' وہ اچھل پڑا، فوراً کال پک کی مگر چھوٹتے ہی جو خبر انہوں نے سنائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حیران کن اور دردناک ہونے کے ساتھ ساتھ جان نکالنے والی بھی تھی۔

"گل افشاں ملک کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔" اس نے چکراتے سر کے ساتھ سر کرسی کی بیک سے ٹکا دیا، کچھ دیر بعد جب اس کی طبیعت نارمل ہوئی اور حواس قابو میں آئے تو اسے احساس ہوا وہ رو رہا تھا، اس نے گھر فون کر کے زیمل کو بتایا وہ رات تک لوٹ آئے گا ضروری کام ہے، وہ تفصیل پوچھتی رہ گئی مگر اس نے فون بند کر دیا، کچھ دیر بعد اس کی گاڑی گاؤں کی طرف بڑھ رہی تھی، قریباً ڈھائی سال بعد وہ گاؤں آیا تھا، ایک ہجوم بیکراں تھا اسے پرسہ دینے والوں کا، لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اپنی بیوی کو بھی لائے گا، مگر انہیں مایوسی ہوئی کیونکہ وہ اکیلا تھا، دوسری طرف تائب چوہدری اور گل رعنا بھی آئے تھے مگر انہیں "قصر گل" کی دہلیز پار کرنے کی اجازت نہ دی گئی تھی، روتی مچلتی گل رعنا کو بڑی مشکل سے تائب نے سنبھالا اور واپس جیپ میں بٹھا دیا تھا اور وہ لوٹ گئے۔

زرشام ماں کی میت کو کندھا دینے آیا تھا اور اس فریضے سے فارغ ہو کر وہ سب واپس آئے تو وہ باپ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"چلتا ہوں بابا سائیں!"

"تمہاری ماں کی خواہش تھی کہ تمہیں یہاں آنے کی اجازت دے دوں مگر یاد رکھنا اس میں وہ لڑکی شامل نہیں ہے، تم آ سکتے ہو مگر اس کے بغیر۔" ان کے لہجے کی رعونت اب بھی قائم تھی۔

"بے فکر رہیے میں بھی نہیں آؤں گا، اس مہربانی و عنایت کا شکریہ۔" اس نے زخمی لہجے میں کہا۔

"مرضی ہے تمہاری۔" وہ پھنکار اٹھے۔

زرشام کی آنکھیں جل اٹھیں، اپنے اتنے پیارے سے باپ کا یہ روپ والفاظ برداشت کرنا بہت مشکل تھا، اسے بے حد تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ کو ایک بات بتاؤں؟ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ مجھے یہاں آ کر گھٹن کیوں ہوتی ہے؟ مگر آج مجھے اس کا سبب سمجھ میں آ گیا ہے، یہاں آپ جیسے لوگ ہیں جو دوسروں کو حقیر کیڑوں سے بھی کم تر سمجھتے ہیں، جو خدائی لہجے میں بات کرتے ہیں، آپ میں اور سلطان چوہدری میں کوئی فرق نہیں ہے، وہ سب کچھ کھلم کھلا کرتا ہے اور آپ نے اپنے اوپر اچھائی کا لبادہ چڑھا لیا، سچ کہتے ہیں۔"

"Affection shows human mentality but, Situation shows human reality۔"

"اور آپ کو پتا ہے۔"

"You are nothing just fake۔" وہ نفرت سے کہتا واپس مڑ گیا، سارا رستہ وہ روتا ہوا آیا تھا، اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ ایک "انسان" تھا اور اس نے انسانیت کو اہمیت دی تھی، رات دس بجے کے قریب وہ گھر پہنچا تو تیز بخار میں پھنک رہا تھا، زیمل اسے دیکھتے ہی چونک گئی وہ سیدھا بیڈ روم کی طرف بڑھا تھا، وہ اس کے لئے چائے لے کر اندر آئی تو اسے بیڈ پہ بے سدھ پڑے دیکھ کر گھبرا سی گئی، بڑھ کر اس کا ماتھا چھوا تو جھٹکا لگا، اسے تیز بخار تھا۔

اس نے زبردستی اسے چائے کے ساتھ بسکٹ کھلائے اور ساتھ میں میڈیسن دی مگر وہ پھر بھی بے چینی سے سر پٹخ رہا تھا، سر درد کی پرابلم اسے اکثر ہوتی تھی، زیمل اسے کتنی بار کہہ چکی تھی کہ وہ اپنی آئی سائیٹ چیک کروائے مگر وہ ٹال

ہی نہ تھا، وہ دیر تک بیٹھ کر اس کا سر دباتی رہی۔

اگلے دو دن اس کی حالت یہی رہی مگر اس نے زیمل کو اصل حقیقت نہیں بتائی تھی، پھر بتدریج وہ سنبھل گیا، مگر ماں کو کھونے کے بعد اس کے دل کا ایک گوشہ ہمیشہ کے لئے ویران ہو گیا، اس کے ذہن سے "اپنے گھر" کا خاکہ مٹنے لگا، وہ اندر سے کچھ اور ریزہ ریزہ ہوتا رہا اور وقت بیتتا رہا، زندگی چلتی رہی اس کا تو کام ہی چلنا ہے۔

☆☆☆

یہ "ملک ہاؤس" کے خوبصورتی سے سجے ہوئے سیٹنگ روم کم لاؤنج کا منظر تھا، ایک ترتیب سے لگی خوبصورت تصاویر کیا تھیں ایک Chronology تھی، زیمل اور زرشام کی، چودہ سال کی زیمل سے لے کر بیس سال کی زیمل کی اور زرشام کی ایم فل سے پی ایچ ڈی تک کا سفر ان تصاویر میں یکجا تھا، ساتھ ساتھ مختلف ڈیٹس اور ایونٹس کی تفصیل بھی رقم تھی۔

زیمل کی شیلڈز اور میڈلز لیتے ہوئے کم و بیش بارہ تیرہ تصاویر تھیں، زرشام کے ساتھ مسکراتے ہوئے مختلف مقامات پر، کبھی فورٹریس پر، کبھی زو تو کبھی کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر ٹیبل پر، کسی ڈیبیٹ کمپیٹیشن کی تو کبھی کسی فنکشن کی کمپیئرنگ کی، وہ چھائی ہوئی تھی، زرشام کے ساتھ مختلف مواقع کی تصاویر، عیدین کی، سالگرہ کی اور دیگر، ہر تصویر پہلے سے بڑھ کر تھی، سب سے بڑھ کر وہ آخری انلاج تصویر تھی جس میں زیمل اور زرشام ساتھ ساتھ تھے، زیمل ایک خوبصورت سفید لباس میں ملبوس تھی اور اس کے ساتھ کھڑا زرشام بلیک ڈنر سوٹ میں تھا، تصویر کی سب سے نمایاں چیز زیمل کے دائیں کندھے پہ گرے بال تھے جو ایک طرف کو سمیٹ کر نیچے لائے گئے تھے بال کیا تھے سونے میں ڈھلا سنہرا آبشار تھا جو کندھے سے بہتا نیچے تک آ رہا تھا۔

وہ ایک پرفیکٹ تصویر تھی اور وہ دونوں بھی، لاؤنج میں کھڑا ذی نفس جب اس آخری تصویر کو بھی دیکھ چکا تو اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی۔

"جی! کس سے ملنا ہے؟" زیمل نے پوچھا، وہ مڑا تھا اور اسے دیکھ کر جیسے زیمل کا سانس سینے میں ہی اٹک گیا۔

وہ اس ہستی کو کیسے بھول سکتی تھی؟ اس کے لاشعور میں آج بھی وہ خوف موجود تھا اور کتنی مشکلوں سے وہ اس خوف پہ قابو پا سکی تھی اور وہ "خوف" آج مجسم صورت اس کے سامنے کھڑا تھا وہ بے ساختہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"اس کے سامنے "زوریز ملک" کھڑے تھے۔"

☆☆☆

وقت کچھ اور آگے سرکا تھا، اب زیمل کالج گرل تھی، تیکھی، چلبلی اور نٹ کھٹ، نت نئے تجربے کرنے کی شوقین، چاندنی راتوں کی دیوانی، بارش کے لئے پاگل اور سرد موسم کی دعائیں مانگتی، جس کی کھنکتی ہنسی، رائٹنگ ٹیبل پہ جھکے ہوئے زرشام کو بہت چونکا دیتی تھی، اسی سال اس نے پی ایچ ڈی کی تھی، ڈرامہ میں، اب وہ اس سے ضدیں کرتی تھی اور اکثر ہی اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو جاتی تھی، گریجویشن میں آ کر تو اس کے پر پرزے زیادہ ہی نکل آئے تھے ورنہ وہ بنیادی طور پر بڑی سادہ و معصوم سی تھی اور یہ بلاشبہ کالج کے آزاد ماحول کا ہی اثر تھا۔

آج کل تو اس نے زرشام سے ایک عجیب سی ضد لگائی ہوئی تھی، وہ اپنے بال کٹوانا چاہتی تھی جس کے لئے وہ قطعاً رضامند نہ تھا، وہ تو اس کے بالوں کا دیوانہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر کالج میں سب لڑکیوں نے کٹنگ کروائی ہوتی ہے۔" وہ جھلا کر بولی۔
"مگر تم سب لڑکیوں جیسی نہیں ہو۔" اس نے گویا بات ہی ختم کر دی۔
"مجھے پتا ہے۔" وہ سخت آف موڈ کے ساتھ اٹھنے لگی۔
"بال کٹوانے سے کیا ہوگا؟" وہ بھی جھلا کے بولا۔
"میرا دل چاہتا ہے میں بھی سیلون جاؤں، وہ سب کروں جو ساری لڑکیاں کرتی ہیں مگر نہیں، مجھے اس کا حق نہیں، آپ تو چاہتے ہیں میں سانس بھی آپ کی مرضی سے لوں۔" وہ تلخی سے بولتی باہر نکل گئی۔

وہ حیرت زدہ سا بیٹھا رہ گیا، یہ زیمل تھی؟ ناقابل یقین سا لگتا تھا؟ یہ کیا ہو گیا تھا اسے؟ یہ کس راہ کی مسافر بننا چاہتی تھی وہ؟ چند دن ہی گزرے تھے جب اس نے ایک اور ایشو اٹھا لیا۔
"مجھے ڈرائیونگ سیکھنی ہے۔" وہ اس کے عجیب و غریب مطالبے پہ حیران رہ گیا مگر جب بولا تو لہجے میں شدید غصہ اور تحکم تھا۔
"یہ تم مجھ سے کس قسم کی فرمائشیں کرنے لگ گئی ہو آج کل؟ دماغ درست ہے نا تمہارا؟ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہیں اجازت دے دوں اور تم جینز پہن کر بال کھول کر ڈرائیو کرو تو یہ ناممکن ہے، اینڈ کنسن زیمل! مجھے آج کے بعد یہ بتانے کی کوشش مت کرنا کہ تم کیا چاہتی ہو؟ تم صرف وہی کرو گی جو میں چاہوں گا، از اٹ کلیئر؟" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

وہ سن سی بیٹھی رہ گئی، یہ کس لہجے میں بات کر کے گیا تھا وہ؟ اسی رات جب وہ بیڈ پہ نیم دراز کوئی کتاب پکڑے مصروف تھا، زیمل کے بگڑے زاویے دیکھ کر اسے آواز دے دی۔

"زیمل! یہاں آؤ۔" وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی آئی۔
"ناراض ہو؟" اس نے نرمی سے اس کے شانے میں ہاتھ رکھ کر پوچھا۔
"نہیں۔" وہ سرد مہری سے بولی۔
"مگر مجھے تو لگ رہی ہو؟" اس نے زیمل کا چہرہ اوپر کرنا چاہ جسے اس نے سختی سے جھٹک دیا۔
"رہنے دیجئے یہ دکھاوے کی فکر۔" وہ چبا چبا کے کہتی باہر نکل گئی، اب کی بار سن ہونے کی باری زرشام کی تھی، وہ بے حد حساس تھا اور اس کی یہ اوور سنسٹیویٹی ہمیشہ ہی اس کے لئے مسئلہ بنی تھی، اگلے دن بھی اس نے زیمل کی اتنی ٹینشن لی کہ اس کا بی پی شوٹ کر گیا، ایک گھنٹہ ڈاکٹر دانش کے ہاسپٹل میں گزار کر آیا تو بے حد تھکا اور نڈھال تھا، مگر ابھی ایک اور قیامت اس کی منتظر تھی۔

گاڑی اندر لے جاتے ہی چوکیدار نے اسے بتایا کہ ابھی ابھی اس سے ملنے کے لئے کوئی آیا ہے اور وہ اندر کی طرف بڑھا تو لاؤنج میں کھڑا مہمان اور سیڑھیاں اترتی زیمل ایک ساتھ اس کی نظر میں آئے تھے، دونوں کی نظر ایک ساتھ ہی آنے والے پہ پڑی اور دونوں ہی ٹھٹھک گئے۔

آنے والا "تائب چوہدری" تھا، زرشام اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
"زیمل! اوپر جاؤ واپس۔" اس نے سختی سے کہا، وہ اس کے بازو پہ ہاتھ ٹکا کر دھیمی سی آواز میں کرلائی تھی۔
"زرشام! میرے لالہ..... لالہ۔"
اس سے پہلے کہ تائب کچھ بولتا، زرشام غرا ہی تو اٹھا تھا۔

"زیمل! میں نے کہا جاؤ، سنا نہیں تم نے؟" اس کی سرخ آنکھیں اور اجنبی لہجہ، زیمل نے ہراساں نگاہوں سے اسے دیکھا اور تیزی سے واپس سیڑھیاں چڑھ گئی، تائب جواب تک خاموش تھا پہلی بار بولا تھا۔
"تم نے تو کمال کر دیا زرشام!" وہ توصیفی انداز میں بولا اشارہ ان تصاویر اور ان سے متعلق کارناموں سے تھا۔
"تو آپ آپ کون سا کمال دکھانے آئے ہیں؟" زرشام کا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا سرد تھا۔
"دیکھو! میں ایک بہتر تعلق چاہتا ہوں، جو غلطیاں ہو گئیں، انہیں بھلا کر بھی ہم نئے تعلق کا آغاز کر سکتے ہیں نا۔" تائب کا لہجہ نرم تھا۔
"مگر مجھے آپ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھنا، آپ جا سکتے ہیں۔" اس نے بے رحم لہجے میں کہا اور سیڑھیاں چڑھتا گیا، تائب ساکت کھڑا رہا پھر تھکے تھکے قدموں سے باہر کی سمت بڑھ گیا۔

زرشام کمرے میں پہنچا تو وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے زور زور سے رو رہی تھی، اسے دیکھتے ہی وہ چیل کی طرح اس پہ جھپٹی تھی اور ایک عجیب وحشت کے عالم میں اسے جھنجھوڑنے لگی۔
"آپ انسان نہیں درندے ہیں، میں نفرت کرتی ہوں آپ سے۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔
"شٹ اپ زیمل!" وہ دھاڑا تھا مگر وہ ذرا بھی نہیں ڈری۔
"قید کر کے رکھنا چاہتے ہیں مجھے؟ ایسا کیجئے ایک پنجرہ بنوائیے اور اس میں ڈال دیجئے مجھے، شاید اسی طرح آپ کی انا کو تسکین مل سکے۔" وہ زہر اگل رہی تھی۔

اپنے جنون میں وہ یہ بھول گئی کہ زرشام کا رنگ کیسے زرد پڑ رہا تھا، وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑایا تھا۔
"آپ چاہتے ہیں میں بس آپ تک محدود ہو جاؤں، آپ کی مرضی سے اٹھوں، آپ کی مرضی سے سوؤں، دن کو رات کہوں، آپ کی پسند سے کپڑے پہنوں، آپ کی پسند کا کھانا کھاؤں، میں خود کیا ہوں؟ زرشام ملک! کیا حیثیت ہے میری؟ خریدا نہیں تھا آپ نے مجھے؟ مگر رویہ آپ کا ایسا ہے جیسے میں آپ کی باندی ہوں اور اب آپ نے مجھے لالہ سے بھی نہیں ملنے دیا، کیوں؟ اگر آپ کی بہن ان کے ساتھ بھاگ گئی تھی تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟" وہ رو رہی تھی اور زرشام کا دل بہت گہرائی میں جا کر ڈوبا تھا۔
"میں آپ سے نفرت کرتی ہوں، سنا آپ نے، شدید نفرت، آپ نے مجھے ہر ایک سے دور کر دیا، آپ نے مجھے تنہا کر دیا، صرف خود تک محدود کر دیا ہے؟ کیوں چاہتے ہیں آپ کو جو آپ کو غلط لگتا ہے وہ مجھے بھی غلط لگے؟ کیوں چاہتے ہیں آپ کہ میں دنیا آپ کی نظر سے دیکھوں، اصل بات پتا ہے کیا ہے؟ آپ ایک خود پرست اور خود پسند انسان ہیں، آپ چاہتے ہیں میں ہر وقت آپ کی عظمت کے گن گاتی رہوں کیوں؟ اصل میں آپ خود کو دیوتا سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں بس آپ کی داسی بن کر رہوں اور بس..... مجھے برابری کا درجہ چاہیے زرشام! مجھے میرا حق چاہیے، خدا کے لئے، مجھے انسان سمجھیں، آپ....." وہ چیختی چلاتی آخر میں مدھم پڑ گئی تھی اور وہاں تھا ہی کب اس کی سانس رک رہی تھی، یوں لگ رہا تھا کہ زیمل نے زہر میں بجھا کوئی خنجر اس کے سینے میں گاڑ دیا تھا، اس کے سر درد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا، وہ ہلکا سا لڑکھڑایا اور اگلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی پل دھڑام سے نیچے گرا، اس نے دھندلائی ہوئی نظر سے چاروں طرف دیکھا تھا ہر چیز مدھم اور گھومتی ہوئی سی تھی، اس کا پورا جسم جیسے جلتا آبلہ بن گیا تھا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

☆☆☆

بہت جدا ہے اوروں سے میرے درد کی کیفیت فراز
زخم کا کوئی نشان نہیں اور تکلیف کی کوئی انتہا نہیں

اسے شدید ترین نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، وہ ایک ہفتہ ہاسپٹلائز رہا تھا اور جب سے گھر آیا تھا مسلسل خاموش تھا، آج زوریز ملک آئے تو وہ اپنی اسٹڈی میں تھا، زیمل تو انہیں دیکھتے ہی واپس بھاگ گئی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ دونوں میں کیا بات ہوئی تھی مگر اس نے ٹیرس سے زوریز ملک کو واپس جاتے دیکھا تھا، ان کے جھکے کندھے بتاتے تھے کہ وہ ناکام گئے تھے۔

آج دسمبر کی آخری شب تھی، صبح نیا سال ہو رہا تھا، پتا نہیں دسمبر کیوں اتنا اداس تھا؟ لیکن صبح کا دن بہت خاص تھا، صبح زرشام کی سالگرہ تھی، وہ دل میں ٹھان چکی تھی کہ صبح وہ اسے ہر حال میں منائے گی، خواہ اس کے لئے کچھ بھی ہو جائے، اگلی صبح زرشام کو اپنے سائیڈ ٹیبل پر ایک وشنگ کارڈ ملا تھا، ساتھ میں ایک گلاب تھا، ادھ کھلا خوبصورت سرخ گلاب، اس نے کارڈ کھول لیا۔

یکم جنوری!

نیا سال اور آپ کی سالگرہ
مبارک ہو۔

تمہارا عشق صدی دو صدی تو پا لیں گے
ابھی اتنی سکت تو ہماری چاہ میں ہے

وہ خالی خالی نظروں سے شعر کو دیکھتا رہا پھر دونوں چیزیں اٹھا کر ''زیمل'' اپنے دراز میں ڈال کر اٹھ گیا، آج سے وہ یونیورسٹی دوبارہ جوائن کر رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے ایک اضطراری نظر پورے کمرے میں دوڑائی اور مطمئن ہو کے نگاہ پھیر لی، سب کچھ مکمل تھا صرف زرشام کا انتظار تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو حیران رہ گیا، پورے کمرے میں اندھیرا تھا، صرف کینڈل اسٹینڈ پہ موم بتیاں جل رہی تھیں، خوبصورتی سے سجا ٹیبل، کیک اور ریڈ روز اس کی کمزوری تھے۔

''سرپرائز۔'' وہ چہکتی ہوئی آواز میں بولی اور لائٹس جلا دیں، پورے کمرے کی ڈیکوریشن بدلی ہوئی تھی۔

''تھینکس۔'' اس کے ہونٹ مسکرانے والے انداز میں پھیل گئے، وہ کوٹ اتارتا آگے بڑھ گیا، زیمل وہیں فریز سی ہو گئی، وہ اب ٹیرس پہ کھڑا تھا سلائیڈنگ ونڈو کھولے، وہ آہستگی سے اس کی طرف آئی، دھیرے سے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ باہم جوڑ دیئے، وہ ٹھٹھک گیا۔

''مجھے معاف کر دیں زرشام! میں اس قابل نہیں تھی کہ آپ میرے لئے اتنا کچھ کرتے ہیں یس احسان فراموش ہی نہیں ظالم بھی ہوں مگر آپ تو بہت اچھے ہیں، بہت اعلیٰ ظرف پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' وہ رونے لگی آنسو قطرہ قطرہ اس کی سنہری آنکھوں سے گر رہے تھے اور زرشام کراہ کر رہ گیا وہ آج بھی بے خبر تھی کہ اسے زیمل کے آنسو کس قدر تکلیف دیتے تھے۔

''آپ مجھے برا بھلا ہی کہیں مگر مجھ سے بات تو کریں، مجھے خود سے نفرت ہوتی ہے جی چاہتا ہے مر جاؤں۔'' وہ اب بے حد جذباتی ہو رہی تھی اور اس نئے سال کی صبح زرشام نے سوچا۔

''آپ کا ہر قریبی شخص جلد یا بدیر آپ کو تکلیف دیتا ہے مگر اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ کے نزدیک اہم کون ہے؟ شخص یا تکلیف؟'' اور اسے زیمل بہت عزیز تھی اور اپنے پیاروں کو کوئی بھی جھکانا پسند نہیں کرتا اس نے نرمی سے زیمل کے بندھے ہاتھ کھولے اور اسے ساتھ لگا لیا، وہ اس اعلیٰ ظرفی پہ جیسے زمین میں دھنس گئی تھی۔

''بس کرو زیمل! مت روؤ میری زندگی! تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔'' اس نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے اور اس کی پیشانی پہ گرے بال سمیٹ کر اسے چوما، زیمل کے اندر تک ٹھنڈک اتر گئی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو زیمل! تعلق برابری کی سطح پہ ہونا چاہیے میں دیوتا نہیں ہوں اور نہ تم داسی، اس لئے آؤ ان جھوٹی رسموں کو توڑ دیں، میں صرف تمہارا شوہر ہوں اور تم میری بیوی آج کے بعد صرف یہی تعلق ہماری پہچان ہو گا، نئے سال کے دن پرانی باتیں بھول جاؤ زیمل! آؤ ایک نئی زندگی کا آغاز کریں۔'' وہ اسے لئے اندر کی سمت بڑھ آیا۔

ماحول میں ایک لطیف ٹھنڈک تھی، موسمی اور پام کے درختوں کی مہک فضا میں چکرا رہی تھی اور ہوا چاند کے ساتھ مل کر عجیب سرگوشیاں کر رہی تھی جنہیں سن کر شاخیں جھوم رہی تھی۔

تجھے محتاط کرتا ہوں تیری میں جان لے لوں گا
ان اپنی جھیل آنکھوں کو کبھی پرنم کیا تو نے؟

وہ آہستگی سے بولتے ہوئے اس کی بھیگی متورم آنکھوں پر جھک گیا تھا۔

☆☆☆

گاڑی بڑی روانی سے سڑک پہ پھسل رہی تھی، زیمل نے ڈرائیو کرتے زرشام کو دیکھا اور بڑی قربان ہو جانے والی نگاہ سے دیکھا تھا، پھر اس کے لبوں پہ اک مسکراہٹ رینگ گئی، وہ جتنا باہر سے خوبصورت تھا اتنا ہی اندر سے بھی تھا، زیمل کے دل میں جیسے روشنیاں سی اتر آئیں تھیں، آج صبح ہی تو وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''زیمل! میں نے تائب کو بھی مایوس لوٹا دیا اور بابا کو بھی، مجھے ڈر لگتا ہے پتا نہیں زندگی کتنی مختصر ہے؟ اور ہم اسے نفرتوں اور جھگڑوں میں ہی گزار دیتے ہیں، کہتے ہیں نفرت کو ہزار مواقع دو کہ وہ محبت بن جائے مگر محبت کو ایک بھی موقع نہ دو کہ وہ نفرت بن سکے۔''

''آؤ زیمل! گاؤں چلیں، سب سے ملیں، آؤ، ہم نفرت کو محبت بننے کا موقع دیں۔''

اور اب وہ گاؤں جا رہے تھے جہاں زوریز ملک تھے جو اب صحیح معنوں میں بوڑھے ہو گئے تھے، تنہائی انہیں گھن کی طرح چاٹ رہی تھی دوسری طرف سلطان چوہدری تھے جو ہارٹ پیشنٹ تھے اور اوپن ہارٹ سرجری کروا چکے تھے جس کے ساتھ ہی ان کا ساری دشمنیاں اور نفرتیں بھی بہہ گئیں تھیں، تائب اور گل رعنا تھے جو اپنی زندگی میں بہت خوش تھے سوائے بچھڑ جانے والوں کے دکھ سوا اور کوئی غم نہ تھا انہیں۔

زیمل کو یقین تھا وہ کامیاب لوٹیں گے، بلکہ اسے زرشام پہ کامل اعتماد تھا وہ ستارہ مہرباں جس نے زیمل کی زندگی کندن بنا دی تھی اس کے پاس ایک گر تھا، اس کے پاس محبت تھی، وہ محبت جس کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

محبت تو بادشاہ ہوتی ہے
جو کسی کو رعایا نہیں رکھتی
لیکن غلام ضرور بنا لیتی ہے

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



رحمتوں میں حساب کیسا

مدیحہ تبسم

بارھویں قسط

بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے

حسان اس سے گلے ملتے ہوئے کہہ رہا تھا، جواباً اس نے ہنستے ہوئے ایک چپت اسے رسید کی تھی۔

''دیر تمہاری جانب سے ہوئی ہے میری طرف سے نہیں۔'' عبدالرحمن سے گلے ملتے ہوئے اس کا دل بھر آیا تھا، عبداللہ نے بھی بہت محبت سے معانقہ کیا تھا۔

''وہب اور غوری نہیں آئے۔'' ان دونوں کو غیر حاضر پا کر اس نے حسان سے دریافت کیا تھا۔

''اب کیا ساری پلٹن آ جاتی، صائمہ پھپھو اور شہزاد انکل بھی آج آ رہے تھے گھر میں بہت کام تھے تو امی نے انہیں گھر روک لیا۔'' حسان بتا رہا تھا۔

''جوزفین کدھر گئی۔'' وہ میل ملاپ سے

ناولٹ



فارغ ہوا تو وہ فوراً اس کے ذہن میں جوزفین کا خیال آیا۔

''ہیلو۔'' اسی وقت وہ اس کے عقب سے نکل کر سامنے آئی۔

جوزفین کو سامنے دیکھ کر حسان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا، عبدالرحمن اور عبداللہ بھی حیرت بھری نظروں سے اس انگریز لڑکی کو دیکھ رہے تھے، جس کا صالح نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

''ابو! یہ ہماری یونیورسٹی فیلو ہے جوزفین! اسے پاکستان دیکھنے کا بہت شوق ہے یہ یہاں چند دن کے لئے سیر و تفریح کی غرض سے آئی ہیں۔'' صالح نے اس کا تعارف کروایا، تو ان دونوں نے ہی شفقت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے پیار دیا تھا۔

''یہ میرے اور حسان کے فادر ہیں اور یہ ہمارے چاچو ہیں آئی مین پاپا کے چھوٹے بھائی۔'' صالح نے ان دونوں حضرات کا بھی تعارف کروایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صالح کو جوزفین سے اردو بولتے دیکھ کر حسان کو حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا تھا، جسے جوزفین نے واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

''صالح نے مجھے اردو سپیک کرنا سکھایا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے حسان کی حیرت کو دور کرنا چاہا۔

''پورے سات ماہ اس نے میرا دماغ چاٹا ہے پھر کہیں جا کر اس قابل ہوئی ہے۔'' وہ لوگ اب ڈیپارچر لاؤنج سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا! کسی بھی کنٹری کے وزٹ کے لئے وہاں کی لینگویج کا علم ہونا بہت ضروری ہے ورنہ بہت ساری پرابلمز کو فیس کرنا پڑتا ہے۔'' عبداللہ نے اس کو سراہا تھا، سامان گاڑی میں رکھ کر حسان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''بیٹھو بیٹا!'' عبدالرحمٰن نے جوزفین کے لئے فرنٹ ڈور اوپن کیا۔

''تھینکس انکل!'' وہ ممنون سی حسان کے برابر بیٹھ گئی، شاید یہ اس کی زندگی کا خوشگوار ترین سفر تھا، جس میں ہم سفر اس کا من چاہا تھا اگرچہ عارضی ہی تھا، گھر پہنچنے میں انہیں بہت زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

''آ گئے۔'' گاڑی کا ہارن سنتے ہی سب سے پہلے ہالہ نے نعرہ لگایا تھا، راولپنڈی سے صائمہ پھپھو اور شہزاد انکل بھی کچھ دیر قبل پہنچے تھے، شام میں ارغان کی فیملی نے بھی آنا تھا، صائمہ پھپھو کو تو ساری بات بتائی تھی البتہ ارغان کی فیملی کو مناسب الفاظ میں عبداللہ صاحب نے آگاہ کر دیا تھا، دونوں فیملیز نے ہی نہایت خوشی کا اظہار کیا تھا۔

پہلے سب بڑوں نے ملاقات کی تھی، منزہ نے خوب جی بھر کے اپنے بیٹے کو پیار کیا تھا، اس کے بعد بیک پارٹی کی باری آئی تھی، جوزفین کو دیکھ کر سب ہی حیرت سے ٹھٹھک گئے تھے لیکن صالح کے تعارف پہ سب کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

''میں تو سمجھ رہا تھا شاید صالح اپنے لئے کوئی گوری میم لے آیا ہے۔'' غوری نے کان کھجاتے ہوئے کہا تھا، سب کے لبوں پر مدھم مسکان بکھر گئی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جوزفین کو اردو آتی ہوگی۔

''مجھے اردو لینگویج آتی ہے۔'' جوزفین نے مسکراتے ہوئے اس اسمارٹ لڑکے کو دیکھا تھا جس کی آنکھیں شرارت کی شوخی سے چمک رہی تھیں۔

''جی..... ای..... ای۔'' وہ بری طرح بوکھلایا تھا۔

لاؤنج سب کے قہقہوں سے گونج اٹھا تھا، جن میں سرفہرست خود جوزفین ہی تھی۔

''بھئی پہلے سب بیٹھ کر چائے وائے پئیں باتیں تو ساتھ ساتھ ہوتی رہیں گی۔'' صائمہ پھپھو چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی لاؤنج میں آئی تھیں، حسب معمول آتے ہی انہوں نے بچیوں کے کئی کام اپنے ذمے لے لئے تھے۔

''پھپھو! آپ بیٹھیں میں ڈالتی ہوں چائے۔'' ماہا فوراً ان کی مدد کو لپکی تھی، جوزفین کی نظروں نے ماہا کا تعاقب کیا تھا، زنک کلر کے عام سے سوٹ میں بھی وہ اسے بہت خاص لگی تھی، اس کے چہرے پہ پاکیزگی اور حسن کی ایک عجیب سی کشش تھی جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔

''جس شخصیت کو حسان احمد جیسا شخص چاہے گا وہ عام کیسے ہو سکتی ہے۔'' اس کے ملائمت بھرے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے جوزفین نے ایک شکستہ سی آہ بھری تھی، پتہ نہیں کیا بات تھی اسے ماہا سے کوئی رقابت کوئی جلن، کوئی حسد محسوس نہیں ہوا تھا حالانکہ جب صالح نے

اسے حسان کی انگیج منٹ کے متعلق بتایا تھا تو فطری طور پر اسے اس لڑکی سے بہت حسد محسوس ہوا تھا، لیکن اس وقت اس کے دل میں ایسے کسی جذبے نے سر نہیں ابھارا تھا۔

باری باری سب کو چائے سرو کرنے کے بعد وہ اپنا کپ لئے فلور کشن پہ آ بیٹھی تھی، جہاں بقیہ ینگ پارٹی براجمان تھی۔

''ماشاءاللہ! صالح نے تو خوب قد کاٹھ نکالا ہے، پتہ ہے صالح بچپن میں تم بہت موٹو ہوا کرتے تھے۔'' صائمہ پھپھو نے نہال ہوتی نظروں سے اپنے بھتیجے کو دیکھا تھا۔

''صالح جب یہاں سے گیا تھا تو مرشاء اور ماہا ایک ایک سال کی تھی، اس نے اکثر کہنا چاچی ماہا کو مجھے پٹرائیں، میں نے پٹرانا تو اس نے گرا دینا، سعود نے ڈانٹنا یار، کھا کھا کے موٹے ہوتے جاتے ہو کوئی جان ہمت بھی پیدا کرو۔'' الماس اس کے بچپن کا واقعہ یاد کر کے مسکرائیں۔

''ڈونٹ وری امی جان! میں اپنے سارے بدلے لے لوں گی۔'' ماہا نے شرارت سے صالح کو دیکھتے ہوئے کہا تھا، سب ہی مسکرا دیئے۔

''ویسے یار تمہارا موٹاپا کدھر گیا، اب تو مجھے بھی شوق ہو چلا ہے تمہیں گول مٹول دیکھنے کا۔'' حسان نے پکوڑی چھوڑی تھی ساری محفل زعفران بن گئی۔

''یہ راز کی بات ہے کبھی اکیلے میں بتاؤں گا۔'' آج اس کا دل خوشی سے لبریز ہو رہا تھا۔

کئی سالوں کا خواب آج پورا ہوا تھا، اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنوں کے درمیان آ گیا ہے، کتنی محبتیں بکھری تھیں اس کے اردگرد کتنا اچھا لگ رہا تھا، جیسے وہ کوئی مسحور کن، دلکش خواب دیکھ رہا ہو۔

''میرا خیال ہے دسترخوان لگا لیا جائے۔'' ماہا نے چائے کے کپ واپس ٹرالی میں رکھتے ہوئے صائمہ پھپھو کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا، رمشاء اور منال بھی اس کی مدد کو اٹھ گئی تھیں، البتہ ہالہ وہیں بیٹھی پٹر پٹر زبان چلا رہی تھی۔

☆☆☆

رات کو خوب دیر تک ان کی محفل جمی رہی تھی، منزہ نے کئی دفعہ کہا کہ بچے تھک گئے ہوں گے انہیں آرام کرنے دو، لیکن کوئی بھی اپنی جگہ سے اٹھنے کو تیار نہیں ہوا تھا، جوزفین کو یہ سب بہت بہت اچھا لگ رہا تھا، ان سب کی کمپنی کو وہ اتنا انجوائے کر رہی تھی کہ اسے بھول ہی گیا کہ وہ حسان کی خاطر یہاں آئی ہے۔

''جوزفین! آپ نے شاہی قلعے کا نام سنا ہے۔'' یہ غوری تھا۔

''No۔'' جوزفین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''بہت خوبصورت ریسٹورنٹ ہے میں صبح آپ کو لے کر جاؤں گا، بالکل یونیک ہے، آپ نے اپنی زندگی میں بھی ایسا ریسٹورنٹ نہیں دیکھا ہوگا۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

سب کے چہروں پہ دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی، یقیناً اس نے کوئی پلان سوچ رکھا تھا، اس کا شیطانی ذہن ہر وقت نت نئی شرارتوں کے تانے بانے بنتا رہتا تھا۔

''بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔'' ہالہ نے شاید زندگی میں پہلی دفعہ اس کی رائے سے اتفاق کیا تھا، ان سب کا حیران ہونا لازمی امر تھا، لیکن اگلے ہی لمحے ان سب کی حیرت رفو چکر ہو گئی تھی۔

''لاسٹ ائیر یہ یونیورسٹی سے مل ہو گیا تھا تو شہزاد انکل نے اسی ریسٹورنٹ میں اسے ایز آ ویٹر جاب دلوا دی تھی، اسی لئے وہاں اس کی بہت ہیلو ہائے ہے۔'' اس نے بڑے مزے سے غوری کے بخیے ادھیڑے تھے۔

ایک غیر ملکی کے سامنے اتنی انسلٹ پہ غوری کا غصے سے پاگل ہونا لازمی امر تھا اور انسلٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی بھی کس کے ہاتھوں تھی جو اس کی دشمن اول تھی۔

"اس کی باتوں پہ مت جایئے گا یہ تو ویسے ہی ہر وقت میرے اوصاف حمیدہ سے خائف رہتی ہے۔" اس نے بلبلا کر کہا تھا۔

"اب اس بیچاری کی اردو اتنی بھی اچھی نہیں ہے کہ اسے اوصاف حمیدہ اور خائف جیسے ثقیل الفاظ سمجھ میں آ جائیں۔" صالح نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔

"بٹ ویٹر کی جاب بری نہیں ہے آئی واز آلسو آویٹرس۔" وہ یہی سمجھی تھی کہ شاید ہالہ کا اسے غوری کی جاب کے متعلق بتانا غوری کو اچھا نہیں لگا تھا، اب وہ بیچاری کیا جانتی تھی کہ یہاں تو ہر وقت محاذ کھلے رہتے تھے۔

"اسے آبجیکشن ویٹر کی جاب پہ نہیں فیل ہونے پر ہے۔" رمشاء نے اس کے خیالات کی تصحیح کی تھی۔

"انجوئی شاہی قلعہ ایک Histarical place ہے جسے مغل ایمپلائرز نے سینئر انجینئرز اور آرکیٹیکچرز کی ہیلپ سے بنوایا تھا، اس کی Construction بہت Artistie ways میں کی گئی ہے، وزیٹرز اسپیشلی اس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔" ماہا نے حقیقت بتا کر اس کی الجھن کو رفع کیا۔

"او آئی سی۔" وہ غالباً غوری کی شرارت سمجھ گئی تھی، اسی لئے ہلکے سے مسکرائی تھی۔

"سارے پلان پر پانی پھیر دیا۔" اس نے خونخوار نظروں سے ہالہ اور ماہا کو گھورا۔

"تم اپنی سائرہ بی بی کو ہی سنبھال لو تو بڑی بات ہے۔" ہالہ نے اسے منہ چڑاتے ہوئے کہا تھا۔

"تم تو ویسے ہی ہر وقت مجھ سے جیلس رہتی ہو۔" آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے ہوئے نہایت شان بے نیازی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

"آپ لوگ بہت انٹرسٹنگ ہو ry nice family۔" جوزفین کی آنکھوں میں سب کے لئے تحسین آمیز جذبات تھے، پھر وہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

"Whare is my suit case"

"ہم نے ایک روم آپ کے لئے سیٹ دیا ہے، آپ کا سامان وہیں ہے۔" جواب صالح کی بجائے منال نے دیا تھا۔

"Ok thanks کوئی میرا سوٹ کیس لادے گا ایکچوئلی میں نے گفٹس لئے ہیں آپ سب کے لئے۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا تھا کیونکہ اس نے کبھی کسی کے لئے اس طرح گفٹس نہیں لئے تھے نہ ہی اسے اندازہ تھا، ان نائس لوگوں کے لئے تو ہر چیز ہی حقیر تھی۔

"اس تکلف کی خاص ضرورت تو نہیں ویسے میں آپ کا سوٹ کیس لا دیتا ہوں۔" وہ نے عاجزانہ لہجے میں کہتے ہوئے جھٹ خدمات پیش کی تھیں۔

چند لمحوں بعد وہ اس کا سوٹ کیس دھکیلتا لاؤنج میں داخل ہوا تھا، صالح نے تو سبھی سے ان کے تحائف دے دیئے تھے، البتہ جوزفین سب بزرگوں کی موجودگی سے ہچکچا گئی تھی، اس وقت تمام بزرگ حضرات اپنے اپنے کمرا میں چلے گئے تھے، اس لئے اس نے موقع غنیمت جانتے ہوئے سب کے گفٹس انہیں دے دیئے تھے۔

وہب اور غوری کے لئے بہت خوبصورت ٹائیاں تھیں، جنہیں پکڑتے ہوئے ان دونوں کی شکلیں دیکھنے والی تھیں، کیونکہ ٹائی سے ان دونوں کو بہت چڑ تھی اور انہوں نے کبھی بھی ٹائی نہ باندھی تھی، ان کی رونے والی شکلیں دیکھ لڑکیوں نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی کو ضبط کیا تھا، حسان کے لئے بہت خوبصورت سا پرفیوم تھا یہ شاید پہلا اور آخری تحفہ تھا جو اس نے جو

نے قبول کیا تھا، رمشاء، ہالہ اور منال کے لئے پ اسٹکس اور نیل پالش تھیں اور ماہا کے لئے ت Exponsive جیولری سیٹ جو بہت وبصورت کیس میں پیک کیا گیا، ماہا اتنا مہنگا فٹ لیتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"آپ اتنا Hositate کیوں ہو رہی ہو ماہا، تمہارے لئے تو مجھے یہ گفٹ ہی چھوٹا لگ رہا تھا۔" وہ اپنی نیلگوں آنکھیں ماہا کے چہرے پہ جماتے ہوئے کہہ رہی تھی، لہجہ جو حسرت اور تڑپ لئے ہوئے تھا، اس نے چند لمحوں کے لئے ماہا کو بھی ٹھیٹکا دیا تھا، کسی حد تک تو وہ پس منظر سے واقف تھی، حسان نے لب بھینچتے ہوئے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"ہائیں..... میرے لئے تم نے کچھ بھی نہیں لیا۔" صالح فوراً بول پڑا تھا، وہ بات کو مزید پھیلانا نہیں چاہتا تھا، جوزفین چند دن کی یہاں مہمان تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس دوران کوئی بدمزگی ہو۔

"سوری، یہ تو میں بھول گئی۔" وہ اپنے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"تم یہ لے لو بھائی!" غوری نے جھٹ اپنی ٹائی پیش کی۔

"چاہو تو یہ بھی لے لو۔" وہب اس ایثار میں کیوں پیچھے رہتا۔

"I think you dont like it۔" جوزفین نے قدرے رک کر دونوں کی شکلیں دیکھتے ہوئے اندازہ قائم کیا تھا۔

"No, No, No۔" غوری نے بڑی تیزی سے نفی کی تھی۔

"Actually we want کہ بچہ ڈس ہارٹ نہ ہو۔" وہب نے توجیہہ پیش کی۔

"بچہ؟" جوزفین نے حیرت سے نظریں گھما کر سب کو دیکھا تھا۔

"بچہ..... بچہ آئی مین چائلڈ، بے بی۔" اس نے جلدی سے لفظ بچہ کی وضاحت کرنا چاہی۔

"آئی نو، دیٹس رائٹ بٹ دیئر از نو بے بی۔" اسے بچہ کی لغت تو سمجھ آ گئی تھی لیکن یہ کس اصلاح میں استعمال کیا گیا ہے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون سا بچہ اور کس کا بچہ۔

"بچہ سے مراد صالح بھائی ہیں۔" منال اس کی الجھن سمجھ گئی تھی۔

"ویری نائس..... یو آر ویری نائی بوائے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، وہب کھسیانا ہو کر سر کھجانے لگ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب سویا جائے، رات بیت چکی ہے، باقی باتیں پھر سہی۔" حسان نے اٹھتے ہوئے محفل کو برخاست کرنا چاہا۔

"رائٹ، مجھے بھی بہت نیند آ رہی ہے۔" منال بھی اس کی تائید کرتی کھڑی ہو گئی۔

"تھینک یو سو مچ جوزفین! ہمیں آپ کے گفٹس بہت پسند آئے ہیں۔" ماہا نے سب کی طرف سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"آپ سب جتنے نائس ہو یہ تو کچھ بھی نہیں تھنگ۔" اس کی نظریں ایک بار پھر اس کے چہرے پہ ٹک سی گئیں۔

"غوری! یہ سوٹ کیس واپس رکھ آؤ، اٹھو منال کمرے میں چل کر سوؤ، رمشاء تم یہ چیزیں اوپر لے جاؤ میں ذرا گھسیٹ روم دیکھ لوں، کسی چیز کی کمی تو نہیں۔" جوزفین کی نظروں پہ وہ خود سے الجھتی سب کو ہدایات دیتی کھڑی ہو گئی۔

صالح پہلے ہی اندر جا چکا تھا، شاید وہ بہت تھک گیا تھا، باقی سب بھی اٹھ گئے تو وہ گھسیٹ روم میں آ گئی جو فی الحال جوزفین کے لئے مختص تھا، ہر چیز چیک کر کے مطمئن ہوتی وہ باہر نکلی تو جوزفین، حسان کو پکار رہی تھی۔

"شاید کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" وہ آگے جانے کی بجائے واپس کمرے میں آ گئی۔

"حسان! Your prrfume۔" اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہاتھ میں وہی پرفیوم تھا جو وہ اس کے لئے لائی تھی شاید وہ بھول کر یہیں رکھ کر چلا رہا تھا۔

''او..... تھینکس۔'' حسان نے پرفیوم اس کے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

''یونو حسان! لندن ایئر پورٹ پہ تمہیں سی آف کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ اگر تم جلد واپس نہ آئے تو میں خود پاکستان آجاؤں، دیکھ لو، اپنی بات پہ قائم رہتے ہوئے میں آ گئی ہوں۔'' وہ محبت سے لبریز بڑے مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔

''بس میں مزید نہیں سن سکتی۔'' ماہا کا دل سینے میں بہت بے قرار ہو کے مچلا تھا، مزید سننے کا اس میں یارا نہ تھا، پردہ ہٹائی وہ باہر نکلی اور تیز تیز قدم اٹھائی ان کے پاس سے گزرتی چلی گئی، حسان نے بے حد چونک کر ماہا کو دیکھا تھا۔

''او کے جوزفین! گڈ نائیٹ۔'' عجلت میں کہتا وہ اس کے پیچھے لپکا تھا لیکن تب تک وہ اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔

☆☆☆

''ابو جان! آپ نے بلایا تھا۔'' وہ کمرے میں داخل ہوا تو عبدالرحمن بیڈ پہ نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھے، ابھی تھوڑی دیر پہلے منال اسے پیغام دے کی گئی تھی کہ بڑے ماموں آپ کو بلا رہے ہیں، وہ خود بھی جب سے آیا تھا کسی وقت تنہائی میں ان سے ملنے کا خواہشمند تھا، لیکن ایسا موقع اسے مل نہیں رہا تھا، صائمہ پھپھو اور شہزاد انکل بھی آج واپس گئے تھے، باقی سب بھی کالج یونیورسٹی سدھارے تھے، عبدالرحمن کی طبیعت آج کچھ ناساز تھی، اسی لئے وہ آج گھر نظر آرہے تھے۔

''ہاں بیٹا! آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے کتاب بند کر کے سائیڈ دراز پہ رکھی گلاسز اتارنے اور قدرے سیدھے ہو کے بیٹھ گئے، وہ خاموشی سے پائنتی کے پاس پڑے دھری چیئر پہ بیٹھ گیا۔

''اور سناؤ دل لگ گیا ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

''جی بہت زیادہ۔'' اس کے چہرے پہ اندرونی خوشی کا عکس تھا۔

''ارغان سے ملے ہو، کیسا لڑکا لگا ہے۔'' چونکہ بھائی تھا اس لئے انہوں نے اس کی رائے لینا چاہی تاکہ اس کے اندر بھی احساس ذمہ داری پیدا ہو۔

''بہت اچھا بہت نائس لڑکا ہے، فیملی بھی بہت اچھی ہے، مجھے تو سب بہت پسند آئے ہیں، مجھے وہاں بھی حسان نے فون کر کے بتایا تھا، میں نے تب ہی سمجھ لیا تھا جیسے حسان نے او کے کر دیا ہے وہ عام ہو ہی نہیں سکتا۔'' اس کے لہجے میں حسان کے لئے محسوس کی جانے والی محبت تھی، عبدالرحمن لحظہ بھر کو چپ ہو گئے۔

''حسان نے واقعی بہت چھان بین کی تھی، میں نے تو ساری ذمہ داری اس پہ ہی ڈال دی تھی۔'' وہ بولے پھر ہلکا سا کھنکھار کے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''وہ جو تمہاری کلاس فیلو ہے کیا نام ہے۔''

''جوزفین!'' صالح محتاط ہو کے بیٹھ گیا۔

''ہاں جوزفین بڑی اچھی بچی ہے ماشاء اللہ۔'' انہوں نے تعریف کی، صالح کا دل کھٹک کیا، وہ جانتا تھا اس کا تذکرہ انہوں نے بات برائے بات نہیں کیا۔

''پاکستان اس کے رشتہ دار وغیرہ رہتے ہیں جنہیں صرف ملنے ملانے آئی ہے یا سیر و تفریح کے لئے آئی ہے تمہارے ساتھ۔'' انہوں نے لہجہ یونہی سرسری سا رکھا تھا۔

''رشتہ دار تو نہیں رہتے، یہاں تو وہ سیر و تفریح کے لئے آئی ہے۔'' صالح نے بھی بڑے نپے تلے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''دراصل یہ جو عورتیں ہوتی ہیں ناں بیٹا! یہ بڑی شکی مزاج ہوتی ہیں دل بھی تو ان کا چھوٹا سا

ہے جلدی کھٹکے میں پڑ جاتا ہے، تمہاری ماں سوچ رہی ہے کہ شاید تم دونوں کی آپس میں الومنٹ ہے اس لئے وہ تمہارے ساتھ ہی آ ہے۔'' انہوں نے بڑے سادہ سے لہجے میں کراتے ہوئے بہت بڑی بات پوچھ لی تھی۔

''نن..... نہیں تو..... ابو جان!'' وہ تو بوکھلا ، جوزفین کے متعلق اس نے ایسا کچھ نہیں چاہتا اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ رکھتا تھا۔

''دیکھو بیٹا گھبراؤ مت، اگر ایسی کوئی بات بھی تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں، بہت ساری یاں اسلام قبول کر کے مسلمان لڑکوں سے ی کرتی ہیں، اس میں کوئی برائی اور کوئی ت نہیں۔'' نرم لہجے میں کہتے ہوئے انہوں اپنے تئیں اس کا حوصلہ بڑھانا چاہا تھا۔

''نہیں ابو جان کیسی کوئی بات نہیں، میں یہ بات کسی کو بتانی تو نہیں تھی لیکن اب چونکہ حت ضروری ہو گئی ہے تو بتا دیتا ہوں کہ ین، حسان میں انوالو ہے۔'' جب سے ن نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے، شروع ع میں تو حسان نے اس کی خوب عزت ی کی تھی، لیکن جب میرے ماما، پاپا اور بعد حسان کی ماما کی وفات ہوئی تو ایسے میں ین نے ہمارا بہت ساتھ دیا۔

''تب سے حسان کا رویہ کچھ چینج تو ہو گیا پھر بھی جوزفین کو پسندیدگی کا درجہ نہیں دے حسان پاکستان آیا تو جوزفین صرف اس کا دل دریافت کرنے کے لئے مجھ سے کونٹیکٹ لی، میں نے حسان کی انگیج منٹ کے متعلق وہ بہت بے قرار ہو گئی، خیر میرے سمجھانے نے اپنے کزن پیٹر سے شادی کا فیصلہ تو کر لیکن ایک دفعہ وہ حسان سے ملنا چاہتی تھی لئے پاکستان آ گئی۔'' اس نے مکمل تفصیل بتا سانس لیا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ن کے دل میں کوئی خلجان یا تردد باقی رہے۔

''حسان نے کبھی دلچسپی نہیں لی جوزفین میں۔'' لمحہ بھر کے لئے تو ساری بات سن کے سوچ میں پڑ گئے تھے، کچھ نے دیر بعد انہوں نے دریافت کیا تھا۔

''حسان نے جوزفین تو کیا کبھی کسی لڑکی میں دلچسپی نہیں لی، نازنین آنٹی نے اس کی تربیت ہی اس نہج پہ کی ہے کہ وہ آزاد ماحول کی لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا۔'' صالح نے انہیں حقیقت بتائی تھی۔

''یقیناً، نازنین بہت بلند ہستی تھی۔'' انہوں نے مزید توصیفی کلمات کہنے چاہے تھے لیکن درد کی ایک تیز لہر نے ان کے لبوں کو سی دیا تھا، یہ درد دل کے اسی حصے سے اٹھا تھا جہاں نازنین بستی تھی۔

''ابو جان! نازنین آنٹی نے آپ کے لئے یہ خط دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ خط میں چپکے سے آپ کو دے دوں اور الوداعی ملاقات میں انہوں نے آپ کو سلام بھی بھیجا تھا۔'' صالح نے اپنی شرٹ کی اوپری جیب میں سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، عبدالرحمن نے لرزتے ہاتھوں سے اسے کھولا تھا۔

السلام وعلیکم!

امید ہے خیریت سے ہوں گے سوچا تو یہی تھا کہ اب کبھی زندگی بھر آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گی، لیکن قوی امید ہے کہ جب یہ خط آپ تک پہنچے گا اس دنیا میں نازنین کا وجود نہیں ہوگا اس لئے یہی سمجھئے کہ آخری بار آپ سے بات کرنے کی جسارت کر رہی ہوں۔

حسان احمد آپ کی نشانی کے طور میرے پاس ہے، میں اسے ہمیشہ آپ کی امانت سمجھتی رہی اور جہاں تک ممکن ہو سکا اس کی تربیت اچھے طور طریقوں پر کرنے کی کوشش کی، لیکن شاید میں اس کی زندگی میں موجود باپ کی کمی کے خلا کو پورا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ کرسکی۔

صالح عبدالرحمٰن آپ کا بیٹا بالکل آپ کا پرتو ہے، مجھے یقین ہے میں اسے جتنا سمجھاؤں، مجبور کروں یہ حسان کو اس کا مقام دلا کر رہی رہے گا، حالانکہ میں نہیں چاہتی کہ میری یا میرے بیٹے کی وجہ سے آپ کا گھریلو نظام متاثر ہو۔

میری آپ سے التجا ہے کہ اگر حسان آپ کے پاس آ گیا تو اس کو چاہے ایک ہی دفعہ لیکن باپ کی شفقت ضرور دیجئے گا، وہ رشتوں کو ترسا ہوا ہے، اس کے اندر محرومیوں کی پیاس ہے جسے آپ اور آپ کا گھرانہ ہی دور کرسکتا ہے، آپ حسان کو کسی اور محرومی کا شکار مت کیجئے گا۔

باقی آپ نے اپنا نام جو میرے نام کے ساتھ جوڑا تھا، میں نے پوری کوشش کی کہ اس نام کی لاج رکھوں، اس نام پہ آنچ نہ آنے دوں اور آپ سے ایک آخری التجا کروں گی کہ اللہ سے دعا کیجئے گا وہ جنت میں ہم دونوں کو اکٹھا کر دے، جہاں کی زندگی دائمی اور ابدی ہے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ آپ کی زندگی کو ہر طرح سے پرسکون رکھے آمین۔

فقط واسلام

نازنین احمد عبدالرحمٰن

لفظ ان کی آنکھوں کے سامنے دھند لانے لگ گئے تھے، پورا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا، آنسو اب کاغذ کو بھی گیلا کرتے جا رہے تھے، لیکن وہ یہاں ہوتے تو انہیں احساس ہوتا، وہ تو نازنین کے ساتھ اپنی پندرہ دنوں کی یاد میں کھو گئے تھے، جو انہوں نے شارجہ میں اس کے ساتھ گزارے تھے، محبت تو وہ بھی اس سے کر بیٹھے تھے، لیکن وہ اپنا گھر نہیں توڑ سکتے تھے کیونکہ منزہ بہرحال ان کی اولین چاہت تھیں، صالح انہیں آنسو بہاتے دیکھ کر چپ چاپ اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔

☆☆☆

میرے جان و دل، میرے ہم سفر میں اداس ہوں

کوئی بات کر

تیرے لب ہلیں تو کٹے سفر میں اداس ہوں کو

بات کر

کوئی بوجھ ہے تو اتار دے کوئی خوف ہے تو نکا

دے

میرا ہاتھ ہے تیرے ہاتھ پر میں اداس ہوں کو

بات کر

نہیں یاد کتنے برس گئے، تیری گفتگو کو ترس گئے

میری کھڑکیاں میرے دیوار و در میں اداس ہو

کوئی بات کر

تجھے چپ ہے کیسی لگی ہوئی، اب عمر تو ہے پڑ

ہوئی

ابھی مسکرا، ابھی غم نہ کر، میں اداس ہوں کوئی با

کر

''رمشاء! ذرا میرے کمرے کی ڈسٹنگ کر دو، رات سب کمرے میں اودھم مچاتے ر ہیں، ہر چیز الٹ پلٹ ہو گئی ہے، مجھے الجھن ہو رہی ہے۔'' ماہا اور رمشاء کوئی فیشن میگزین کھو بیٹھی تھیں اور کپڑوں کے نت نئے ڈیزائن اظہار خیال کر رہی تھیں، جب حسان نے کمر میں داخل ہوتے ہوئے رمشاء کو مخاطب کیا تھا ماہا کو یوں نظر انداز کر گیا تھا گویا وہ یہاں موجو نہ ہو۔

''بھائی! آپ یہ کام ماہا سے کہیں مستقبل میں بھی تو اسی نے کرنا ہے۔'' رمشاء شرارت سے کہتے ہوئے ماہا کو چڑا رہی تھی، ح کے لب بھینچ گئے۔

''مستقبل کا کیا پتہ۔'' وہ اس کی ط متوجہ ہوئے بغیر مبہم سے لہجے میں گویا ہوا۔

''الویں نہیں پتہ، آپ اپنے سارے اس محترمہ سے کروائیے گا، اگر چوں چرا کر مجھے بتائیے گا، میں اسے منٹوں میں سیدھا کر ہوں۔'' وہ ابھی بھی مائل بہ شرارت تھی۔

''یعنی تم اب اپنی جان چھڑوانا چا

''اس نے صاف رمشاء کی شرارت کو ٹالا تھا۔

''یہی سمجھ لیں۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنستے ئے بولی۔

''او کے میں منال یا ہالہ سے کہہ دیتا ں۔'' وہ پلٹنے لگا تو رمشاء پیچھے سے چلا اٹھی۔

''توبہ ہے بھائی! آپ نے تو ابھی سے سے مہارانی بنا لیا ہے، نہایت سست لڑکی ہے بعد میں تو اور کاہل ہو جائے گی ابھی سے ٹائیٹ رکھیں بات بنے گی۔'' وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی، ن دونوں کے خاموش رویے کو محسوس ہی نہ کر سکی بھی بظاہر ماہا کو چھیڑتے ہوئے اس نے جیسے پنے تئیں بڑے پتے کی بات بتائی تھی۔

''تھینکس۔'' وہ فقط مسکرا کے رہ گیا۔

''مینشن ناٹ۔'' ادائے بے نیازی سے ہتی وہ باہر نکل گئی۔

ماہا کے دل پہ کسی نے گھونسہ مارا تھا، حیران ی نظر اندازی وہ کئی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی، گزشتہ دو دنوں سے تو اس نے اسے مخاطب بھی ہیں کیا تھا، اسے دیکھتے بھی یوں انجان بن جاتا گویا دیکھا ہی نہ ہو، پاس سے بھی گزرتا تو اپنا آپ بچاتا ہوا نہایت سرد مہری سے، ماہا کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگیں۔

''کیوں کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ ایسا؟'' اس سے رہا نہ گیا تو بالآخر پھٹ پڑی، وہ بھی کہاں تک برداشت کرتی، خود ہی تو اس نے سے اپنا عادی کیا تھا، ہر کام کے لئے اسے پکارنا، ذرا بھی وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی تو گھر کے ایک ایک فرد سے اس کا پوچھنا اب وہ اس کو سامنے چلتی پھرتی بھی نظر نہیں آتی تھی۔

''میں کیا کر رہا ہوں۔'' وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''آپ کو نہیں پتہ، آپ کیا کر رہے ہیں۔'' گیلی پلکیں اٹھا کر نہایت کاٹ دار نظروں سے اس نے اسے دیکھا تھا۔

''میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا۔'' نظریں چراتے ہوئے رخ پھیر کے وہ جانے کے لئے پلٹا تھا۔

''سچ نظر چرا کر نہیں نظر اٹھا کر بولا جاتا ہے۔'' ماہا سرعت سے اس کے سامنے آئی تھی اور دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی، وہ جب تک اسے دھکیل کر پیچھے نہ کرتا باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

''دیکھو، خوامخواہ کے وہم میں مت پڑو اور راستہ چھوڑو، مجھے باہر جانا ہے۔'' وہ اب بھی اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

''کیوں، باہر جوزفین آپ کے انتظار میں کھڑی ہے۔'' وہ بولی تو لہجے میں حسد کی بو رچی ہوئی تھی، کوئی اور وقت ہوتا تو حسان اس کے جملے کو خوب انجوائے کرتا اور اسے دلی خوشی محسوس ہوتی کہ ماہا اس کی ذات میں شرکت برداشت نہیں کر سکتی، یہ اس کی محبت کی واضح دلیل تھی۔

لیکن اب پانسہ پلٹ چکا تھا، وہ اپنے ہر حق سے دستبردار ہو گیا تھا حتیٰ کہ ماہا عبداللہ سے بھی، جو اس کے دل کا سکون تھی، روح کا قرار تھی، وہ چپ چاپ یہاں سے جانے کی تیاری کر رہا تھا، اپنی ذات کی وجہ سے وہ کسی کے لئے آزمائش بننا نہیں چاہتا تھا اس گھر سے اسے پیار محبت چاہت مان اور اعتماد سب کچھ ملا تھا، وہ صالح کی جگہ لے کر مزید دن کی محبتوں کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

ماہا سے بے رخی کی وجہ بھی یہی تھی، وہ چاہتا تھا ماہا خود ہی اس کے رویے سے بد دل ہو کر صالح کی طرف متوجہ ہو جائے اور ویسے بھی اسے دیکھ کر وہ زیادہ دیر تک خود پہ کنٹرول نہیں رکھ سکتا تھا، دل اس کی جانب ہمکنے لگتا تھا، نگاہیں سرکشی پہ اتر آئی تھیں، اسی لئے وہ اسے نظر انداز ہی کر رہا تھا۔

''جوزفین کا یہاں کیا تذکرہ۔'' حسان نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسی کا تذکرہ ہے، جب سے وہ یہاں آئی ہے آپ مجھ سے بات کرنا تو درکنار دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، جبکہ اس کے ساتھ بڑا ہنس ہنس کے باتیں ہو رہی ہوتی ہیں۔" وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

"آپ کے اور اس کے تعلق کو کیا سمجھوں میں؟" وہ نگاہیں اس پہ گاڑ کے اشتعال آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"جو تمہارا دل کہے وہ سمجھ لو مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں۔" بدلحاظی سے کہتا وہ اسے گنگ ہی تو کر گیا۔

"کیوں پرواہ نہیں ہے۔" وہ ایکدم بھڑک اٹھی تھی۔

"جب مجھ سے عشق و محبت کے دعوے ہو رہے تھے تو اس وقت آپ کی پرواہ کہاں تھی یا اب جوزفین کو دیکھ کر ارادہ بدل گیا ہے۔" اس نے طنز میں لپٹا تیر اس کی طرف اچھالا، تیر سیدھا حسان کے دل میں پیوست ہو گیا لیکن وہ ضبط کر گیا۔

"ارادہ بدل بھی جائے تو کیا برائی ہے آخر وہ صرف میری خاطر یہاں تک چلی آئی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر ٹھوس لہجے میں بولا اور بے دردی سے اسے بازو سے کھینچ کر پیچھے دھکیلا اور اگلے ہی لمحے دروازہ عبور کر گیا۔

ماہا ساکت وجود لئے وہیں جم کے رہ گئی اسے ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا کہ حسان نے یہ سب کچھ اس سے کہا ہے۔

"اگر ایسی بات ہے حسان احمد! تو ماہا عبد اللہ بھی کوئی گری پڑی چیز نہیں جس کی کوئی قدر و منزلت نہیں اور وہ تمہارے آگے اپنا وجود بے مول کرتی پھرے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی پانیوں سے بھر گئی تھیں، ایسا کہہ دینا یا سوچ لینا بہت آسان تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کا دل جو تعلق حسان کے ساتھ استوار کر چکا تھا وہ اس کی لاکھ بے رخی اور بے اعتنائی کے باوجود بھی جوں کا توں تھا، بلکہ روز بروز بڑھتی ہوئی بے قراری شاید اس تعلق کو مزید مضبوط سے مضبوط تر کرتی جا رہی تھی اسے خود پہ کنٹرول نہ رہا تو بیڈ پہ گر کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگ گئی۔

☆☆☆

"یہ دن میری زندگی کے بہترین دن تھے جو میں نے آپ سب کے ساتھ گزارے بہت خوبصورت Very nice۔" آج جوزفین کی واپسی تھی، ان سب کی یادوں کو سمیٹ کر جہاں وہ بہت خوش تھی وہیں ان سب سے بچھڑنے کی اداسی بھی تھی۔

"آپ کا اپنا گھر ہے بیٹا! جب آپ کا دل چاہے آ جاؤ۔" منزہ نے اسے ساتھ لگا کر محبت بھرے لہجے میں کہا تو دل کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

"Know aunty ایسا Behave تو کبھی میری مام نے میرے ساتھ نہیں کیا۔" وہ نم لہجے میں بولی۔

اسے واقعی نہیں یاد تھا کہ اس کی مام نے کبھی اتنے محبت اور خلوص کے ساتھ اسے پیار کیا ہو، پہلی تو بات یہ ہے کہ اس کی ملاقات ہی بہت کم ہوتی تھی، ان کی اپنی بہت سی ایکٹویٹیز تھیں جن میں سے جوزفین کے لئے ٹائم نکالنا ان کے لئے بہت مشکل تھا اور کبھی ایسا اتفاق ہو بھی جاتا تو وہ بالکل رسمی سے انداز میں اس کے گال چھو پیار کر کے ہیلو ہائے کر کے چلتی بنتی اس سے نہیں زیادہ پیار تو وہی اپنے کسی راہ چلتے بوائے فرینڈ سے کر لیتی تھیں۔

گھر اور اس سے متعلق حقیقی خوشیاں کیسی ہوتی ہیں یہ اس نے یہاں آ کر جانا تھا اور خود سے پختہ عہد کیا تھا کہ وہ بھی اب پیٹر کے ساتھ مل کر ایک ایسا ہی گھر بنائے گی، جہاں ہر طرف خوشیاں، محبت اور رنگ بکھرے ہوں۔

"بس بیٹا! وہاں کا ماحول ہی ایسا ہے، ایسے پیرنٹس کو پھر ان کی اولاد اولڈ ہومز میں داخل نہ کروائے تو پھر کیا کرے۔" منزہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہتے ہوئے افسوس کیا۔

"You are rigth بٹ میں نے سوچا ہے میں آفٹر میرج بالکل اس گھر کی طرح ایک Compelete family home بناؤں گی۔" اس کی آنکھیں کسی بہت خوبصورت خیال کے عکس سے چمک رہی تھیں شاید تصور میں وہ ایک ایسا ہی گھر دیکھ رہی تھی، ماہا نے لب بھینچ کر اس کے چمکتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"اللہ پاک تمہیں بہت سی خوشیاں دے۔" منزہ نے تہہ دل سے دعا دی۔

"چلیں بھئی، آپ کا میل ملاپ ہی ختم نہیں ہو رہا، فلائیٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔" اسی وقت صالح اندر داخل ہوا تھا، وہ اور حسان اسے ائیر پورٹ تک چھوڑنے جا رہے تھے۔

رات جب وہ اپنی پیکنگ کرنے لگی تھی، تو منزہ نے اسے بہت نفیس کارڈ ٹیگن بطور تحفہ کے دیا تھا، الماس نے فینسی اور اسٹائلش شال دی تھی، ینگ پارٹی نے بھی اپنی اپنی طرف سے فرداً فرداً تحائف دیئے تھے، اتنے سارے تحائف بمعہ محبت اور اخلاص کے پا کے وہ پھولے نہیں سما رہی تھی۔

"او کے آنٹی!" وہ الماس کی طرف بڑھی، انہوں نے بھی ساتھ لگا کے پیار کیا، سب سے مل کے وہ آخر میں ماہا کی طرف بڑھی اور اس کے گلے لگتے ہوئے دھیرے سے اس کے کان میں بولی تھی۔

"You are very lucky maha! may God bless you۔" "Thanks۔" ماہا دھیمے لہجے میں مسکرائی۔

سب کو ہاتھ ہلا کے وہ باہر نکلی تو عبد الرحمن اور عبد اللہ باہر کھڑے تھے، دونوں نے سر پہ ہاتھ رکھ کے اسے دعائیں دیتے ہوئے رخصت کیا تھا۔

صالح اس کے انتظار میں کھڑا تھا جبکہ حسان ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے بیٹھا تھا، ان کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی، سارے راستے وہ اور صالح باتیں کرتے آئے تھے درمیان میں کبھی کبھی حسان بھی اپنا حصہ ڈال لیتا تھا۔

"You know hassaan میں جب یہاں آئی تھی تو میری فیلنگز اور تھیں بٹ اب میری فیلنگز ٹوٹلی چینج ہو چکی ہیں اب میں جان گئی ہوں یہ جو خوشیاں ہوتی ہیں ناں، یہ ہمارے اردگرد ہی موجود ہوتی ہیں بس ہمیں انہیں تلاش کرنا اور برتنا آنا چاہیے، اب پیٹر کے ساتھ مل کر بالکل ایک ایسا ہی گھرانہ تشکیل دوں گی۔" ڈیپارچر لاؤنج سے وہ جس وقت رخصت ہونے لگی تو حسان سے مخاطب ہوئی۔

"All my best wishes r with u۔" حسان نے پورے خلوص سے کہا تھا، جوزفین نے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا تھا، پیٹر کا نام لے کر، اسی وقت اناؤنسمنٹ ہونے لگی تو وہ دونوں کو ہاتھ ہلاتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

یہ تھوڑا سا جیون
ادھورا سا موسم
یہ رنگوں کی چاہت
گلابوں کی حسرت
یہ روشن سویرے
یہ مدھم اندھیرے
کسی روز تنہا ملو تو بتائیں
خیالوں کی راہیں
چمکتی نگاہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وفائیں نبھائیں
ادائیں دکھائیں
یہ اک سلسلہ ہے
مگر فیصلہ ہے
اگر جان چاؤ تو احساس رکھنا
اسے راز رکھنا
کروایک وعدہ
بنالوارادہ
ملاقات کرلو
وہی بات کرلو
کسی روز تنہا ملو تو بتائیں
ہماری محبت
تمہاری ادائیں

سب نے رمشاء کو چھیڑ چھیڑ کے اس کا ناک میں دم لگا تھا، ہوا کچھ یوں تھا کہ سعدیہ آنٹی نے فون کرکے ان سب کو ڈنر پہ انوائیٹ کیا تھا اور رمشاء کو بطور خاص لانے کو کہا تھا اور توجیہہ یہ پیش کی تھی۔

''ارغان شادی کے لئے گھر کی کلر اسکیم چینج کررہا ہے اور ساتھ میں ساری سیٹنگ بھی، تو ہم کہہ رہے تھے کہ رمشاء سے بھی مشورہ ہو جائے، آخر کو رہنا بھی تو اسی نے ہے۔'' عبدالرحمن ان کی فرمائش پر تھوڑا متذبذب ہوئے تھے لیکن الماس نے یہ کہہ کر قائل کرلیا۔

''ہمیں یہ سوچنا چاہیے بھائی جان! کہ رمشاء اب اس گھر کی بہو بن چکی ہے، ارغان قانونی اور شرعی طور پر اس کا شوہر ہے، ایسے میں اگر رمشاء وہاں چلی جاتی ہے تو کیا قباحت ہے ویسے بھی ساری فیملی جارہی تھی وہ اکیلی تھوڑی ہے۔''

''اور میرا خیال ہے کہ ڈنر کی بجائے سعدیہ کو لنچ کا کہہ دیتے ہیں، کیونکہ ڈنر اور پھر اس کے بعد مشورہ گپ شپ تو گھر پہنچتے بہت لیٹ ہو جائیں گے، بچیوں کے ساتھ اتنی لیٹ نائٹ واپس آنا مناسب نہیں حالات بھی اتنے ٹھیک نہیں۔'' منزہ نے بھی ساتھ ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''یہ ٹھیک ہے۔'' عبدالرحمن کے دل سے آخری پھانس بھی نکل گئی وہ آدھی رات کو جوان بچیوں اور بچوں کی واپسی سے پریشان ہو رہے تھے کہ آئے دن اخبارات تو نت نئے واقعات سے بھرے رہتے تھے۔

''ہم تو چلے سسرال ہم تو دولہا ہو گئے۔'' یہ غوری تھا، جو ہالہ کے پریس شدہ دوپٹے کا گھونگھٹ نکالے لہک لہک کے گا رہا تھا، رمشاء نے جھنجھلا کے ہاتھ میں پکڑا ہیئر برش اس کی کلائی پہ مارا تھا۔

''ارے..... آپ یہ سن کر کس لئے آگ بگولا ہو گئے۔'' وہ کہاں باز آنے والا تھا، کلائی سہلاتا ہوا پھر شروع ہو گیا تھا۔

''رمشاء! وہ جو تمہارے ملٹی کلر کے ایئر رنگز ہیں، وہ آج مجھے دے دو، میرے سوٹ کے ساتھ میچ ہو رہے ہیں۔'' ہالہ ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی اور نہایت عجیب انداز میں بولی تھی۔

''Sorry۔'' رمشاء نے لٹھ مارا۔

''یا ہے ناں اس دن میں نے کتنا کہا تھا، میرے حصے کے کپڑے دھو دو، تب تو تمہارے کان پہ جوں تک نہیں رینگی، اب میری کسی چیز پہ نظر مت رکھنا۔'' اس نے آنکھیں ماتھے پہ رکھ لی تھی، آخر کو بدلہ لینے کا یہ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔

''یاد کرو اس دن سارے کپڑے میں نے ہی دھوئے تھے، تم تو اپنے سرتاج کی خدمت میں جت گئی تھی۔'' ہالہ نے بلبلا کے اسے یاد دہانی کروائی تھی۔

''وہ تم نے میرے کہنے پہ نہیں امی کے کہنے پہ دھوئے تھے۔'' رمشاء نے آنکھیں سکیڑتے

ہوئے اس کی بات چٹکیوں میں اڑائی۔

''دے دو بیچاری کو ایسا نہ ہو کہ رونے لگ جائے۔'' غوری نے اپنی ٹانگ اڑانے کو ضروری سمجھا تھا۔

''تم۔'' وہ تلملا کے اس کی طرف مڑی اور نظر سیدھی اپنے استری شدہ دوپٹے پہ پڑی جواب غوری کے کندھوں پہ جھول رہا تھا۔

''تمہاری اتنی ہمت۔'' وہ چیل کی طرح اس پہ جھپٹی اور اپنا دوپٹہ کھینچا، اس کے اتنے اچانک اور فوری حملے پہ ایک لمحے کے لئے تو غوری بھی بوکھلا گیا۔

''ستیاناس کر دیا، میرے دوپٹے کا، اتنی مشکل سے پریس کیا تھا۔'' وہ میچنگ ایئر رنگ بھول بھال کے اس سے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئی۔

''میں نے کیا کیا ہے، میں کون سا اس سے پسینہ صاف کرتا رہا ہوں۔'' وہ کہاں شرمندہ ہونے والا تھا، اپنی ازلی ڈھٹائی سے بولا۔

''تمہارا پسینہ اس قابل نہیں ہے کہ میرے دوپٹے سے صاف کیا جائے، خبردار آئندہ میری کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو، ورنہ تمہاری وارڈ روب کا بھی حشر کر دوں گی۔'' دانت کچکچا کے اس نے نہایت شرربار نگاہوں سے اسے گھورا تھا اور اتنا وہ بھی جانتا تھا کہ ہالہ بی بی خالی خولی دھمکی نہیں لگایا کرتی۔

''آ..... ا..... اچھا..... تمہارے گال کو ہاتھ لگا لوں؟'' اس کی طرف جھکتے ہوئے اس نے بڑے رازدرانہ لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''شٹ اپ۔'' ہالہ کرنٹ کھا کے دور ہوتی تھی، گال دہک کر انگارہ بن گئے تھے، شرم اور غصے کے ملے جلے تاثرات نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

''دیکھا..... بولتی بند ہو گئی ناں۔'' وہ گردن اکڑاتے ہوئے بولا تھا۔

''بولتی بند ہو میرے دشمنوں کی، غوری جیسی فضول اور ناکارہ چیزیں میں اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتی، ایسا کارٹون سائز بی بی کو ہی مبارک ہو۔'' اس کا ازلی اعتماد عود کر آیا تھا، چمک کر کہتے ہوئے وہ اس کے دانت کھٹے کر گئی۔

''لڑکیو! تیاری ہو گئی، تمہارے تایا ابو کہہ رہے ہیں جلدی کرو۔'' غوری کا منہ کھلنے سے پہلے ہی الماس دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی اور ان سب کے سر جھاڑ منہ پہاڑ حلیے دیکھ کر وہ اپنا سر تھام کے رہ گئیں۔

''تم سب ابھی تک اول جلول حلیے میں گھوم رہی ہو، اپنے تایا ابو کا پتہ ہے ناں، انہوں نے جلدی میں اسی حلیے میں لے جانا ہے تم سب کو، صرف دس منٹ میں جلدی تیار ہو کے نیچے آؤ۔'' انہوں نے سخت لہجے میں آرڈر دیا، جانتی تھیں اسی طرح سب قابو آئیں گی۔

''اور غوری! تم ادھر لڑکیوں کے کمرے میں کیا کر رہے ہو، چلو تیار ہو چل کے تم بھی۔'' ان کی نظر غوری پر پڑی تو لگے ہاتھوں اسے بھی لتاڑ دیا اور اس نے دم دبا کر بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔

الماس کا آرڈر سن کے ان سب میں بھی افراتفری پھیل گئی تھی، وہ بھی بھاگم بھاگ تیاری کرنے لگیں کہ آخر ماسیوں والے حلیے میں تو رمشاء کے سسرال جانے سے رہیں۔

☆☆☆

سعدیہ آنٹی نے بطور خاص اسے سارا گھر دکھایا تھا، گھر واقعی بہت خوبصورت تھا، گھر کی لوکیشن، کنسٹرکشن، کلر اسکیم اور انٹیریئر ڈیزائننگ ہر چیز ہی کمال تھی، رمشاء کو تو سب کچھ ایسا ہی بہت اچھا لگ رہا تھا، اس کے خیال میں تو کسی بھی تبدیلی کی نہ ضرورت تھی نہ گنجائش۔

آخر میں وہ اسے ارغان کے بیڈ روم میں لے کر آئی تھیں، ارغان نیچے لاؤنج میں سب کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا لہٰذا وہ اطمینان سے جائزہ لینے لگ گئی، سعدیہ آنٹی اسے چھوڑ کر خود نیچے چلی گئیں تھیں۔

رمشاء نے سلائیڈنگ ونڈو کو دھکیلا اور نیچے دیکھنے لگی جہاں سے لان کا ہرا بھرا منظر بہت خوبصورت دکھائی دیتا تھا، اچانک اسے اپنے کندھے پہ دباؤ محسوس ہوا اس نے پلٹ کر دیکھنا چاہا لیکن ایک مضبوط ہاتھ اس کی آنکھوں پہ آن ٹھہرا تھا۔

''بھ..... بھھ..... بھوت۔'' سب سے پہلا خیال حواس کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا۔

''ب..... بچاؤ۔'' وہ بدحواس ہو کر چلائی اسی لمحے فولادی ہاتھ اس کے منہ پہ جم گیا، رمشاء کے تو رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے، جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

''ٹیک اٹ ایزی رمشاء یہ میں ہوں ارغان۔'' اس کی سفید پڑتی رنگت دیکھ کر تو ارغان بھی بوکھلا گیا تھا، وہ تو اپنے ہی کسی کام سے اندر داخل ہوا تھا، رمشاء کو موجود پا کر اس کے لب آپوں آپ ہی کھل اٹھے تھے، وہ تو بڑے رومینٹک موڈ پہ اس کی طرف بڑھا تھا کیا پتہ تھا کہ محترمہ کا دل چڑیا سے بھی زیادہ چھوٹا نکلے گا۔

''مائی گاڈ!'' رمشاء کا دل ابھی بھی بری طرح دھڑک رہا تھا۔

ارغان نے اسے بیڈ پہ بٹھایا اور روم فریج سے پانی نکال کر گلاس میں انڈیلا اور اس کی طرف بڑھایا وہ غٹا غٹ ایک ہی سانس میں سارا گلاس خالی کر گئی۔

''توبہ..... تم نے تو مجھے بھی ڈرا دیا۔'' وہ چیئر دھکیل کے اس کے سامنے بیٹھ گیا، حواس کس قدر ٹھکانے پہ آئے تو اسے ازحد ندامت نے آن گھیرا۔

''سوری۔'' وہ نگاہیں جھکا کر بولی، ارغان مسکرا دیا۔

''مجھے کیا پتہ تھا کہ میری زوجہ محترمہ اتنی بزدل واقع ہوں گی۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں مصنوعی افسوس بھرا تھا۔

''اور مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ آپ ہوں گے، میں سمجھی کہ کمرے میں کوئی بھوت پریت ہو گا۔'' اس کا دل ابھی بھی دھک دھک کر رہا تھا، لیکن حواس ٹھکانے پہ آ چکے تھے۔

''یہ کمرہ تمہیں کسی بھوت پریت کا لگتا ہے؟'' ارغان نے اسے آنکھیں نکالیں۔

''کم بھی نہیں ہے۔'' وہ ہنسی۔

''تو پھر تیار ہو جاؤ یہ بھوت تم پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔'' وہ اٹھ کر بڑے جارحانہ تیور لئے اس کی سمت بڑھا تھا۔

رمشاء نے سٹپٹا کر دروازے کی طرف دوڑ لگائی، ارغان پہلے ہی اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا، بیچ راستے میں ہی اسے جا لیا۔

''اب تو تمہارا اصل مسکن یہی ہے، کہاں تک بھاگو گی۔'' اسے دونوں بازوؤں کے حصار میں جکڑتے ہوئے اس نے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے۔

رمشاء کی تو روح فنا ہو گئی، اس کی قربت نے اسے بری طرح پزل کر دیا تھا اوپر سے کسی کے آ جانے کا خوف اس پہ سوار تھا۔

''ایمان سے آج دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں یہیں روک لوں کیا خیال ہے۔'' اس کے چہرے پہ پھیلتی سرخی کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے بڑے دلکش لہجے میں کہا۔

رمشاء نے تھوک نگل کے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ اس کے حلق سے برآمد ہی نہیں ہوئے، عرق آلود پیشانی سمیت وہ مزید سر جھکا گئی۔

اس نے چند لمحے نہایت دلچسپی و محبت سے شرم و حیا کے اس پیکر کو دیکھا پھر بڑے گمبھیر اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

اس کے چہرے کی تمازت سے پگھلتے حروف

جیسے کہسار پہ کرنوں کے قبیلے اتریں
جیسے گھل جائے خیالوں میں حنا کا موسم
جیسے خوشبو کی طرح رنگ نشیلے اتریں

رمشاء کا چہرہ مزید گلنار ہو گیا تھا، ارغان کے لباس سے پھوٹتی خوشبو نے اس کے چاروں اور حصار قائم کر دیا تھا، ایسا حصار جس میں محبت تھی، چاہت تھی، مان تھا، ایقان تھا۔

''میری بھرپور کوشش ہو گی رمشاء کہ زندگی کے آنے والے سفر میں، میں تمہیں یونہی تر و تازہ شاداب اور مسکراتا رکھوں، تم سفر میں میرا ساتھ دو گی ناں؟'' اس کے لہجے سے جذبوں کی سچائی جھلک رہی تھی اور آنکھوں میں امید اور مان کے بہت سے دیئے جگمگا رہے تھے۔

''جی!'' آواز تو شاید اس کے حلق سے باہر نہ نکل پائی تھی البتہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس نے ارغان کی آنکھوں میں جلتے چراغوں کی روشنی کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔

''تھینک یو سو مچ مائی لائف!'' محبت کے بے پایاں احساس سے سرشار ہو کر اس نے اس کی پیشانی پہ پیار کیا تھا اور مسکراتے ہوئے اس کے گرد سے حصار ختم کیا تھا۔

وہ دن رمشاء کے لئے بہت خوبصورت تھا، اسے سارا دن اپنے وجود سے ارغان کی خوشبو آتی رہی، اس کی باتیں یاد آتیں تو وہ محجوب سی ہو کر خود میں سمٹ جاتی اور لبوں پہ ایک مدھم مسکان بکھر جاتی۔

اس نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ شادی کے بعد وہ نہ صرف ارغان بلکہ اس کے والدین کی بھی ہر امید پہ پورا اترے گی، کیونکہ اسے ایک مکمل خوشگوار ماحول ارغان اور اس کی فیملی کو پروائیڈ کرنا تھا، جیسا کہ اس کے اپنے گھر کا تھا، یہی اس کی تربیت کا تقاضہ تھا اور یہی فطرت کا بھی۔

☆☆☆

''میں لندن جانا چاہتا ہوں۔'' ڈنر کے دوران حسان کے انکشاف نے سب کو حق دق کر دیا تھا، وہ سب کھانا بھول بھال کے بے چین نظروں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

ماہا نے لب بھینچتے ہوئے چمچ پلیٹ میں رکھا تھا، صالح نے پہلے حسان اور پھر ماہا کے تاثرات کو نوٹ کیا۔

''لیکن بیٹا! یہاں کوئی پرابلم ہے تو ہمیں بتاؤ۔'' عبدالرحمن نے مشفق اور نرم لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں پاپا! پرابلم کوئی نہیں ہے، ایکچوئلی ایک تو لندن میں میری کچھ پراپرٹی ہے اسے سیل کرنا ہے اور کچھ چند ایک کام اور ہیں جنہیں نمٹانا ہے، پھر میں واپس آ جاؤں گا۔'' ان سب کے تاثرات نے اسے خوبی باور کروا دیا تھا کہ وہ اسے ایسے نہیں جانے دیں گے لہٰذا اس نے یہ بہانہ گھڑ لیا تھا تاکہ سب مطمئن ہو کے اسے اجازت دے دیں۔

''مائی گاڈ بھائی! آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا، میں سمجھی آپ ہمیشہ کے جانے کی بات کر رہے ہیں۔'' ہالہ نے اطمینان بھرا سانس خارج کرتے ہوئے دوبارہ سے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔

''اس سارے پروسیجر میں اندازاً کتنی دیر لگ جائے گی؟'' عبداللہ نے دریافت کیا۔

''دیکھیں چاچو فی الحال تو کچھ کہا نہیں جا سکتا، میں ویسے بھرپور کوشش کروں گا کہ جلد سے جلد تمام کاموں کو ختم کر لوں۔'' اس نے گول مول جواب دیا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیادہ دیر لگ جائے، رمشاء اور ماہا کے امتحان تو بالکل سر پہ ہیں، رمشاء کے سسرال والے تو زیادہ انتظار کرنے کے موڈ میں نہیں لگتے، ایسا نہ ہو کے پھر شادی لیٹ کرنی پڑ جائے۔'' منزہ نے ممکنہ صورتحال کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ حسان اب تھوڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر مزید روک جائے، شادی کے بعد ہی چلا جائے بلکہ ممکن ہو سکے تو ماہا کو بھی لے جاتے کام بھی ہو جائے گا اور وزٹ بھی۔'' عبدالرحمن نے درمیانی راہ نکالی۔

عبدالرحمن کی تجویز سن کے وہ بری طرح سٹپٹا گیا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی ایسی تجویز بھی پیش کر سکتا ہے، اسی لئے چند لمحات تک وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔

''وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن شادی میں بھی دو تین ماہ تو لگ ہی جائیں گے، پہلے صالح وہاں تھا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن اب گھر وہاں ڈھیل دکھائی گئی تو مسئلہ بگڑ بھی سکتا ہے، آپ فکر نہ کریں میں وہاں کسی اچھی پارٹی کی خدمات حاصل کر لوں گا اور جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔'' خود کو سنبھال کر اس نے بروقت ذہن سے کام لیا تھا۔

''اچھا!'' عبدالرحمن نے پرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھا، نجانے کیوں انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جو حسان چھپا رہا ہے، کیونکہ وہ کسی سے بھی نظر ملا کے بات نہیں کر رہا تھا۔

''بھائی! ایسے نہیں ہو سکتا کہ آپ یہیں سے اپنے کسی جاننے والے کو کہہ دیں، دراصل آپ کے بغیر اب گھر سونا اور اداس لگے گا۔'' ڈنر سے فراغت کے بعد وہ سب لاؤنج میں نیچے ہی دھرنا دیئے بیٹھے تھے جب رمشاء نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''ہو تو سکتا ہے لیکن اس طرح بہت زیادہ لوس ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ آج کے دور میں اتنا ایماندار کون ہے۔'' یہ بات تو بہرحال اس کی سچ تھی، جس کی تائید باقیوں نے بھی کی تھی۔

''لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں ناں کہ آپ کے بغیر ہمیں بالکل مزہ نہیں آئے گا۔'' ہالہ بھوری۔

''مزہ کیوں نہیں آئے گا، مجھ سے پہلے بھی تم سب کی محفلیں یونہی جمتی تھیں اور اب تو صالح بھی آ گیا ہے، میری کمی فیل نہیں ہوگی۔'' اس نے مسکرا کر صالح کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہر انسان کی اپنی اہمیت اور مقام ہوتا ہے حسان! جس کی جگہ کوئی اور نہیں لے سکتا۔'' صالح اس کی آنکھوں میں جھانک کر گہرے لہجے میں بولا تھا وہ نگاہیں چرا گیا۔

''صالح بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، آپ کا اپنا مقام ہے بلکہ صالح بھائی سے بھی کچھ زیادہ ہی ہے۔'' ہالہ نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے صالح کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے اب تم اپنی ساری فرمائشیں لے کر اپنے حسان بھائی سے ہی پورا کروانا۔'' صالح نے تحت دھمکاتی نظروں سے اسے گھورا۔

''اس کی باتوں میں نہ آنا میرے یار! یہ بہت طوطا چشم لڑکی ہے، وقت آنے پر گدھے کو بھی باپ بنا لیتی ہے۔'' غوری کی زبان میں سبھی ہونا لازمی امر تھا، ہالہ کی بات میں وہ بولے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

''وقت آنے پر گدھے کو باپ بنانے والے عقلمند ہوتے ہیں۔'' جواب ہالہ کی بجائے منال کی طرف سے آیا تھا۔

''ماشاءاللہ! آپ کے منہ بھی زبان ہے۔'' وہب نے آنکھیں پھیلا کے دریافت کیا تھا۔

ماہا اس سارے عرصے میں خاموش بیٹھی رہی تھی، صالح نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی، پھر ایکدم اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

''میں اچھی طرح جانتی ہوں وہ ہمیشہ کے لئے جا رہا ہے اور اپنے اس فیصلے میں وہ اٹل ہے، بظاہر یہی پوز کرے گا کہ میں جلد واپس آ جاؤں

گا، لیکن وہ کبھی واپس نہیں آئے گا، پھر وہ جوزفین بھی تو وہیں ہے، حسان کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں جگمگانے لگتی تھیں جیسے سورج کی شعاعیں منعکس ہو رہی ہوں۔'' کتاب اس نے سامنے کھلی پڑی تھی، لیکن اس کا ذہن کہیں اور ہی پرواز کر رہا تھا۔

جوں جوں امتحان قریب آتے جا رہے تھے توں توں اس کی پڑھائی میں دلچسپی منفود ہوتی جا رہی تھی، دل کی بے چینی تھی کہ حد سے سوا تھی، حسان کی محبت اس کے دل میں اس قدر زور آور ہو چکی ہے اس کا احساس اسے اب ہو رہا تھا، دل صرف اسی شخص کا تمنائی ہو کے رہ گیا تھا، اوپر سے اس کی بے رخی و بے اعتنائی اسے مارے ڈالتی تھی۔

وہ جو اپنی اسٹڈی میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتی تھی، اب حسان پوری شان و تمکنت سے اس کے اور اس کی اسٹڈی کے درمیان حائل ہو چکا تھا، بس یہی غم اسے کھائے جا رہا تھا کہ وہ حسان کے جانے کے بعد کیا کرے گی؟

دل کے اس روگ کو کس طرح سنبھالے گی؟ اپنا آپ کیسے دوسروں سے چھپا پائے گی؟

اور اگر حسان کی واپسی سے ناامید ہو کر گھر والے واقعی اس کی شادی صالح سے کر دیتے ہیں تو وہ کیا کر پائے گی؟ کیا وہ اس قدر اچھے اور مخلص انسان کے ساتھ دوغلی زندگی گزار سکے گی؟ کیا وہ اپنے گھر والوں کو منع کر سکے گی؟ سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں اور آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگی تھیں، دل اسی شخص کے نام کی مالا جپتے ہوئے بے قرار ہو گیا تھا۔

''ٹوں.....ٹوں۔'' اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی تھی، اس نے بے دلی سے موبائل اٹھایا۔

''ماہا! فری ہو تو میرے روم میں آؤ، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' دوسری طرف صالح تھا۔

''مجھ سے کیا بات کرنی ہے۔'' اسے کسی قدر حیرانی ہوئی۔

لیکن اگلے ہی پل سر جھٹکتے ہوئے اس نے چپل پاؤں میں اڑسی اور صالح کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی تو ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا اسی کا منتظر تھا۔

''آؤ ماہا! بیٹھو۔'' وہ آہستگی سے چلتی ہوئی بیڈ کے ایک کونے پہ ٹک گئی۔

''ایگزمز کی تیاری کیسی چل رہی ہے؟'' اس نے بات کا آغاز کیا۔

''فائن۔'' اس نے یک لفظی جواب دیا۔

''گڈ اس مین اے پلس گریڈ کی امید رکھنی چاہیے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا تھا۔

''انشاءاللہ۔'' وہ صرف یہی کہہ سکی، ورنہ جس طرح اس کی تیاری تھی اس لحاظ سے تو وہ پاس ہی ہو جاتی تو بڑی بات تھی۔

''گڈ..... اچھا..... حسان سے کوئی بات ہوئی تمہاری؟'' چند ثانیے رک کر اس نے یونہی سرسری سا لہجہ اپناتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''نن..... نہیں تو۔'' اس نے جز بز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''اتنا تو تم جانتی ہی ہو کہ وہ واپس لندن جانا چاہ رہا ہے۔'' وہ اصل موضوع کی طرف آ گیا تھا۔

''جی۔'' ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ بمشکل ایک حرف ادا کر پائی تھی۔

''ماہا! ادھر دیکھو میری طرف۔'' صالح نے نہایت نرم لہجے میں پکارتے ہوئے کہا تھا اور ماہا کو نجانے کیا ہوا تھا وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگ گئی تھی۔

صالح نے اسے کھل کے رونے دیا تھا وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانتا تھا کئی دنوں سے وہ یہ غبار اپنے اندر لئے پھر رہی تھی، ایک دفعہ جی بھر کے رو لے گی تو مطلع صاف ہو جائے گا۔

"یہ لو پانی پی لو۔" کافی دیر رہ چکنے کے بعد صالح نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو وہ ایک ہی سانس میں سارا گلاس خالی کر گئی۔

"بی ہریو ماہا! یونو جو لوگ بہادر ہوتے ہیں وہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ رو کے خود کو کمزور نہیں ہونے دیتے، خود کو ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رکھو۔" صالح نے اس کے سر پہ تھپکی دیتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں کہا تھا۔

"اتنا تو تم جان گئی ہو کہ حسان چند دن یا چند ماہ کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے لندن جانا چاہتا تھا اور یہ بات تمہارے اور میرے علاوہ ابو جان اور امی نے بھی محسوس کر لی ہے انہوں نے رات کو بلا کر مجھ سے بات کی تھی تو میں نے انہیں اطمینان دلایا تھا اور تسلی دی تھی کہ آپ بے فکر رہیں ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔" صالح کی باتوں نے اسے چونکا دیا تھا۔

"تو کیا یہ بات سب تک پہنچ گئی ہے۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"کسی حد تک۔" وہ مبہم سا بولا۔

"تو پھر سب اسے روکتے کیوں نہیں ہیں؟" اس نے نم پلکیں اٹھا کے بے بسی سے پوچھا تھا۔

"کیونکہ وہ اپنی مرضی کا آپ مالک ہے ماہا، بہتے پانی کا راستہ نہیں روکا جا سکتا وہ اپنا راستہ آپ بنا لیتا ہے، اسی طرح ہم حسان کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔" وہ یاسیت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر جانے دیجئے انہیں، ہر گزرتا دن ان کے دامن میں سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں ڈال سکے گا۔" وہ چیخ کے تلخ لہجے میں بولی۔

"اوں ہوں ایسا نہیں سوچتے، اگر ایسا ہی کرنا ہوتا تو پھر میں اتنا بڑا قدم کیوں اٹھاتا، میں نے جو اتنی بڑی قربانی دی ہے وہ صرف اور صرف اس لئے کہ میرا بھائی میرا خون ایک خوش و خرم زندگی گزارے، مکمل آسودہ اور خوشحالی، محبتوں، چاہتوں اور رشتوں کے مان میں پروئی ہوئی زندگی، چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوشیاں کشید کرتی زندگی۔" نرم لہجے میں اسے ٹوکتے ہوئے اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں؟" اس نے جیسے بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر پوچھا تھا۔

"ہم تو شاید واقعی کچھ نہیں کر سکتے، لیکن تم، تم بہت کچھ کر سکتی ہو ماہا، تم ہی وہ واحد ہستی ہو جو حسان کو ایسا کرنے سے روک سکتی ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا، جو تحیر سے پھیل کر بے یقینی سے اس کی جانب اٹھی تھیں۔

"آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں کیسے روک سکتی ہوں انہیں۔" اسے خود اپنی آواز بہت اجنبی سی محسوس ہوئی تھی، اب وہ اسے کیسے بتاتی کہ گزشتہ کئی دنوں سے وہ اس سے بات کرنا تو درکنار اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا، صالح کی خوش فہمی کو وہ کیا کام نام دیتی۔

"جتنا میں اسے جانتا ہوں ناں اتنا تو وہ شاید خود بھی خود کو نہیں جان پایا، تم سے اس کی بے اعتنائی و بے رخی صرف اس وجہ سے ہے کہ کہیں تم اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بن جاؤ، اپنی طرف سے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اپنی جگہ مجھے پیش کر کے شاید وہ اس احسان کا بدلہ چکا دے جو میں نے اس پر کیا ہے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں تم میں انوالو نہیں ہوں اور اس گھر کے ہر فرد کی یہی خواہش ہے کہ تمہاری شادی حسان کے ساتھ ہی ہو۔" اس انکشاف پہ ماہا سن ہو گئی تھی۔

"تو وہ اس لئے لندن جانا چاہ رہے ہیں

میں تو سمجھ رہی تھی کہ شاید وہ جوزفین کے ساتھ....." بات ادھوری چھوڑ کر اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"ارے نہیں، جوزفین اگرچہ حسان کو پسند کرتی تھی لیکن حسان کے صاف اور واضح جواب پہ اس نے اپنے کزن پیٹر کو شادی کے لئے ہاں کہہ دی ہے اور اب وہ اپنے اس فیصلے سے مطمئن ہے، وہ قصہ تو کب کا ختم ہو چکا۔" اس کی باتوں نے بہت بڑے بوجھ کو اس کے ذہن و دل سے سرکا دیا تھا، وہ ایکدم ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"تو حسان صاحب یہ چاہ رہے ہیں کہ وہ منظر عام سے ہٹ جائیں تاکہ گھر والے میری شادی آپ سے کر دیں اور اس کارنامے کو سر انجام دینے کے بعد وہ یہ سمجھیں کہ انہوں نے اپنے قرض اور خون کا بدلہ چکا دیا۔" جوزفین والا معاملہ کلیئر کیا ہوا تھا، اس کے دماغ نے بڑی تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا اور اب صورتحال بڑی واضح طور پر اس کی سمجھ میں آنے لگ گئی تھی۔

"جی بالکل، یہی بات ہے۔" اس نے بڑے زور و شور سے سر اثبات میں ہلا کر اس کی تائید کی تھی۔

"پھر تو آپ فکر ہی نہ کریں، وہ اب کہیں نہیں جانے والے۔" وہ اعتماد سے کہتے ہوئے معنی خیزی سے مسکرائی۔

"گڈ، مجھے تم سے یہی امید تھی۔" اسے اپنے پرانے انداز میں لوٹتے دیکھ کر وہ خوشدلی سے گویا ہوا۔

"Thanks میں اب جاؤں۔" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"Why not لیکن یہ سب کام ذرا جلدی ہونا چاہیے آپ کے صاحب بہادر کو جانے کی بہت جلدی ہے۔" اس نے آخر میں پھر تاکید کی۔

"Don,t warry۔" وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"آپ کے جانے کی تیاری مکمل ہو گئی۔" اگلے دن وہ اس کے کمرے میں موجود تھی، وہ الماری میں گھسا نجانے کیا تلاش کر رہا تھا، جب ماہا کی آواز پر چونک کر پلٹا جو دونوں بازو سینے پہ باندھے پوری توجہ سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اتری تھی، ساری رات بیٹھ کر وہ چاروں ڈائیلاگ تیار کرتی رہی تھیں جسے باقاعدہ ایک پرچے پر لکھا گیا تھا اور ماہا کو رٹوایا گیا تھا، رمشاء بیچاری نے اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کے حسان کے خفیہ بیگ جو اس نے واپسی کے لئے خاص طور پر تیار کیے تھے کی تلاشی لی تھی، جس میں سب گھر والوں کی پکچرز تھیں اور ماہا کی منگنی والے دن کی بہت ساری تصویریں تھیں اور کچھ تحائف تھے جو انہوں نے اس کی سالگرہ وغیرہ کے موقع پر دیئے تھے، ابھی بھی ماہا کو اندر دھکیل کر وہ خود ساری بالکونی میں کھلنے والی کھڑکی کے پاس کھڑی تھیں اور ہاتھ میں رات کا لکھا ہوا پرچہ تھا۔

ماہا کی طرف سے خاص ہدایت تھی کہ اگر کہیں اٹکنے لگوں تو اشارہ دے دینا اور اگر کوئی ایسا ویسا سین دیکھو تو فوراً آنکھیں بند کر لینا۔

"میرے سیدھے سادے شریف بھائی کے بارے میں تم ایسی رائے رکھتی ہو۔" اس کی آخری بات سن کر رمشاء کی بہنا پے کی رگ دکھی تھی۔

"زیادہ مرچیں چبانے کی ضرورت نہیں ارغان بھائی بھی بظاہر شریف ہی نظر آتے ہیں۔" ماہا نے آنکھیں سکیڑ کے اسے آئینہ دکھایا تو وہ بیچاری کھسیانی سی ہنسی ہنس دی۔

"ہاں تقریباً ہو گئی ہے۔" اس نے ایک نظر اسے دیکھ کر جواب دیا، جو نیوی بلیو سوٹ میں معمول سے زیادہ فریش دکھائی دے رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون سی ڈیٹ کی فلائیٹ ہے۔'' وہ یوں اطمینان سے کھڑی تھی گویا لمبی گفتگو کا ارادہ رکھتی ہو۔

حسان کو نامعلوم سی بے چینی ہونے لگی، وہ جتنا کترا رہا تھا وہ اتنا ہی سامنے آرہی تھی۔

''کیوں تمہیں کوئی کام ہے۔'' اس نے جواب دینے کی بجائے الٹا رکھائی سے اسی سے سوال کر ڈالا۔

''ہاں جوزفین کی شادی کے لئے کچھ گفٹس بھیجنا تھے۔'' وہ اسی طرح اطمینان سے بولی، حسان اس کی بات پہ چونکا ضرور تھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

''ویسے بائی دے وے جا تو آپ چند دنوں کے لئے جارہے ہیں لیکن سب کی تصویریں اور گفٹس تو یوں حفاظت سے لے جارہے ہیں جیسے ہمیشہ وہیں قیام کا ارادہ ہو۔'' اس کی بات سن کے حسان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا اور اسے یہ جاننے میں ایک پل نہیں لگا کہ ماہا اس کا بیگ چیک کر چکی ہے۔

''جسٹ شٹ اپ، تمہیں کس نے پرمیشن دی ہے کہ تم میرے معاملات میں انٹرفیئر کرو۔'' وہ غصے سے اس کی طرف پلٹتے ہوئے دھاڑا تھا۔

''میرے دل نے۔'' اس پر مطلق اس کے غصے کا اثر نہیں ہوا تھا۔

''تت..... تم..... کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے۔'' سخت طیش کے عالم میں مٹھیاں بھینچ کر لال انگارہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''میرا مطلب یہ ہے مسٹر حسان احمد! آپ نے اگر یہاں سے جانا ہی ہے تو یوں بلی کی طرح دم دبا کر کیوں بھاگ رہے ہیں، پورے گھر کے سامنے میرا ہاتھ صالح کے ہاتھ میں دے کر کہیے کہ آپ ان دونوں کی شادی کر دیں، مجھے ماہا عبداللہ قبول نہیں، اپنی طرف سے یہ ہمدردی کر کے شاید آپ کے احسان اور قرض کا بدلہ کسی طرح چکتا ہو ہی جائے۔'' وہ بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لفظ لفظ چبا کر بولی تھی۔

حسان اپنی جگہ پتھرا کے رہ گیا، اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ماہا اس کی سوچ کو پڑھ لے گی۔

''اس سوچ کو ذہن سے نکال دیجئے کہ ماہا آپ کی واپسی سے مایوس ہو کر صالح بھائی سے شادی کر لے گی، اس دہلیز پہ بوڑھی تو ہو سکتی ہوں مگر اپنی سوچ، اپنا ذہن اور اپنا دل اب کسی اور کے حوالے نہیں کر سکتی۔'' وہ ٹھہر کر دھیمے لہجے میں بولی۔

یہ ڈائیلاگ رمشاء اور ہالہ نے زبردستی اسے رٹوایا تھا، وہ اتنا کھلم کھلا اظہار محبت کرنے پہ بہت متامل ہو رہی تھی، اب بھی دونوں نے غائبانہ اس کے کندھے پہ تھپکی دی تھی، ان کا خیال تھا کہ یہ اظہار محبت تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگا اور کچھ ایسا بے جا بھی نہیں تھا۔

''ماہا!'' نچلا لب بے دردی سے کچلتے ہوئے وہ فقط اتنا ہی کہہ پایا تھا، انداز میں بے بسی کی جھلک نمایاں تھی۔

''آپ کیوں خود کو احساس کمتری کا شکار کر رہے ہیں، آپ جانتے ہیں جس بات میں آپ بہت راز داری برت رہے ہیں وہ سب پر آشکار ہو چکی ہے، سب کے دلوں کو یہ دھڑکا لگا ہے کہ اگر آپ چلے گئے تو واپس نہیں آئیں گے آپ، کیوں ہمیں کیوں آزمانا چاہتے ہیں آپ اور کیوں خود کو آزما رہے ہیں، مان لیں حسان صاحب آپ ہمارے بغیر اور ہم آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے، اس گھر کو ویران مت کیجئے، اس کو یونہی رہنے دیجئے، خوشیوں، چاہتوں اور رشتوں سے لبریز۔'' آخر میں اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

باہر کھڑی ان تینوں لڑکیوں کے دل بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوری رفتار سے دھڑک رہے تھے کہ اب پتا نہیں حسان کا فیصلہ کیا ہوتا ہے۔

''میں نے تمہیں کہا تھا ناں ماہا، تمہارے آنسو مجھے کمزور کر دیتے ہیں، میں اتنے دنوں سے اسی لئے تو تم سے کترا رہا تھا، لیکن ہوتا تو وہی ہے جو ہونا ہوتا ہے۔'' وہ اس کے قریب آ کر نرمی سے انگلی کے پوروں سے اس کی آنکھیں صاف کرتا ہوا محبت سے چور لہجے میں بولا تھا۔

ماہا ایکدم سٹپٹا گئی اسے ہرگز اس کے اتنی جلدی مان جانے کی توقع نہیں تھی ابھی تو ان کا لکھا گیا پیچ آدھا بھی نہیں ہوا تھا اور موصوف کے لبوں پہ نرم مسکان بکھر گئی تھی۔

''ہاں، تو کیا کہہ رہی تھی تم کہ میرے علاوہ تم اپنا دل کسی اور کے حوالے نہیں کر سکتی۔'' اس کی سحر انگیز آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی، ماہا کی تو سٹی گم ہو گئی، سارے ڈائیلاگز ذہن سے یوں محو ہو گئے تھے جیسے کسی نے تختہ سیاہ پہ ڈسٹر پھیر کے تمام الفاظ کو صاف کر دیا ہو۔

''مم..... میں۔'' وہ ہکلائی مدد طلب نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھا لیکن مصیبت سر پہ آتے ہی وہ تینوں حسب عادت گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گئی تھیں۔

''ہاں، بولو ناں تمہارے منہ سے اظہار محبت سن کے میرا ارادہ کیا میں خود ہی سرتاپا بدل گیا ہوں، بھاڑ میں جائے لندن اور پراپرٹی، مجھے تو بس اپنی ماہا چاہیے۔'' اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں نرمی و آہستگی سے دباتے ہوئے وہ گمبھیر لہجے میں گویا ہوا تھا۔

ماہا کی تو روح فنا ہو گئی، چہرہ کانوں کی لوؤں تک سرخ ہوا جا رہا تھا، اس پر مستزاد حسان کی نرم گرم محبت بھری نگاہیں اسے مزید پزل کیے جا رہی تھیں، اس کا جو ہاتھ حسان کے ہاتھوں میں دبا تھا وہ پسینے سے اتنا بھیگ چکا تھا کہ اس نے حسان کی گرفت کو ہی نم کر دیا تھا۔

''مم..... میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' سرخ لرزتی پلکیں اور کپکپاتے لبوں سمیت وہ کہہ پائی۔

''چھوڑ تو رہا ہوں لیکن اس یقین اور کے ساتھ کہ جو بہت ساری باتیں ادھوری ہیں وہ اس وقت تم سے کہوں گا جب تم قانونی حقوق سمیت یہاں دوبارہ آؤ گی۔'' خیزی سے کہتے ہوئے اس نے ہولے سے ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا تھا۔

اس نے جان لیا تھا کہ محبتوں کے بغیر کی زندگی ادھوری ہے وہ خود ساختہ احساس سے نکل آیا تھا، ماہا کے لبوں سے اقرار سن کے اسے اپنی ہستی عزیز و معتبر لگی تھی، وہ جان گیا کہ یہی رشتے یہی محبتیں اصل زندگی ہیں اور زندگی کے رنگ ہیں جو بدلتے تو ضرور ہیں مگر پھیکے نہیں پڑتے۔

☆☆☆

ماہا تو سر پہ پاؤں رکھ کے بھاگی تھی چہرہ اور پھولی ہوئی بے ترتیب سانسیں لئے وہ اندر داخل ہوئی تو تینوں اسے دیکھ کر نکوسنے لگی تھیں۔

''ظالمو..... بدبختو، مجھے وہاں چھوڑ کر ادھر بھاگ آئی ہو۔'' اس نے بے دریغ تینوں دھموکے جڑے۔

''اوئی اللہ، خود ہی تو کہا تھا کہ اگر کوئی ویسا سین دیکھو تو فوراً آنکھیں بند کر لینا۔'' رمشہ نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو نہیں تھا کہ وہاں سے بھاگ آنا۔'' اس کی ڈھٹائی پہ ماہا آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

''ویسے ماہا، میرا نہیں خیال تھا کہ حسان بھائی اتنی جلدی ایگری ہو جائیں گے۔'' منال تو یہی غم کھائے جا رہا تھا کہ اس بیچاری نے پورا دماغ لڑا کے اتنے زبردست ڈائیلاگ

ان کے بولنے کا تو موقع ہی نہیں آیا۔

''سچی یار! مزہ نہیں آیا ابھی تو ماہا نے یہ والا ...ی گانا تھا۔''

...دل تیرے قدموں وچ رکھیا تو پیراتے پاتے سئی ...نیاتے دے دیاں گی جان تو جا کے دکھاتے سہی ...الہ نے ٹکڑا لگایا، تو کمرہ ان چاروں کی ...سے بھرپور قہقہوں سے گونجنے لگا تھا۔

☆☆☆

...یہ عبدالرحمٰن کا سیج کی چمکیلی اور روشن صبح کا ...ظر ہے۔

''میرے شوز میں سے جرابیں تم نے اڑائی ...؟'' غوری نے بیڈ کے نیچے سے اپنے شوز ...نکالتے، جرابوں کے بغیر خالی شوز اس کا منہ چڑا ...تھے، وہ چراغ پا ہو کے دہب کی جانب مڑا ...سے مخمور نظروں سے دیکھتے ہوئے ...ت کیا۔

''تمہاری جرابیں اس قابل ہوتی ہیں کہ ...ہا ہوش انسان اسے استعمال کر سکے؟''

...جو بڑے مگن انداز میں ڈریسنگ کے ...ہیر اسٹائل تبدیل کرنے کی کوشش میں ...اب دینے کی بجائے الٹا سوال داغا تھا۔

''حد ہو گئی یار! یہ شرٹ تو میں پریس کر کے ...اور تم اسے پہن کے گھوم رہے ہو۔''

...کی نظر صالح پر پڑی جو اس کی پریس شدہ ...پہن کے انٹرویو کے لئے بڑے تک سک ...ار ہو رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں تم میرے والی پریس ...ے پہن لو۔'' صالح نے شان بے نیازی سے ...پر سے مکھی اڑائی، تو وہ اس کے الفاظ پر ...ور کے رہ گیا۔

''اوئی مائی گاڈ! میرے تو ابھی کپڑے بھی ...نہیں ہوئے۔'' ان دونوں کی تکرار سن کے ...کو بھی کپڑوں کا غم یاد آیا تو وہ سب بھول ...ورا وارڈ روب کی طرف لپکا اور جو ڈریس ہاتھ آیا اسے کھینچ کر نیچے کی طرف دوڑ لگا دی دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اس نے آخری تین چار سیڑھیوں سے جمپ لگایا اور سیدھا آئرن اسٹینڈ کی طرف لپکا، جہاں پہلے ہی ہالہ قبضہ جمائے کھڑی تھی اور منال بیچاری حسب معمول یونیفارم ہاتھ میں تھامے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی۔

''سارا دن تم بیڈ پہ پڑی اینڈتی رہتی ہو اور عین ٹائم یہ تمہیں یونیفارم پریس کرنا یاد آ جاتا ہے۔'' اسے دیکھ کر مزید لیٹ ہو جانے کے خیال نے اسے تپ کا دیا تھا۔

''تو تم کون سا سارا دن نفلیں پڑھتے رہتے ہو یہ نیک کام تو پہلے کر لیا کرو۔'' ہالہ نے تڑاخ کے جواب دیا۔

ان دونوں کی زبانیں رواں ہو چکی تھیں اور منال بیچاری نے حسرت و یاس سے اپنے یونیفارم کو دیکھا جو آج کی تاریخ میں اسے پریس ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

عبدالرحمٰن کا سیج ہر روز صبح کا کم و بیش ایسا ہی منظر پیش کرتا ہے، جہاں ہر طرف خوشیاں، چاہتیں اور محبتیں بکھری پڑی ہیں، سب ایک دوسرے سے رشتوں کی ایسی ڈور بندھے تھے جو نہایت پرخلوص حساب کتاب سے بالاتر، کیونکہ جہاں محبتیں ہو وہاں حساب نہیں ہوا کرتے، محبتیں تو ہمیشہ بے حساب ہوا کرتی ہیں۔

محبتوں میں شمار کیسا؟
یقین کیسا، زوال کیسا؟
عروج کیسا، زوال کیسا؟
سوال کیسا، جواب کیسا؟
محبتیں تو محبتیں ہیں
محبتوں میں حساب کیسا؟

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اداسی کی دبیز کہر میں لپٹی سرمئی شام گہری ہوگئی تھی، جنت نظیر وادی کی سرسبز پہاڑی چوٹیوں پر اندھیرا پر پھیلا چکا تھا، فضا میں کچھ دیر پہلے تک آزاد پنچھیوں کا شور وغل تھا مگر اب تمام آوازیں اور چہکاریں دیو قامت درختوں کی اوٹ میں دم توڑ گئی تھیں۔

''حذیفہ!'' زینت بی بی کی پاٹ دار آواز لکڑی کے در و دیوار سے ٹکرا کر واپس پلٹی تھی، وہ جو کچھ دیر قبل غنودگی کی کیفیت میں تھا، ماں کی آواز پر پٹ سے آنکھیں کھول کر بلب کی زرد روشنی میں اسکول کا کام کرتے حذیفہ کو دیکھنے لگا۔

''آیا ماں جی!'' کتابوں کو بستے میں ہوئے وہ آہستگی سے بولا تھا، پھر چارپائی حمزہ کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''کیا ہوا؟ نیند نہیں آرہی؟''

''عجیب سی گھٹن ہو رہی ہے، سر میں بھی ہے۔'' وہ نحیف لہجے میں بولا۔

''صبح سے کمرے میں اسی طرح لیٹے کچھ دیر کے لئے صحن میں آجاؤ، باہر ہوا چل ہے، طبیعت پر اچھا اثر ڈالے گی، چلو گے۔'' نے سہارا دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا، حمزہ کچھ دیر سوچا پھر ذرا سی ہمت کر کے اٹھ

مکمل ناول



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کرنے لگا۔

"تمہیں تو سلمان لالہ کی جگہ لینی ہے نا حمزہ! بہادر بنو بہادر، یوں معمولی سے بخار کو خاطر میں لاؤ گے تو کس طرح قرض اتار پاؤ گے۔" اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں کہتا اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا باہر صحن تک آ گیا، ماں باورچی خانے کے سامنے بیٹھی دسترخوان بچھا رہی تھی۔

"بخار اتر گیا کیا؟" اپنے منجھلے بیٹے کا بخار کی حدت سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر اس نے استفسار کیا۔

"مکمل تو نہیں اترا، اندر لیٹے لیٹے بے زار ہو گیا ہے، میں نے کہا صحن میں آ جاؤ۔" حذیفہ نے دیوار کے ساتھ چارپائی لگا کر اسے بیٹھنے میں مدد دی اور لحاف برابر کر کے خود ہاتھ دھونے چلا گیا۔

"کیا ہوا اتنے اداس کیوں ہو؟" ماں نے اس کی خاموشی کو بری طرح محسوس کیا تھا، فطرتاً وہ کافی چلبلا اور شریر تھا مگر چلنے کیوں اب کئی دنوں سے اس قدر اداس اور مضمحل کیوں نظر آتا تھا۔

"سلمان لالہ یاد آ رہے ہیں۔" اس کی سفاف آنکھوں کی سطح پر نمی تیرنے لگی۔

"خدا اس کی حفاظت کرے، دعا کیا کرو میرے بچے کے لئے۔" وہ کشمیر کی بہادر ماں تھی اس لئے جذبات کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔

"میں تمہیں دلیہ دیتی ہوں، تھوڑا سا کھا کر دوا لے لو۔" وہ پھر سے باورچی خانے میں چلی گئی۔

"نہیں ماں..... دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"دل کی مانو گے تو جلدی اچھے کیسے ہو گے؟" حذیفہ کپڑے سے ہاتھ صاف کرتا دستر خوان پر بیٹھ گیا، زینت نے اس کے سامنے پیالہ رکھ دیا، اس کا دل نہیں چاہ رہا کچھ کھانے کو مگر اسے بیمار زندگی سے نفرت تھی وہ جلد از جلد اچھا ہونا چاہتا تھا اس لئے بے دل سے چمچ اٹھا کر دلیہ زہر مار کرنے لگا۔

☆☆☆

وہ ماہ دسمبر 1999ء کی برفیلی سرد شام کے آخری ایام تھے۔

میں سیاچن سیکٹر پر مجاہدین کے ہمراہ پاکستانی سرحد کی بلند و بالا چوٹی پر کھڑا تھا میری آنکھیں دوربین کی مدد سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں، میں پل میں سیکڑوں میل کی مسافت اپنی نگاہوں سے طے کر رہا تھا، میرا دل ایمانی جذبے سے سرشار تھا، اس وقت میں جن لوگوں کے ہمراہ تھا، میری پوری زندگی ان سے عقیدت میں گزری تھی، آج میری برسوں پرانی خواہش حقیقت کا روپ دھار کے میرے مقابل تھی، میں نے ذرا سا جھک کر پہاڑوں کو سجدہ کرتی سرسبز ڈھلوانوں اور سبزے سے پھوٹتے چشموں پر نگاہ ڈالی تو محسوس ہوا جیسے وہ بھی جدوجہد آزادی سے نبرد آزما اپنے حوصلوں کی آزمائش کر رہے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ برف پوش پہاڑوں پر جا کر انسان صحیح معنوں میں اپنی اصلیت سے آشنا ہوتا ہے، اس وقت اسے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ذرے سے بھی حقیر تر ہے۔

میں اچک اچک کر سرحد کی حد بندی کرتے پہاڑوں کے اس طرف جنت نظیر کشمیر کے اس حسن کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، جس کی بناء پر

اسے "جنت" کا خطاب ملا، شدید دھند اور کہر میں لپٹا مقبوضہ کشمیر خود پر سبزے کی چادر اوڑھے بے بسی کی بکل مارے تھا، ایک آگ تھی جو اس کے مرغزاروں میں دہک رہی تھی، مانوس فضاؤں میں بلا کا اضطراب تھا، وادی لولاب کے مسحور کن مناظر نے میری قوت گویائی سلب کر لی تھی، میں اپنے ہمراہ آئے ان جانبازوں کو فراموش کئے کائنات کے اسرار میں گم تھا۔

☆☆☆

لکڑی کا دروازہ حسب معمول کھلا ہوا تھا، اس نے پردہ سرکا کر اندر کا جائزہ لیا تو سامنے زلیخاں چچی اپنی لاڈی بکریوں کے لئے چارہ نکال رہی تھیں، پاس ہی شاہینہ باجی اپنی گھنی زلفوں کو سلجھانے میں مشغول تھیں۔

"السلام علیکم!" وہ موذب سا بنا اندر آ گیا، اس کی آواز سنتے ہی رابعہ نے باورچی خانے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور شریر سی مسکان لبوں پہ سجا کر کیوں میں چائے نکالنے لگی۔

"وعلیکم السلام! جیتا رہ پتر!" زلیخاں چچی ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

"یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟" اب ان کی نگاہ اس کے ہاتھ میں موجود پلیٹ پر پڑی تو چونک کر پوچھا۔

"میں اپنی جماعت میں اول آیا ہوں چچی!" اس نے خاصے تفخر سے کہا۔

"ماشاءاللہ..... ماشاءاللہ اس بار بھی میرے پتر نے کمال کر دیا، اپنے چچا کو بتایا وہ تو بہت خوش ہوں گے۔" بکریوں کے آگے چارہ ڈال کر اس نے نلکے پہ ہاتھ دھوئے اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی، شاہینہ باجی اب بالوں کی چوٹی بنا رہی تھیں۔

"ہاں جی..... چچا جان گھر کب تک آتے ہیں؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو رابعہ چونک کر اسے دیکھنے لگی، آج وہ کچھ الجھا الجھا سا لگا تھا، اسے چائے بھی بے دلی سے پی۔

"اس وقت تک آ ہی جاتے ہیں، آج جانے کہاں رہ گئے۔" وہ اس الجھن کا سرا تلاشنے لگی، ذہن میں وہ تمام باتیں گردش کرنے لگیں جو ان دونوں کے مابین ہوتی رہتی تھیں۔

"تمہاری ماں اور بھائی ٹھیک ہیں؟ احد بھائی کی طبیعت اب کیسی ہے؟" چچی باری باری سب کو پوچھنے لگی، اس نے غائب دماغی سے ہوں ہاں میں جواب دیا اور کچھ دیر میں اجازت لے کر اٹھ گیا۔

"کیا بات ہے عبداللہ! تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟" وہ باہر نکلنے لگا تو وہ پیچھے ہی آ گئی۔

"نہیں تو۔" اس نے ٹالا۔

"کچھ تو ہے عبداللہ! مجھے بتا دو، شاید میں تمہارا مسئلہ حل کر سکوں۔" وہ پردے کو تھام کر کھڑی ہو گئی، عبداللہ نے گردن موڑ کر اس کا چہرہ دیکھا پھر آہستگی سے بولا۔

"پاپا مجھے دہلی بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں، مزید تعلیم کے لئے۔"

"وہ تو تمہارا اپنا ارادہ بھی تھا، تم خود ہی تو کہتے ہو میں بہت سارا پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں چاہتا ہوں مگر؟"

"مگر کیا عبداللہ!"

"چچا جان سے ملاقات ہو جاتی تو بہتر تھا۔" وہ ٹھہلتے ٹھہلتے پھر سے بند ہو گیا۔

"تو تم ان کا انتظار کر لو، رات کا کھانا یہیں کھا لینا، کڑھی چاول بناؤں گی میں۔"

"نہیں آج مجھے ایک اور جگہ جانا ہے، کل یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پرسوں آؤں گا دوبارہ خدا حافظ۔" کہہ کر رکا نہیں، رابعہ اسے تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا، اس کی الجھن کا سرا تو ہاتھ میں کیا آتا وہ خود بھی پریشان ہوگئی تھی۔

☆☆☆

"کیا کبھی ایسا ہوا ہے جذبہ جہاد پر موت کا خوف غالب آگیا ہو؟ کیا کسی نے پڑھا کہ حریت کی خوشبو کو جیل کی دیواروں نے قید کرنے میں کامیابی حاصل کی ہو؟ بلاشبہ، زبان، قلم، جسم اور بصارت کو قید کرنے کا چلن تو رہا ہے لیکن ذہن دل ضمیر اور جذبے کو کبھی پابند سلاسل نہیں کیا جا سکا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حریت و آزادی کے ابھرتے ہوئے سورج کو سوچ کر رسیوں سے باندھنے کی کوشش کرنے والے تاریخ سے بے خبر اور مستقبل کے ادراک سے تہی دامن ہیں، جہالت کی یلغار سے کبھی نور کی کرنیں نہیں مرا کرتیں۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے میں نے سید علی گیلانی کی "روداد قفس" بند کی اور تھکی ہوئی پرمژدہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر کچھ دیر کو یونہی لیٹ گیا، تھکن کے باعث غنودگی طاری ہو رہی تھی لیکن پروفنگ کا کچھ ہی کام باقی رہ گیا تھا، جسے میں آج ہی ختم کرنا چاہتا تھا۔

"کیا کر رہے ہیں؟" اسی وقت میسج ٹیون بجی، اس کی بند ہوتی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں، حسب توقع یارش کا ہی میسج تھا۔

"چائے کی شدید طلب ہے یار! چائے ہی پلا دو۔" خواہش کو لفظوں میں ڈھال کر اسے Reply کیا۔

"ذرا سی زحمت کیجئے اور خود بنا کر نوش فرما لیجئے۔" کھٹ سے جواب ملا۔

"جھک مار رہے ہیں۔" وہ جھنجھلائی ہوئی

"اکیلے اکیلے۔" مجھے ہنسی آرہی تھی۔

"آپ کا لیٹر آج بھی نہیں ملا، ہمیں غصہ آ رہا ہے، کب لکھیں گے آپ سفری روئیداد؟"

"یار! ٹائم ہی نہیں ملا، بس ایک دو دن ٹھہر جاؤ۔" اسے واقعی غصہ آرہا تھا میں قدرے سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"جی..... بہت مصروف شخصیت ہیں نا، پرائم منسٹر بن گئے ہیں۔"

"اب خیر سے اتنے فارغ بھی نہیں ہیں جتنا آپ سمجھتی ہیں۔" یارش سے میسج میں بات کرنا مجھے دنیا کا خوب صورت ترین کام لگتا تھا۔

"اچھا جی سوری! آپ کو ڈسٹرب کیا مصروف صاحب!" وہ خفا ہو کر بات ختم کر گئی۔

"اوہ شٹ یار!" میں نے سر پر ہاتھ مارا۔

"پھر خفا ہو گئی ابھی دو گھنٹے پہلے تو مانی تھی۔" میں نے تاسف سے سر ہلا کر سیل فون ٹیبل پر ڈال دیا۔

☆☆☆

شانوں پہ گرم چادر اچھی طرح لپیٹتے ہوئے اس نے اپنے سفید پیروں میں سیاہ چپل ڈالے اور لائٹ آف کرتا صحن میں چلا آیا، زینت بی بی کونے میں جائے نماز بچھائے وظیفوں میں مصروف تھیں۔

"ماں! میں ذرا دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں۔" اسے اطلاع دے کر وہ گلی میں نکل آیا۔

"کیا حال ہے حمزہ باؤ!" فرید چچا نے اسے دیکھ کر خوشگواریت سے دریافت کیا۔

"ٹھیک ہوں چاچا!" وہ دھیرے سے مسکرایا اور مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا اپنی پسندیدہ جگہ چلا آیا، وہیں اسے اس کا عزیز دوست عظیم

شاہ بھی مل گیا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل۔" رسمی کلمات کے بعد وہ دونوں پتھروں سے بنے ایک بینچ پر بیٹھ گئے، گدلے آسمان پہ اڑتے طائروں کو شمار کرتے ہوئے اس نے عظیم سے پوچھا۔

"بس ایگزام کی تیاری، تم سناؤ، اب تو بالکل ہی نہیں آتے اس طرف۔" وہ پیروں کے پاس پڑے چھوٹے چھوٹے کنکر اچھال رہا تھا۔

"بخار نے بالکل ہی بدن سے ہمت ختم کر دی ہے، دو ہفتوں سے جان چھڑا رہا ہوں مگر بخار مجھے چھوڑنے پہ آمادہ نہیں ہے۔"

"شاید اسے تم کچھ زیادہ ہی پسند آ گئے ہو۔" عظیم مسکرایا تو وہ بھی ہنس دیا۔

"ہوں، لگتا تو یہی ہے، تم کون سا آئے میری خیریت پوچھنے۔"

"بس یار! وہ پھپھو کی فیملی آئی ہوئی ہے، پکے کانگریسی ہیں میرے پھپھا مجھے بالکل پسند نہیں ہیں، البتہ ان کے چھوٹے بیٹے سے میری پھر بھی بنتی ہے، تم سے ملواؤں گا۔"

"تمہاری پھپھو بھی ان کی حمایتی ہیں۔"

"ظاہر ہے..... وہ تو وہی کریں گی، جو ان کے شوہر کہیں گے۔"

"کیا کرتے ہیں تمہارے پھپھا؟" اسے کئی دنوں بعد کچھ کہنے سننے کا موقع مل رہا تھا، وگرنہ تو خاموش رہ رہ کر تنگ آ گیا تھا۔

"بھارتی بنیا کی چاکری اور کیا کرنا ہے، ویسے پیشے کے لحاظ سے تاجر ہیں چار بیٹے ہیں ان کے بیٹی کوئی نہیں ہے، بڑے تینوں بھی کانگریس سے وابستہ ہیں۔"

"ہوں، یہی تو ہماری بدقسمتی ہے، ہماری اپنی آستینوں میں سنپولیے ہیں جو ہمیں آزادی کا سورج نصیب نہیں ہوتا۔" اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"سلمان لالہ آئے نہیں؟"

"نہیں..... بابو جی نے انہیں منع کر دیا ہے، کہ وہ فی الحال نہ آئیں تو بہتر ہے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے ان سے ملے ہوئے ہے نا۔"

"ہوں، مجھے آج کل وہ بہت یاد آتے ہیں۔" وہ پھر سے اداس ہونے لگا۔

"چلو ہمارے گھر چلتے ہیں، تمہیں چائے پلواتا ہوں۔" عظیم اس کی اداسی محسوس کر گیا تبھی دھیان بٹانے کے لئے باتوں کا رخ موڑ دیا، اس کا گھر سامنے ہی تھا۔

"تمہاری تو پھپھو آئی ہوئی ہیں۔"

"تو پھر کیا ہے؟"

"میں ان ملنا نہیں چاہتا، مجھے کانگریس نواز لوگوں سے نفرت ہے، یہیں بیٹھتے ہیں کچھ دیر پھر مغرب کی اذان ہو جائے گی۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی، میں کل اپنے کزن کو لے کر آؤں گا تمہاری طرف۔"

"کیا نام ہے تمہارے کزن کا؟"

"عبداللہ!" اس نے دھیرے سے بتایا۔

☆☆☆

اس نے جب سے شعور کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا تب سے اس کا ذہن الجھنوں کا گڑھ بنا ہوا تھا، وہ کیا، کیوں اور کیسے کی مفروضوں میں الجھا رہتا، بہت سے سوالات ایسے تھے جس کا جواب وہ خود سے پوچھتا تو مایوس ہو جاتا، وہ محلے کے عام گھرانوں سے مختلف حیثیت و اہمیت رکھتے تھے، نہ صرف ان کے طرز زندگی میں تضادت تھا بلکہ ان کے احساسات و افکار بھی جداگانہ تھے، اس کے والد عبدالاحد ڈار کانگریس کے اہم لیڈر تھے اور ان کا گھرانہ ڈین آرمی اور فورسز کی آماجگاہ تھا، وہاں اکثر بھارت نواز سیاسی شخصیات کی آمد و

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رفت بھی رہتی تھی۔

اس کے والد اور تینوں بھائی پاکستان سے نفرت اور بھارت سے محبت کرتے تھے، لیکن ایک ان کے گھرانے کے سوا باقی تمام لوگ اس سے کہیں زیادہ شدت سے پاکستان کی محبت کا دم بھرتے تھے جتنا کہ وہ ہندوستان کا اور یہی وہ بات تھی جو اسے نئی سے نئی الجھن میں گرفتار کرتی گئی، اس کے اسکول فیلوز، ہم جماعتی، محلے دار تمام تر بچے بھی قابض بھارت سے نفرت کا اظہار کرتے، اس کے ظلم و ستم پر اس کے خلاف احتجاج کرتے لیکن وہ ان سب سے مختلف تھا، کیونکہ اس کے گھر میں تو پاکستان سے نفرت کا پرچار کیا جاتا تھا، اس کے باپ بھائی تو بھارت کو اچھا اور پاکستان کو برا بھلا کہتے تھے، اس کا معصوم ذہن یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ وہ اکثر سوچتا کہ۔

کیوں ہمیں بھارت سے نفرت اور پاکستان سے محبت کرنی چاہیے حالانکہ ہم بھارت میں رہتے ہیں پاکستان میں نہیں، بہرحال یوم آزادی کے موقع پر پندرہ اگست کو شہر بھر میں سیاہ پرچم لہرا رہے ہوئے تو واحد ان کا گھر ہوتا جس کی دو منزلہ عمارت پر بھارتی ترنگا لہرا رہا ہوتا، اسے جس اسکول میں داخل کروایا گیا وہاں چند ایک ہندو بچے تھے اور باقی تمام کا تعلق مسلم گھرانوں سے تھا، اسمبلی میں جس وقت بھارتی ترانہ گایا جاتا، سوائے چند لڑکوں کے باقی خاموش رہتے تھے، اساتذہ اور اسکول کی انتظامیہ بھی مسلمانوں پر مشتمل تھی اس لئے اس بے قاعدگی کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا تھا، وہ چونکہ بندے ماترم میں مضائقہ خیال نہیں کرتا تھا اس لئے اسکول کے پہلے روز اس نے بڑے جوش و خروش سے ترانہ گایا، لیکن اس کے نتیجے میں ہاف ٹائم کے دوران اسے چند لڑکوں نے گھیر لیا۔

"ابے تو ہندو ہے یا مسلمان؟" ایک بڑی کلاس کے لڑکے نے اس کا راستہ روک کر جارحانہ انداز میں پوچھا تھا۔

"مسلمان۔" اس نے فخر سے گردن اٹھا کر کہا۔

"اگر تو مسلمان ہے تو ہندوؤں کا ترانہ کیوں گایا؟"

"ترانہ ہندوؤں کا تو نہیں ہے، یہ تو ہمارے ملک کا قومی ترانہ ہے۔" اس نے قدرے گھبرا کر صفائی پیش کی۔

"ملک کے بچے یہ ہمارا قومی ترانہ نہیں ہے۔" اس لڑکے نے غصے میں آ کر اس کے چہرے پہ گھونسا رسید کیا تو وہ روتے ہوئے بولا۔

"تو تم مجھے مار کیوں رہے ہو؟"

"اس لئے کہ بھارت ہمارا ملک نہیں ہے۔" وہ نفرت سے تھوک کر بولا، تبھی اس کے ساتھی نے اسے کالر سے پکڑ کر کھینچا۔

"یاد رکھو ہمارا ملک پاکستان ہے اور بھارت نے کشمیر پر زبردستی قبضہ جما رکھا ہے۔" وہ اس معاملے میں بے قصور تھا تاہم وہ لڑکے اس کی خطا معاف کرنے کے روادار نہیں تھے، اس سے قبل کہ وہ اس کی مزید حرمت کرتے دفعتاً وہاں سے سر مشتاق کا گزر ہوا اور انہوں نے ڈانٹ کر لڑکوں کو بھگا دیا، وہ فطری طور پر ایک بزدل اور سیدھا سادھا مزاج رکھنے والا تھا، اس واقعے کے بعد وہ اتنا محتاط ہو گیا کہ بھول چوک میں بھی بھارت کے حق میں کوئی لفظ نہ نکل جائے، وہ لڑکوں سے بھی کم ہی بات کرتا تھا زیادہ تر خاموش رہتا تھا، پھر بھی تمام اسکول کو جلد معلوم ہو گیا کہ وہ کانگریسی لیڈر عبدالاحد ڈار کا بیٹا ہے، اس کا حوالہ اس کے لئے ہرگز بھی قابل فخر نہ تھا کیونکہ اس

کے بعد تمام لڑکے اس سے یوں بدکنے لگے جیسے وہ کوئی اچھوت ہو، کلاس میں کوئی اس کے ساتھ بیٹھنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا، نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے آپس میں باتیں کرتے اور وہ ان کی طرح ہو کر بھی ان کا ہم مذہب ہم جماعت ہو کر بھی ایک کونے میں تنہا بیٹھا حسرت و یاس کی تصویر بنا انہیں دیکھتا رہتا، کئی بار اس نے از خود ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا لیکن سب نے اس کا حوصلہ شکنی کی البتہ وہ اس پر طنز کے تیر خوب برساتے اور اکثر تضحیک کا نشانہ بھی بناتے، اسے غدار کی اولاد کا خطاب ملا، جس پر اسے بہت تکلیف ہوتی تھی۔

☆☆☆

یخ بستہ ٹھٹھرتا ہوا پانی زوردار تھپڑ کی صورت اس کے چہرے پر لگا تھا، اس کا نیم غنودگی میں ڈوبتا ذہن تڑپ کر بیدار ہوا، اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا لیکن نقاہت شدید تھی، اس وقت شدت سے اس کا دل چاہا کہ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ نہ ہو جائے تاکہ رگوں میں اذیت کے نشتر چبھوتی تکلیف سے تو نجات مل جائے لیکن بے سود رہا۔

"ایکٹنگ کر رہا ہے سالا۔" بی ایس ایف کے حوالدار نے اس کے بالوں کو بے دردی سے ہاتھ میں جکڑ کر اس کے سر کو جھٹکا دیا۔

"اُف۔" درد کی شدید لہر اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گئی، اس نے لہو میں بھیگی سوجی آنکھیں کھولنے کی دوبارہ کوشش کی۔

"مسلے جی! کچھ یاد آیا۔" اس نے خباثت زدہ چہرہ اب اس کے مقابل تھا۔

"اتنی جلدی؟" اس کے دوسرے ابلیسی ساتھی نے مسخرے سے کہا۔

"صرف چند بید اور تھوڑے سے الیکٹرک شاک برداشت کر کے یہ سب اگل دے گا، آپ اتنے بھولے کیوں ہیں حوالدار جی! یہ....." اس نے فحش گالی بکی۔

"اتنے نازک نہیں ہیں کہ اتنا سا ساکشٹ بھی گوارہ نہ کر سکیں، بڑی پتھر جان ہے سالوں کی، آپ اتنی جلدی کی اِچھا مت رکھیں اور اپنے سوال جواب پانچ چھ روز کے لئے اٹھا رکھیں جی۔" یہ حوالدار کا سیاہ رنگت والا قریبی ساتھی تھا، سفاکیت اور بے رحمی اس کے ظالمانہ خال و خد والے سیاہ چہرے میں بری طرح رچی بسی تھی، گزشتہ دو دنوں سے وہی اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا تھا، غالباً پیشہ ور تھا، ان دونوں نے بید مار مار کر میٹرس یہ بے حس و حرکت پڑے وجود کی کھال ادھیڑ دی تھی، وہ اس کی دلروز چیخوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، اس لطف کو دوبالا کرنے کے لئے وہ اس کے رستے زخموں پر نمک مرچ ملا پانی وقفے وقفے سے انڈیلتے رہتے۔

"سلمان....." وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے تھے اور اسے لگا جیسے اس کی ماں نے پکارا ہو اسے۔

"ماں.....!" وہ بے تاب سا ہوا تھا، اس کے لب بے آواز ہلے۔

"سلمان! کتنے دن ہو گئے میرے بچے، مجھے تیری صورت دیکھے ہوئے، تو نے تو کہا تھا اگلے مہینے ضرور ملنے آؤں گا، میں کتنے دنوں سے تیری راہ دیکھ رہی ہوں اور تو آیا ہی نہیں۔" اس کی ماں کے آنسو اس کے اندر گرنے لگے تھے، اس کا دل چاہا وہ فوراً اپنی ماں کے پاس جا کر اپنا یہ دکھ اس کی گود میں سر رکھ کر بہا دے، وہ اپنے ماں باپ کی پہلوٹھی کی اولاد تھا، وہ دونوں تو اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے، اس کے دونوں چھوٹے بھائی اور بہن کتنی محبت کرتے تھے اپنے سلمان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لالہ سے۔

"آہ..... زرمینے۔" اسے اپنی چودہ سالہ بہن یاد آئی۔

"سلمان لالہ! میری کتابیں لائے ہیں۔"

وہ کتابوں کی ازحد شوقین جسے نہ گڑیوں سے کھیلنے کا شوق تھا نہ سکھیوں سے بس ہر وقت کتابیں چاہیے ہوتیں، وہ جب بھی گھر جاتا وہ اشتیاق سے پوچھتی اور وہ بھلا کیسے بھولتا اپنی اکلوتی اور لاڈلی بہن کی معصوم فرمائش مگر اس بار کتنے دن ہو گئے تھے اسے گھر گئے۔

دو روز پہلے سلمان جس کی کنیت ابوعکاشہ تھی اپنے پانچ ساتھیوں سمیت کسی بد بخت مخبر کی وجہ سے بھارتی فوج کے ہتھے چڑھ گیا تھا، وہ سب اس وقت ایک کشمیری کے گھر میں تھے، جب کسی ظالم نے ان کی مخبری کر دی اور انڈین فوج نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا، یہ سب ان کی توقعات کے برعکس نہیں تھا مگر انہیں مایوسی ضرور ہوئی تھی، انہوں نے جلدی سے وہ اہم کاغذات نذر آتش کئے جو ان کے خلاف کام آسکتے تھے اور کرنسی بھی ضائع کر دی، وہ تعداد میں چھ تھے جبکہ بھارتی فوج کی نفری زیادہ تھی، کچھ ہی دیر میں وہاں جنگ کا سماں بندھ چکا تھا لیکن یہ یکطرفہ جنگ تھی کیونکہ ایک طرف محدود اسلحے کے ساتھ چھ جان فروش تھے اور دوسری طرف سینکڑوں کی تعداد میں مسلح فوجی، نتیجہ ظاہر تھا وہ لوگ پسپا ہو گئے، اس کے چار ساتھی جام شہادت نوش کر گئے اور ایک شدید زخمی ہو گیا، سلمان اس وقت اپنی رائفل میں آخری میگزین لگا رہا تھا کہ بھارتی فوجی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور اسے حراست میں لے لیا، وہ بے بسی کی انتہا پر تھا، وہ بھارتی فوج کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتا تھا کیونکہ اسے علم تھا کہ ٹارچر سیل میں انسان لحہ لحہ مرنے کی تمنا کرتا ہے مگر موت نہیں آتی اور بھارتی فوجی قیدیوں خصوصاً پاکستانیوں کے ساتھ اس قدر سفاک اور ظالمانہ سلوک کرتے تھے جسے سن کر ہی انسان کی روح تک کانپ جائے، لیکن یہ مشیت ایزدی تھی، آرمی نے اس کے زخمی ساتھی کو گولی مار کر شہید کر دیا اور اسے گرفتار کر کے سری نگر، لداخ روڈ پر واقع بی ایس ایف کے ٹارچر سیل میں پہنچا دیا گیا تھا، جہاں پچھلے دو دنوں سے وہ موت و زیست کی کشمکش میں تھا۔

پہلے روز تو انہوں نے اس کی کھال ادھیڑ کر زخموں پر نمک چھڑکا تھا اور دوسرے روز انہوں نے اسے پانی میں شرابور کر کے بجلی کے برہنہ تار اس کے جسم پر باندھ کر جھٹکے دینا شروع کئے، وہ شدید اذیت میں تھا، تکلیف کی شدت سے بار بار غشی طاری ہو رہی تھی، وہ جب بھی ذرا سا خاموش ہوتا وہ سوئچ آن کر دیتے اور کمرہ پھر سے اس کی چیخوں اور ان کے بلند و بانگ قہقہوں سے لرزنے لگتا، انسانیت کی اس قدر تذلیل پر اس رات آسمان شب بھر روتا رہا۔

☆☆☆

میں عموماً نو بجے تک اٹھ جاتا تھا مگر رات دیر سے سونے کی وجہ سے آج گیارہ بجے آنکھ کھلی، نماز تو میری فطرت میں شامل تھی، اس معاملے میں، میں بالکل بھی سست نہیں تھا، بچپن سے ہی عادت تھی اب پختہ ہو چکی تھی، میں صبح باجماعت نماز ادا کرتا تھا اور پھر کچھ دیر سونے کے بعد آفس جاتا تھا۔

میں ایک جرنلسٹ ہوں اور روزنامہ "حرف حق" میں بطور میگزین انچارج جاب کرتا ہوں میری عمر اس وقت انتیس برس ہے اور اب تک کی عمر صحافتی سرگرمیاں سرانجام دیتے گزری مجھے لکھنے کا شوق ورثے میں نہیں ملا لیکن میں لکھے بغیر

رہ نہیں سکتا، میں کم عمری سے ہی اس فیلڈ میں ہوں اور اب ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کر چکا ہوں، میری زندگی کا واحد مقصد اپنی اسی فیلڈ میں بہت بلندیوں تک جانا ہے، میری خواہشیں، خواب، امیدیں سب اسی پیشے سے وابستہ ہیں وہ اس لئے کہ مجھے محبت بھی اسی پیشے کے ذریعے ملی جی ہاں آپ ٹھیک سمجھے۔

یاسر احرار..... میری محبت ہے، اسے بھی میری طرح لکھنے لکھانے سے دلچسپی ہے، وہ باقاعدہ کوئی جرنلسٹ تو نہیں ہے مگر اس فیلڈ سے وابستہ ہے، میری اور اس کی کہانی بھی بہت دلچسپ ہے، کبھی فرصت ملی تو سناؤں گا، اس وقت تو میں غالباً نہیں یقیناً آفس جانے کے لئے اٹھا ہوں اٹھتے ہی سائیڈ ٹیبل سے سیل فون اٹھا کر مسڈ کالز اور ان بکس چیک کیا، وہ بھی ابھی تک سو ہی رہی تھی، اسے، گڈ مارننگ، کا میسج سینڈ کر کے میں نے شاور لیا اور فریش ہو کر اپنے فلیٹ کو لاکڈ کر کے باہر نکل آیا، ناشتہ میں عموماً آفس میں ہی کرتا تھا، آج کے شیڈول کو ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کی اور اپنی منزل کی طرف گامزن ہوا۔

☆☆☆

یہ تو اسکول کا ماحول تھا لیکن گھر کا ماحول بھی اس کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا تھا، اس کے والد اور بھائی ہمہ وقت سر جوڑے سیاسی جوڑ توڑ اور مزید دولت کے انبار لگانے کی فکروں میں غلطاں رہتے، اسے ایسی باتوں سے بھی الجھن تھی اور وہ ابھی معاشی و معاشرتی ذمہ داریوں کے سمجھنے کے قابل بھی نہ ہوا تھا، گھر میں اس کی کسی سے بھی بے تکلفی نہ تھی، وہ ان سے الگ ایک دوسری دنیا کا باسی لگتا تھا، یہاں ہوتے بھی موجود نہ ہوتا، اس کا ننھا سا ذہن محبت اور نفرت کی تقسیم میں ریشم کی طرح الجھا رہتا، یہی الجھن اس کے ذہن کو عجیب و غریب خیالات اور نظریات سے پھر دیتی، وہ سوچتا کہ کاش دنیا میں بھارت اور پاکستان نام کے ملک ہی نہ ہوتے یا پھر کشمیر ہی نہ ہوتا، کبھی سوچتا کاش ہندو اور مسلمان ہی نہ ہوتے کیونکہ فساد کی جڑ ہی دھرم بن گیا تھا۔

پھر وہ تنہائی اور اکیلے پن سے بیزار ہو گیا، اس کی زندگی میں کوئی مصروفیت نہ تھی اس لئے ذہن بھی خیالات میں بھٹکا رہتا، ہر نئے مشغلے سے کچھ ہی دن میں اس کا جی اکتا جاتا، انہی دنوں اسکول میں مقابلہ مصوری کا انعقاد ہوا تو اس نے حصہ لینے کا ارادہ کیا، اس کے ڈرائنگ کے استاد نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس وقت وہ حیران رہ گیا جب اس کی بنائی تصویر کو پہلا انعام ملا، سر فاروق قیصر نے اس کی بہت تعریف کی اور اسے باقاعدہ مصوری کی طرف آنے کا مشورہ دیا، وہ خود بھی اس مشغلے میں دلچسپی محسوس کر رہا تھا جلد ہی وہ منظر نگاری میں اس قدر ماہر ہو گیا کہ ہو بہو کسی شخص یا منظر کی تصویر کشی کرنے لگا، خاص طور پر قدرتی مناظر اور لینڈ اسکیپ پینٹ کرنے میں وہ خود بھی بہت خوشی اور راحت محسوس کرتا تھا، اسکول سے آنے کے بعد وہ کینوس، رنگ اور برش لے کر سوپور کے مضافات پر نکل جاتا۔

سوپور میں ان کا آبائی گاؤں تھا، سوپور نمازیوں اور شہیدوں کا شہر ہے، ایک زمانے میں یہ شہر اپنے ہرے بھرے باغات اور سنہرے سیبوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا اور "ایپل سٹی" کے نام سے جانا جاتا تھا، اس کے چچا عبدالصمد ڈار آج بھی سوپور کے ایک گاؤں میں رہتے تھے، اس کے والد اور چچا بس دو ہی بھائی تھے، دونوں کے مزاج، افکار اور نظریات میں زمین و آسمان کا فرق تھا، اس کے والد اگر کانگریس میں تھے تو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چچا عبدالصمد ایک جہادی تنظیم کے کارکن تھے وہ پاکستان کے شیدائی اور کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے کٹر حامی، پہلے پہل دونوں بھائیوں میں اس اختلاف کے باعث بہت بحث ومباحثے ہوتے تھے لیکن رفتہ رفتہ انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک دوسرے کو قائل نہیں کر سکیں گے لہٰذا ان کے مابین ایک خاموش معاہدہ ہو گیا کہ وہ ایک دوسرے سے ملیں گے ضرور لیکن اس موضوع پر کبھی بات نہیں کریں گے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے نظریات کے حامی تھے اور اس سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے، وہ اکثر ان کے گھر آتے رہتے، اس کے والد بھی مہینے میں ایک آدھ بار ان سے ملنے جاتے تھے ایسے میں وہ بھی ان کے ساتھ ہوتا کیونکہ اس کے بڑے بھائیوں کو تو سوائے دولت کے جوڑ توڑ کرنے کے کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی، حالانکہ چچا عبدالصمد کی تین بیٹیاں ہی تھیں، اس لئے وہ اپنے بھتیجوں سے بہت پیار کرتے تھے خصوصاً عبداللہ سے کیونکہ وہ ان کے گھر بھی آتا جاتا تھا، اس کی چچی زلیخاں، ان کی تینوں بیٹیاں اسکی آمد پر اس کی خوب آؤ بھگت کرتی تھیں، وہ زیادہ تر خاموش بیٹھا اپنے والد اور چچا کی باتیں سنتا رہتا پھر آہستہ آہستہ اس کی جھجک کم ہوتی گئی اور وہ ان کے ساتھ کافی بے تکلفی سے گفتگو کرنے لگا تھا، یہ اسی وقت کی بات ہے جب اسے مصوری میں دلچسپی پیدا ہوئی، اب تو وہ اکثر ہی چچا کے گاؤں چلا آتا اور خوب صورت مناظر پینٹ کرتا رہتا، خوش رنگ پھولوں اور نازک پروں والی رنگین، تتلیوں کو رنگوں کی مدد سے کاغذ پر منتقل کرنا اسے بہت مسحور کن لگتا تھا، اس کے بھائیوں کو اس کا چچا کے گھرانے سے زیادہ میل جول پسند نہ تھا، والدہ البتہ اس معاملے میں غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتیں، عبدالاحد ڈار کو اس کے مشغلے پر اعتراض ہوا اور انہوں نے سخت مخالفت کی، ان کے خیال میں اس طرح اس کا ذہن پڑھائی سے ہٹ جائے گا کیونکہ وہ اسے اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے۔

بچپن میں ہی کلاس فیلو اور محلے دار بچوں کے رویے نے اس کی شخصیت کو قدرے ڈرپوک اور بزدل بنا دیا تھا، وہ اب بھی شرمیلا اور دبو قسم کا نوجوان تھا، اس کے والد نے اس کے مشغلے کو فضول اور بے کار کہا تو اس نے پینٹنگ کا ارادہ کر لیا کیونکہ وہ ان سے بحث نہیں کر سکتا کہ میں رنگوں اور برش کی دنیا سے کنارہ کشی نہیں کر سکتا، یہ میرے لئے بہت مشکل ہے، عین ممکن تھا کہ والد صاحب کی ڈانٹ پھٹکار پر وہ اپنے اس واحد شوق سے دستبردار ہو جاتا لیکن اس موقعے پر اس کی والدہ نے اس کی حمایت کی۔

''ارے واہ! میرے بچے کو ایک ہی تو شوق ہے، آپ سیر بھی پابندی لگا رہے ہیں۔'' انہوں نے اس کا بھرپور دفاع کیا۔

''میں پابندی نہیں لگا رہا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ پہلے ہی اپنی تعلیم مکمل کرے، اس طرح کے بے کار مشغلوں میں پڑ کر یہ اپنی پڑھائی سے غافل ہو جائے گا۔''

''مگر ہمارا بیٹا بہت ذہین ہے۔'' انہوں نے فخر سے کہا۔

''ہمیشہ اپنی کلاس میں اول آتا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' وہ متفق ہوئے۔

''لیکن اس سے کہو گھر سے زیادہ دیر تک باہر نہ رہا کرے، آج کل حالات اچھے نہیں ہیں، ڈر ہے فسادات نہ شروع ہو جائیں۔''

''کیوں؟'' وہ متعجب ہوئیں۔

''لوگوں کے پیٹ میں پھر آزادی کا درد اٹھ رہا ہے۔'' وہ بیزاری سے بولے۔

''لو تو اس میں برائی کیا ہے، آخر ہندوستان نے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، کبھی تو اسے یہاں سے جانا ہوگا۔'' انہوں نے حقیقت بیان کی مگر عبدالاحد ڈار کو غصہ آ گیا۔

''فضول باتیں مت کرو، ہندوستان کبھی کشمیر کا الحاق پاکستان سے نہیں کرے گا، یہ احمق کر رہے ہیں اس کا خمیازہ جلد بھگتنا پڑے گا۔''

''مگر ان کی کوششیں تو جاری رہیں گی۔''

''ہاں دیوانے لوگ ہیں، جہاد کی بات کرتے ہیں، ہندوستان سے مقابلے کی بات کرتے ہیں، ان کے پاس کیا ہے..... اسلحہ تک نہیں اور بھارتی فوج سے ٹکرائیں گے ہونہہ۔'' یہ پہلا موقع تھا جب عبداللہ نے ان کی باتیں بہت غور سے سنی تھیں اور اس پہلو پر کافی دیر تک سوچتا رہا۔

☆☆☆

یہ جولائی کا اواخر تھا۔

جھلستی ہوئی گرم دوپہریں بدلتے موسم کی آہٹ سے سرمئی شاموں کا روپ دھارنے لگی تھیں، ساون سون کی بارشوں کا آغاز ہو چلا تھا، آج دوسرا دن تھا اور صبح سے ہی ساون کی جھڑی لگی تھی، میں نے آفس جانے کا ارادہ موقوف کیا اور رائٹنگ ٹیبل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

اول کے اور بحر کے رشتے عجیب ہیں
خالی گھٹا کے دوش پہ برفوں کا زخت ہے
بنتے زمین پہ بہتے ہیں دریا سبھی کا رخ
کہ بحر بے کنار منزل کی سمت ہے

بادلوں میں ایک بھیگی ہوئی خوشدلی کے ساتھ
کچھ ہے آشنا سے کوئی اجنبی سی موج
بادل بھنور کے ہاتھ سے لیتے ہیں اپنا رزق
پھر اس کو بانٹتے ہیں عجب بے رخی کے ساتھ

بادل میں، صحن باغ میں، شہروں کے دشت میں
چشموں میں آبشاروں میں، جھیلوں کے طشت میں
گاہے یہ اوس بن کے سنورتے ہیں برگ برگ
گاہے کسی کی آنکھ میں بھرتے ہیں اس طرح
آنسو کی ایک بوند میں دجلہ دکھائی دے
اور دوسرے ہی پل میں جو دیکھوں تو دور تک
ریگ رواں درد کا صحرا دکھائی دے
بادل کے اور بحر کے جتنے ہیں سلسلے
مجھ سے بھی تیری آنکھ کے رشتے وہی تو ہیں!!

امجد سلام امجد کی خوب صورت نظم پڑھتے ہوئے میرے دل کا موسم عجیب سا ہو گیا تھا، کل رات میں امی نے ملنے گاؤں گیا تھا، وہ کچھ پریشان سی تھیں، شاید بھابھی نے پھر کوئی مسئلہ کھڑا کر دیا تھا میں نے ان سے پوچھا ضرور تھا مگر انہوں نے ٹال دیا، میں نے اصرار نہیں کیا تھا کیونکہ بتانے والی بات وہ خود بتا دیتی تھیں، ایسے عالم میں مجھے یازش کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی، اس کی کزن کی شادی تھی اور وہ اس میں مصروف تھی اور میں۔

ہر رشتہ پاس ہوتے ہوئے بھی بہت تنہا تھا۔

''کیا ہے میری زندگی؟ خانہ بدوشوں کی طرح جی رہا ہوں، مجھ پر قنوطیت کا دورہ پڑ گیا اور رات بھر میں تنہائی کی آگ میں سلگتا رہا۔''

''یازش! میں بہت اداس ہوں، میں نے اسے پیغام دیا تھا لیکن اس کا جواب نہیں آیا شاید وہ بہت زیادہ مصروف تھی، کتنا خوب صورت رشتہ تھا میرا یازش اصرار ہے، کوئی تعلق نہ ہوتے ہوئے وہ میرا سب کچھ تھی میں اپنا ہر دکھ سکھ اس سے شیئر کرتا تھا، کیا تم ایک پل بھی میرے لئے نہیں نکال سکتیں؟'' پھر میں نے لکھا۔

بارش پورے زوروں سے برس رہی تھی، بادل کتنے دنوں کا غبار نکال رہے تھے، شبنمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوندوں کا رقص میرے کمرے کی کھڑکیوں پر جاری تھی، وہ نمناک آنکھوں سے مجھے تک رہی تھیں۔

"یازش! کیوں بھول جاتی ہو مجھے؟" میں بہت تنہائی محسوس کر رہا تھا، مجھے اپنے بے آباد کمرے سے وحشت ہو رہی تھی، بارش کی نمی میری آنکھوں میں بھی اتر آئی، مجھے یازش بے تحاشا یاد آ رہی تھی۔

☆☆☆

بھارتی درندوں کا ناروا اسلوک فرد واحد کے ساتھ نہیں بلکہ وہ ایک قوم کو آزادی کے خواب دیکھنے کی پاداش میں زندہ درگور کر رہے تھے، پہلے دو دن وہ اس کی زبان کھلوانے میں ناکام رہے وہ ان کے بے پناہ تشدد پر بھی ثابت قدم رہا تھا، جس ٹارچر سیل میں لایا گیا وہ محض دس فٹ چوڑا اور بارہ فٹ لمبا تھا، اس کے سفاک در و دیوار پر بے گناہ کشمیریوں کے لہو کے چھینٹے ظلمتوں کی داستان سنا رہے تھے، کمرے میں مذبح خانوں جیسی بدبو پھیلی ہوئی تھی، کمرے کی چھت کے وسط میں ایک کنڈا لگا ہوا تھا جس پر قیدیوں کو الٹا لٹکا کر بید برسائے جاتے تھے، پچھلے کچھ عرصے سے انڈین آرمی نے اپنی لائن آف ایکشن تبدیل کر لی تھی، انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ والے اب جدید ادویات کا سہارا لینے لگے تھے، یہ دوائیں انسان کی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کو توڑ کر رکھ دیتی تھیں، اس طرح کے حربے استعمال کر کے انہوں نے کئی گرفتار شدہ کشمیری کمانڈروں سے ضروری معلومات اور اپنے مطلب کی باتیں اگلوا لی تھیں، جس کا چرچا اخبارات میں بھی کئی روز ہوتا رہا تھا، اس کے بعد سے جہادی تنظیموں نے اپنے سیٹ اپ میں تبدیلیاں کی تھیں مثلاً اب کسی فرد واحد کے پاس زیادہ معلومات نہیں ہوتی تھیں، وہ صرف اپنے شعبے کے متعلق آگاہی رکھتا اور دوسرا اب مجاہدین سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ گرفتاری پر شہادت کو ترجیح دیں گے۔

سلمان کے زخموں سے لہو رس رہا تھا، وہ درد کی شدت سے کراہ رہا تھا، وہ دونوں اب اپنی تفتیش مکمل کر کے باہر نکل گئے تھے مگر اس کی حالت بہت بری تھی، اسے پچھتاوا پھر سے گھیرے میں لے رہا تھا کہ وہ ان کے ہاتھ کیوں آیا۔

"کاش کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شہادت پا جاتا۔" اس کے آنسو بہہ نکلے، وہ لوگ اس سے ضروری معلومات لینے کے لئے ہر حربہ آزماتے مگر وہ لاعلم تھے کہ تنظیمی ڈسپلن کے تحت اس کی معلومات محدود ہیں، اپنی پلاٹون ساتھیوں کے بارے میں اسے آگاہی تھی ان میں سے پانچ شہید ہو چکے تھے، اس کے علاوہ چھ اور تھے مگر اسے یقین تھا کہ وہ لوگ اب ہائیڈ آؤٹ (خفیہ کمین گاہ) کی طرف نہیں آئیں گے، سلمان کی گرفتاری کا سن کر وہ روپوش ہو چکے ہوں گے وہ اگر ان کے نام پتے بھارتیوں کو بتا دیتا تو فوری طور پر ان کو خطرہ نہیں تھا لیکن اس کے بعد وہ شکاری کتوں کی طرح ان کے پیچھے لگ جاتے اور ان کے گھر والوں کو الگ پریشان کرتے، اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر قیمت پر اپنی زبان بند رکھے گا۔

"اے اللہ! مجھے استقامت دے، میری موت آئے تو تیرے دین پر، میں شہادت پاؤں۔" وہ مسلسل رو رہا تھا، کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا زنداں خانے سے زندگی کی سلامتی ممکن نہیں ہے، وہ مر کر ہی اس عقوبت خانے سے نجات پا سکتا ہے اور شاید کچھ ہی دیر بعد اس کی مسخ شدہ لاش کسی سڑک کے کنارے پڑی ملتی۔

اس انٹروگیشن سیل میں آئے اسے تالیس گھنٹے گزر چکے تھے، اسے بمشکل چند ونٹ پانی نصیب ہوا تھا، کھانے کے نام پہ اس ادھڑی ہوئی کھال کو بید اور بجلی کے شاک لے تھے، اس کا گلا خشک ہو رہا تھا، تکلیف کے ث اس کی زبان کئی بار اس کے دانتوں تلے آ رزخمی ہوئی تھی اس لیے اب سوج رہی تھی، تین ں سے اس کے پیٹ میں غذا کے نام پر ایک مہ نہ گیا تھا، موت اس کے بالکل پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی، وہ نزع کے عالم میں تھا، آخری ں لے کر اس نے کلمہ شہادت پڑھنے کے لئے ب وا کیئے، اسی وقت چرر کی آواز کے ساتھ روازہ کھلا تھا، شاید موت کا فرشتہ اسے لینے آ چکا تھا۔

☆☆☆

وہ ان دنوں نویں جماعت میں تھا۔

کشمیر کے حالات یکسر طور پر تبدیل ہو رہے تھے، ہر طرف جہاد اور تحریک آزادی کا ولولہ تھا، روز جلسے جلوس نکلتے، احتجاجی ریلیاں نکالی جاتیں اور بھارت کے خلاف نعرے بازی ہوئی، جس کے نتیجے میں بھارتی درندے ان پر لاٹھیاں لے کر ٹوٹ پڑتے، بے دریغ گولیاں برسائی جاتیں، قبرستان شہداء سے اور ہسپتال زخمیوں سے آباد ہو رہے تھے، آگ اور خون کا کھیل جاری تھا، حریت آزادی کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کرنے میں اہل کشمیر آگے آگے تھے، یہ سب اس کے لئے بہت نیا اور انوکھا تھا، خطہ ارضی کے لئے جو شیلے مسلمان لہو کے چراغ جلا رہے تھے، ہر روز ہی کتنے جنازے اس کی نظروں کے سامنے سے گزرتے، لوگوں کے نوحوں اور سسکیوں پر جذبہ جہاد حاوی تھا، اسے اب تک اس بات کا احساس نہ ہوا تھا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔

مجاہدین بھارتی مظالم کا بھرپور جواب دے رہے تھے، آئے دن کہیں نہ کہیں وہ قابض فوجیوں پر برق بن کر گرتے اور کشمیریوں کے لہو کا خراج لیتے، تبدیلی کی لہر اتنی شدید تھی کہ وہ اس سے متاثر ہوئے بناء رہ نہ سکا، تاہم اس کے گھر کا ماحول اور طبیعت اسے کسی عملی اقدام سے باز رکھتی، اسکول میں طالب علموں کا سلوک اور انکی باتیں اس کا خون کھولا دیتی تھیں لیکن جب عملاً کچھ کرنے کا وقت آتا تو اس کا جوش و خروش ماند پڑ جاتا، اس کے چاروں طرف خون اور آگ کے تذکرے تھے اور وہ اپنی خیالی اور تصوراتی دنیا میں مگن رہتا یا پھر کینوس اٹھا کر کسی گوشتہ عافیت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔

اس روز بھی وہ چچا کی طرف آ گیا تھا، اس دل اداس ہو رہا تھا، ایزل اور رنگ وغیرہ کرسی پر رکھ کر وہ شاہینہ باجی کے پاس آ کر بیٹھ گیا، شاہینہ باجی اس کے بھائی کی منگیتر تھیں لیکن جب سے ریحان بھائی نے کانگریس شمولیت اختیار کی چچا نے یہ نسبت ختم کر دی تھی، اس کے والد کو اس پر اعتراض نہ ہوا کیونکہ وہ محض بھائی کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے تھے، اب تو چچا نے شاہینہ باجی کی نسبت اپنے جاننے والوں میں کر دی تھی، ان کے منگیتر ابو جندل مجاہد تھے، وہ ایک ہی بار ان سے ملا تھا اور ان کی بارعب شخصیت سے خاصا متاثر ہوا تھا، بھلا کہاں عام سی شکل صورت والے ریحان بھائی جن کا تن فرنگی لباس سے سجا ہوتا اور کلین شیو تھے اور کہاں ابو جندل متناسب سراپا، خنوں سے اونچی شلوار، گھنگھریالے سیاہ بال اور سنت رسول سے سجا پرکشش چہرہ وہ کتنی ہی دیر تک ان کا موازنہ ریحان بھائی سے کرتا رہا اور بلاشبہ وہ ہر نسبت سے ان سے بہتر تھے، اسے ان کے چہرے میں عجیب سی کشش محسوس ہوئی تھی اور ویسا ہی نور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھلکتا تھا جیسا چچا جان کے چہرے پر۔

شاہینہ باجی اس نسبت سے مطمئن تھیں، پھر بھی اپنے اطمینان کے لئے وہ ان سے پوچھ بیٹھا۔

"اگر ابوجندل بھائی کی جگہ اب بھی ریحان بھائی ہوتے تو کیا آپ ابھی بھی اتنی خوش نظر آتیں جتنی کہ لگ رہی ہیں۔"

"شاید نہیں۔" وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھیں۔

"ریحان اور میری نسبت بچپن سے طے ہے لیکن مجھے کبھی ان سے انسیت محسوس نہیں ہوئی، مجھے شروع سے ہی یہ فیصلہ غلط لگتا تھا۔"

"اس کی وجہ؟" وہ جانے کیوں بحث کے موڈ میں تھا۔

"وجہ تم بھی جانتے ہو عبداللہ! بابا جان نے ہم بہنوں کی تربیت جس طرح کے ماحول میں کی ہے وہ تمہارے گھر کے ماحول سے یکسر مختلف ہے۔"

"کیا صرف اسی وجہ سے؟"

"یہ وجہ معمولی نہیں ہے عبداللہ! ہمارے مزاج مختلف ہیں یہ اہم نہیں، اہم یہ ہے کہ ہمارے نظریات مختلف ہیں، ہمارے نظریے میں تضادت ہے، نظریہ معمولی چیز نہیں یہی نظریہ تقسیم ہند کی وجہ بنا تھا، اسی نے ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا، یہ جدوجہد آزادی کی پہلی اکائی ہے؟"

"ہم آزاد تو ہیں باجی! لوگ کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ کیوں نہیں چاہتے؟"

"ہم کہاں آزاد ہیں عبداللہ! ہمارا بال بال تو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، ہم مسلمان ہیں اور پاکستان ایک مسلمان ملک ہے اصولی طور پر ہمارا الحاق پاکستان سے ہی ہونا چاہیے، بھارت تو ہندوؤں کا ہے۔"

"آپ نے پاکستان دیکھا ہے کیا؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ دلکشی سے مسکرائیں۔

"کب..... کیسے؟" اس کی حیرت یقینی تھی۔

"بہت بار اپنے خوابوں میں، خیالوں میں،..... میں نے اس پاک وطن کی زمین پر سجدہ کیا ہے عبداللہ! ابوجندل نے پاکستان دیکھا ہے عبداللہ! وہ وہاں سے ٹریننگ لے کر آئے ہیں۔"

"کیسا ہے پاکستان؟"

ایک ایسا ملک جس کے متعلق وہ بچپن سے سن رہا تھا، جو اس کے اردگرد بستے لوگوں کے خوابوں کی سرزمین رہا ہے، وہ خود بھی اس کے بارے میں جاننے کے لئے اب بے تاب رہنے لگا تھا۔

"ملک تو تمام ایک جیسے ہوتے ہوں گے لیکن وہاں آزادی کا احساس ہے، جبکہ یہاں ہم اسیری کی زندگی جیتے ہیں، یہ قفس ہے جہاں بہت گھٹن ہے۔"

"آپ بہت مشکل باتیں کرتی ہیں۔" وہ عجیب سی الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا۔

"یہ باتیں مشکل نہیں ہیں عبداللہ! تمہاری سمجھ میں اس لئے نہیں آتیں کہ تمہارے گھر والے پاکستان سے نفرت کرتے ہیں، تمہارے بھائی ریحان جس وطن سے نفرت کرتے ہیں وہ میرا عشق ہے عبداللہ!"

☆☆☆

مجھے زندگی کی دعا نہ دے مجھے زندگی کی طلب نہیں
کبھی جینا مجھ کو عزیز تھا یہ بجا سہی مگر اب نہیں

اسے ایک پل کو یوں لگا تھا جیسے وہ زندگی ہار گیا ہے مگر ابھی اس کی سانسیں باقی تھیں، موت

اس کی راہ تک آ کر واپس پلٹی تھی، اس نے دوبارہ آنکھیں کھول کر اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھا، یہ ایک سیاہ رنگت کا حبشی نما شخص تھا، جس کے ہاتھ میں موجود ڈونگے میں سفید ابلے ہوئے چاول تھے، وہ فرش پر اوندھا گرا ہوا تھا، اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، حبشی نے اس کے ہاتھ کھولنے کی بجائے چاولوں کے گولے بنا بنا کر اس کے منہ میں ڈالنا شروع کیے، صاف ظاہر تھا کہ اسے ڈیوٹی بھگتانے سے دلچسپی تھی کسی مرتے ہوئے انسان میں زندگی جگانے کی نہیں، اس کے کھلانے کے انداز سے زیادہ تر چاول نیچے فرش پر گر رہے تھے، وہ اس وقت بھوک کی شدت سے نڈھال تھا اس لئے وہ پھیکے سیٹھے بدبودار چاول بھی نعمت مترتبہ سے کم نہیں لگ رہے تھے، ڈونگا خالی کر کے وہ ایک سپاٹ نگاہ سلمان پر ڈال کر وہاں سے چلا گیا، سلمان حسرت سے فرش کی غذا بنے چاولوں کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اپنے آفس کا دروازہ کھولتے ہی مجھے فرحت بخش احساس نے گھیر لیا، اے سی کی خنک فضاء نے میرے مزاج پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا، اپنی سیٹ سنبھالنے سے پہلے میں آج کے اخبارات کا پلندہ اٹھانا نہیں بھولا تھا، یہون میرے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا تھا، وہ جانتا تھا کہ میں گھر سے ناشتہ کر کے نہیں آتا اس لئے وہ آتے ہی میری خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا۔

"ہاشمی صاحب نہیں آئے ابھی تک۔" سرخیوں پر سرسری نگاہ دوڑاتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا تھا۔

"آ چکے ہیں جی..... زیدی صاحب کے کمرے میں گئے ہیں، مس عاتکہ بھی وہیں ہیں۔" اس نے دانت نکالے۔

"تو....." میرا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔

"تو کچھ نہیں جی۔" وہ فوراً سیدھا ہو گیا۔

"ناشتہ لے آؤں جی آپ کے لئے۔"

"ہوں، لے آؤ اور سنو! آج کی ڈاک بھی میری ٹیبل پر پہنچا دو۔"

"جی بہتر۔" وہ باہر نکل گیا اور میں نے حرف حق کے لئے فیچر لکھنے کا ارادہ بناتے ہوئے پی سی او پن کیا، اسی وقت ہاشمی صاحب روم میں داخل ہوئے۔

"آپ کی صبح ہو گئی تھی جناب۔" ان کا موڈ ہمیشہ کی طرح خوشگوار ہی تھا۔

"جی ہو گئی تھی جبھی تو درشن کروا رہا ہوں۔"

"مس عاتکہ کی شادی ہو رہی ہے، اطلاع مل گئی آپ کو۔" اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے عام سے لہجے میں اطلاع دی تھی مگر مجھے جانے کیوں برا لگا۔

"اچھی بات ہے نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

"اچھی ہے یا بری یہ تو علم نہیں مگر عاتکہ صاحبہ بہت خوش نظر آ رہی ہیں۔"

"تو آپ کے خیال میں انہیں رونا چاہیے تھا۔"

"نہیں رونا تو نہیں چاہیے، میں تو ایسے ہی۔" وہ صفائیاں دینے لگے اور میں نے سیل فون اٹھا کر یازش کو میسج ٹائپ کیا۔

"عاتکہ کی شادی ہو رہی ہے۔"

"تو ہم کیا کریں؟" مجال ہے جو کبھی غصہ اس کی ناک سے اترا ہو۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" میں نے ہنسی دبا کر پوچھا۔

"مشین لگا رکھی ہے کپڑے دھو رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"میرے بھی دو چار سوٹ میلے ہو رہے ہیں، بھیجوں کیا؟"

"کیوں؟ لاہور میں ڈرائی کلینرز کی ہڑتال ہے کیا؟"

"تم دھو دو گی تو کیا قیامت آجائے گی؟"

"شاید آ ہی جائے۔"

"کبھی تو دل رکھ لیا کرو۔"

"یہ کیسے رکھتے ہیں ہمیں نہیں پتہ۔"

"تمہیں کچھ پتہ بھی ہوتا ہے؟"

"جی نہیں، آپ ہی معلومات کا خزانہ لئے پھرتے ہیں، بائی دا وے آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"آفس میں ہوں اور عاتکہ کو مبارک باد دینے جا رہا ہوں ابھی۔"

"ہماری طرف سے بھی دے دیجئے گا۔"

"او کے اور کچھ۔"

"اور کچھ کیا، آ کر ہماری ہیلپ کروا دیں۔"

"بس میں ہوتا تو ضرور کرواتا یار! مجھے اداس ہونے میں لمحہ لگا تھا۔"

"ہونہہ، آپ کے بس میں کچھ ہے بھی۔"

"بے بس تو تم کر چکی ہو۔"

"رہنے دیں، ڈائیلاگ جھاڑنے کو، ہم جا رہے ہیں کچن میں۔"

"کچھ لکھ بھی لیا کرو، کیوں خود کو ضائع کر رہی ہو؟"

"کام ہمارے فرشتوں نے کرنا ہے پھر۔" وہ بائے کہہ کر چلتی بنی تھی اور میں بے بسی سے سر ہلا کر نیٹ سرچنگ کرنے لگا، کل ہی "کشف" میگزین موصول ہوا تھا، اس کی ادارتی میں بھی میرا نام شامل تھا، ان کے لئے بھی ایک آدھ تحریر لکھنی تھی، کام بہت زیادہ تھا اور وقت کم، میں نے ہر خیال کو جھٹک کر کام کا آغاز کر دیا۔

☆☆☆

شاہینہ باجی کی تمام باتیں اس کے دماغ کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھیں، وہ جتنا انہیں جھٹکنے کی کوشش کرتا وہ اتنی ہی شدت سے اپنی حقیقت باور کرواتیں، اس کے بعد وہ کئی دنوں تک ان کے گھر نہیں گیا، پھر خود ہی چچا اس سے ملنے آ گئے کہ کہیں وہ ان کی کسی بات سے خفا تو نہیں ہو گیا۔

"نہیں چچا جان! آپ نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں آپ سے خفا ہو سکتا ہوں۔" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"تو پھر تم اب آتے کیوں نہیں ہو، دو ہفتہ ہو گیا ہے، تمہاری چچی تمہیں اتنا یاد کرتی ہیں اتنا زیادہ دور بھی نہیں ہے ہمارا گھر۔"

"چچا جان بس امتحانوں کی وجہ سے مصروف ہوں، قریب آ رہے ہیں ناں۔" اس نے بودا سا جواز گھڑا۔

"اچھا..... میں سمجھا کہ شاید تم بھی اپنے بھائیوں کی طرح....." انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں چچا جان ایسی بات نہیں ہے، میں کل ضرور آؤں گا انشاء اللہ۔"

اور اس سے اگلے دن وہ پھر سے اسی گھر کے صحن میں بیٹھا چائے پی رہا تھا، جس کے مکینوں سے اس کا قریبی تعلق تھا مگر نظریاتی اختلاف رشتوں میں دراڑیں ڈال گیا تھا۔

"دعا کرو میری بھی پہلی پوزیشن آ جائے عبداللہ!" رابعہ نے اس سے کہا تھا، وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"تم محنت کرو آ جائے گی۔" وہ آہستگی سے کہہ کر پیالی کے کناروں پہ انگلی پھیرتے ہوئے پھر سے اسی سوچ میں ڈوب گیا تھا جو اسے اکثر

مضطرب کر دیتی، یہ سوچ رابعہ سے متعلق تھی، کچھ دنوں سے وہ خود بخود اس کے خیالات میں شامل ہونے لگی تھی، وہ اسے اچھی تو تب سے لگتی تھی جب سے اس نے چچا جان کے گھر آنا جانا شروع کیا تھا لیکن اب اس میں پسندیدگی کے ساتھ محبت بھی شامل ہو گئی۔

اس کی عمر محبت کرنے کے لئے بہت کم تھی مگر اسے پھر بھی محبت ہو گئی تھی۔

محبت! اس چار حرفی لفظ کی صداقت سے اسے انکار نہیں تھا تاہم وہ اس کی حقیقت قبولنے سے خائف تھا، بظاہر تو ان دونوں کے مابین جدائی کا پہلو نہیں نکلتا تھا مگر وہی نظریاتی اختلاف، نہ چچا جان آمادہ ہوتے نہ اس کے والد عبدالاحد ڈار۔

"دعا کے ساتھ دعا بھی تو ضروری ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو تم۔" اس نے خالی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

"کروں گا تمہارے لئے دعا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، بے حد گہری ذہانت سے بھرپور آنکھیں، رابعہ تاب نہ لا سکی، فوراً رخ موڑ لیا تھا، دل البتہ زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"لیکن تمہیں بھی میرے لئے ایک دعا کرنی ہو گی۔" اس کی سرگوشی کو ہواؤں نے رک کر سنا۔

"کیا؟" وہ گلابی ہتھیلی کی لکیروں پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

"کہ میں جو چاہنے لگا ہوں وہ مجھے مل جائے۔" ہوائیں بے ساختہ مسکرائی تھیں۔

"تم کیا چاہنے لگے ہو؟" وہ سادگی سے پوچھ رہی تھی۔

"بتا دوں گا وقت آنے پر۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گی۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر نادیہ کو دیکھنے لگی جو درخت پہ جھولا ڈال رہی تھی، کچھ دیر اس کی طرف دیکھنے کے بعد وہ بولی۔

"تم اسے ایک بات پوچھوں عبداللہ!"

"ہاں پوچھو....."

"کیا تمہیں شاہینہ باجی کی باتیں اچھی نہیں لگی تھیں؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، تمہیں کیوں ایسا لگا؟"

"بس ایسے ہی شاہینہ باجی کہہ رہی تھیں شاید عبداللہ کو میرا کہنا اچھا نہیں لگا وہ ریحان بھائی کو ناپسند نہیں کرتی تھیں ان کے خیالات سے متفق نہیں ہیں بس۔"

"کم آن رابعہ! میں نے ایسا بالکل نہیں سوچا، وہ حق بجانب ہیں، پسند ناپسند یہ کسی کا اختیار نہیں ہے۔"

"پھر بھی وہ تمہارے بھائی ہیں۔"

"وہ بھائی ہیں تو شاہینہ باجی کو بھی میں سگی بہن سے کم نہیں سمجھتا۔"

"اور مجھے؟" اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ پھسلا۔

"تمہیں....." وہ اسے دیکھنے لگا، پھر منہ نیچا کر کے زیر لب مسکرا دیا۔

"انٹر کر لوں پھر بتاؤں گا۔"

"کیا مطلب؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"تمہاری ابھی مطلب سمجھنے کی عمر نہیں ابھی تم بچی ہو۔" اسے ہنسی آئے جا رہی تھی۔

"پورے پندرہ برس کی ہوں میں، بچی تو نادیہ ہے۔"

"تم بھی بچی ہو۔"

"تم تو بہت بڑے ہو جیسے، دو سال ہی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرق ہے ہماری عمروں میں۔"

"ہاں، میں بھی خود سے کہتا ہوں کہ ابھی کھانے پینے، موج مستی کرنے اور کھیلنے کی عمر ہے اس عمر میں ہجر و وصال اور سوروزیاں کے وبال نہیں پالنے چاہیے، زندگی پڑی ہے ایسی باتوں کے لئے لیکن رابعہ پھر سوچتا ہوں پتہ نہیں زندگی اتنی ہے بھی کہ نہیں۔" یکلخت ہی وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اب ایسا تو مت کہو۔" اسے اچھا نہیں لگا۔

"او کے نہیں کہتا ابو جندل بھائی جس دن بھی چچا جان سے ملنے آئیں مجھے ضرور اطلاع دینا، میری بہت خواہش ہے ان سے دوبارہ ملاقات کی۔" اس کا بے حد گلابی چہرہ آنکھوں میں سمو کر وہ جانے کے لئے اٹھ گیا۔

☆☆☆

تقریباً آدھی رات کا وقت تھا، جب حوالدار اور اس کا درندہ نما ساتھی ٹارچر سیل میں دوبارہ داخل ہوئے۔

"چلو بھئی مسلے صاحب! اپنے آخری سفر کے لئے تیار ہو جاؤ۔" حوالدار نے اس کی کمر میں اپنے بھاری بوٹ کی ضرب لگائی تو وہ کراہ کر رہ گیا، اس کا ساتھی سلمان کی رسیاں کھولنے لگا، وہ بالکل بے دم تھا، اس کے زخموں اور کراہوں کی پرواہ کیے بناء انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے کھڑا کر دیا۔

"اوہ ماں..... اف۔" اس کی حالت بے حد خراب تھی، اگر جو اس کی ماں دیکھ لیتی تو، بھلے سے اس کی ماں کا حوصلہ خنساءؓ اور عفراءؓ کی طرح تھا، وہ بہت باحوصلہ اور عزم والی عورت تھی لیکن پھر بھی ایک ماں تو تھی۔

"ابھی سب کٹھنائیاں رفع ہو جائیں گی مسلے جی!" حوالدار کا ساتھی قہقہہ لگا کر بولا اور پھر دونوں اسے کھینچتے ہوئے باہر لے آئے اور ایک وین کے پچھلے حصے میں پھینک دیا، وین میں اس کے علاوہ بھی تقریباً گیارہ افراد ایک دوسرے کے اوپر اوندھے پڑے تھے، سلمان کو وین میں پھینک کر انہوں نے زور دار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔

"اوئے خیال رکھنا، کوئی (کتے کا بچہ) زندہ نہ بچ جائے۔" اس کی مردہ ہوتی سماعتوں میں حوالدار کی پاٹ دار آواز گونجی۔

"تسی فکر نہ کرو جی۔" یہ غالباً کوئی سکھ تھا۔

سلمان نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں، اسے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ اس کی آخری منزل قریب آ چکی ہے کیونکہ اب ان درندوں کے کہنے کے مطابق انہیں کہیں مار کر پھینک دیا جانا تھا، یہ معمول کی بات تھی، جب بھارتی جلادوں کو ٹارچر سیل میں مقید زخم رسیدہ کشمیری مجاہدین اور مقامی لوگوں سے کسی خاص اطلاعات ملنے کی توقع نہ رہتی تو وہ انہیں اس طرح کسی ویران پہاڑ یا جنگلوں میں لے کر گولی مار دیتے تھے، کبھی قید خانوں یا ٹارچر سیلوں میں جگہ کم ہونے کی بناء پر زائد قیدیوں کو اسی طرح ٹھکانے لگایا جاتا تھا، پھر جنگلی جانور ان کی لاشیں چیر پھاڑ کر کھا جاتے۔

سلمان کو جن افراد پہ پھینکا گیا تھا ان کی حالت اس سے مختلف نہیں تھی، وہ سب غشی کی حالت میں تھے، ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد وین ایک جھٹکے سے رکی، پھر پچھلا دروازہ کھلنے کی آوازیں آئیں۔

"چلو اترو نیچے۔" باہر دو سکھ ایس ایم جی ہاتھ میں تھامے انہیں نیچے آنے کا کہہ رہے تھے، وہ ایک دوسرے کا سہارا لیتے لہراتے، لڑکھڑاتے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے، یہ ماہ اکتوبر کی

ابتدائی تاریخیں تھیں، ان تمام افراد کے زخموں سے چور بدن پر ناکافی لباس تھا، باہر نکلتے ہی سرد ہواؤں کے تھپیڑوں نے ان کا استقبال کیا تھا، لہو ان کے جسم میں منجمد ہو رہا تھا، انہیں مقتل تک لانے والے دو سکھ فوجی تھے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارنے کا فریضہ بھی انہوں نے انجام دینا تھا۔

"چلو اس طرف۔" ایک سکھ فوجی نے بندوق کی نال سے سڑک سے نشیب کی طرف جانے والے ڈھلوانی راستے کا انتخاب کر کے انہیں چلنے کا اشارہ کیا، سرمئی پہاڑی راستوں پہ چاندنی چٹک رہی تھی، بارہ تاریخ کا چاند زرد چہرہ بادلوں میں چھپائے انہیں افسردگی سے تک رہا تھا، فوجی صرف دو تھے تاہم ان افراد کی حالت اس قدر زبوں تھی کہ اگر وہ نہتے ہوتے تب بھی وہ ان سے بھڑنے کا سوچ نہیں سکتے تھے، وہ سب ایک دوسرے سے انجان تھے مگر منزل آخری اور یکساں تھی اس لئے ایک دوسرے کے سہارے چلنے لگے، یہ یگانگت ان کے جذبہ ایمانی اور جہاد کی تھی، سلمان کو ایک ایک کر کے پھر سے سب چہرے یاد آنے لگے تھے، پہلے اس کا دل رویا پھر وہ خود بھی بے آواز آنسو بہانے لگا، اس کے سینے میں درد اٹھ رہا تھا کہ وہ کیوں بے بسی کی موت مرنے جا رہا ہے، اس کی ماں نے تو کہا تھا "سلمان! زینب کا بیٹا ہے تو سینے پہ گولی کھا کر شہید ہونا" اور وہ ذرا سی غفلت کے باعث ان خبیث درندوں کے چنگل میں پھنس گیا تھا۔

اس کے اندازے کے مطابق یہ بھی سری نگر لداخ شاہراہ کا ہی ایک علاقہ تھا، ان کی آخری اجتماعی آرام گاہ قریب آ گئی تھی، دونوں سکھوں نے ایک گڑھے کے کنارے رک کر انہیں کھڑا ہونے کا کہا، وہ اپنی گنیں سیدھی کر رہے تھے، ان سب نے آنکھیں بند کر لیں ان کے لبوں سے کلمہ شہادت کا ورد تھا۔

مشین گنوں کی ہولناک تڑتڑاہٹ سے کائنات کا یہ گوشہ لرزنے لگا تھا۔

☆☆☆

اس کی طبیعت آج بہتر نظر آ رہی تھی اس لئے وہ کاغذ قلم لے کر بیٹھا تھا، کبھی کبھار اس کا دل چاہتا تو وہ اندر کا غبار لفظوں کی صورت صفحہ قرطاس پر اتار دیتا تھا، اندر کمرے میں اس کی ماں، بابو جی، حذیفہ اور زرمینے آپس میں باتیں کر رہے تھے، اس کا دل اچاٹ ہو رہا تھا اس لئے وہ باہر سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گیا تھا، اسے دنیا میں دو ہستیاں سب سے زیادہ عزیز تھیں ایک بابو جی اور دوسرے سلمان شاہ، اس کے بڑے بھائی۔

اس کے بابو جی عظام شاہ اس کے لئے آئیڈیل شخصیت رکھتے تھے، وہ بہت باوقار اور با اثر شخص تھے، مذہب سے عقیدت انہیں فطرت میں ملی تھی اور پاکستان سے عشق ان کی کمزوری تھی، وہ مذہبی فرائض کے معاملے میں بہت سخت تھے، مجال نہیں تھی کہ ان کے چاروں بچوں کی کوئی نماز قضاء ہو جائے یا بلا سبب (عذر) کوئی روزہ چھوٹ جائے، وہ تینوں بھائی ان کے ساتھ ہمیشہ باجماعت نماز ادا کرتے تھے، انہوں نے دین ان پر مسلط نہیں کیا گیا بلکہ ان کے اندر جذب کیا تھا، وہ کہتے تھے کہ۔

"مذہب کے معاملے میں انسان زمین جیسا ہوتا ہے جیسے کوئی زمین بیج بو کر اچھی فصل دیتی ہے اور کوئی کم اور یہ بیج مذہبی آداب و فرائض اور احکامات تھے جس کی انہوں نے بہت محنت سے آبیاری کی تھی، ایک عام کشمیری کی طرح انہیں بھی پاکستان سے گہری عقیدت تھی، تاہم ان کے اندر کچھ کر گزرنے کا جذبہ بھی تھا، وہ ہمہ وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاکستان اور جدوجہد آزادی کے لئے عملی طور پر کچھ کر دکھانے کے لئے مضطرب رہتے۔" ان کا کہنا تھا کہ آزادی تحفے کی صورت میں نہیں ملتی بلکہ اسے حاصل کرنے کے لئے آگ اور خون کا دریا پار کرنا پڑتا ہے۔

کشمیر میں جب تحریک آزادی کا جوش وولولہ دوبارہ بیدار ہوا تو انہوں نے اس کی بھرپور حمایت کی، جب تو جوانوں کے قافلے جوق در جوق تربیت حاصل کرنے کے لئے آزاد علاقے کی طرف جانے لگے تو انہوں نے سلمان شاہ کو بھی خونی لکیر پار کرنے کی اجازت دے کے لئے مخصوص تھا، کتنی ہی کارروائیاں ایسی تھیں، جن کی منصوبہ بندی ان کے گھر میں کی گئی تھی اور جن میں بابو جی کے مشورے بھی شامل ہوتے، کئی بار مجاہدین نے ان کے گھر میں عارضی پناہ بھی لی تھی، بہت سے نامور کمانڈروں کا ان کے ہاں آنا جانا تھا، ایسے ماحول میں ان کے تینوں بیٹے خود کار تربیت پا رہے تھے، جب سلمان شاہ کو تربیت کے لئے آزاد کشمیر بھیجنے کا ارادہ ہوا تو اس کا دل بھی بے اختیار مچلا تھا گو کہ وہ دسویں جماعت کا طالب علم تھا لیکن اس کے جوش و جذبے کے مقابل اس کی عمر بہت زیادہ تھی۔

سلمان شاہ ٹریننگ کے لئے جا چکے تھے وہ کئی دن دل مسوس کر کے پھرتا رہا بابو اس کی حالت سے غافل نہیں تھے اس لئے ایک انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر سمجھایا۔

"حمزہ! ایک مسلمان ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں اپنے گھر کے ایک فرد کو جہاد کے لئے بھیج دوں، میں نے اللہ کی راہ میں سلمان شاہ کو بھیج کر اپنا فرض پورا کر دیا۔"

"لیکن سلمان بھائی ہی کیوں؟" وہ مضطرب تھا۔

"اس لئے بیٹا!" انہوں نے گہری سانس لی۔

ایک تو اسے بچپن ہی سے ہندو بنیے سے برسر پیکار ہونے کا شوق رہا ہے، وہ دبے دبے لفظوں میں کئی بار سے اجازت مانگ چکا تھا اور دوسرے، انہوں نے ذرا سا رک کر حمزہ کی اداس صورت دیکھی۔

"مجھے بچپن سے ہی سلمان شاہ کی پیشانی پر ایک نور سا نظر آتا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ شہادت کا نور ہے۔" ان کی بات سن کر وہ دم بخود رہ گیا تھا اور پھر اسے بھی ایقان ہو گیا کہ وہ سلمان شاہ سے عمر، تجربے، ذہانت، جوانمردی ہی نہیں مقدر میں بھی کم حیثیت ہے، وہ واقعی مقدر کا سکندر تھے، انہیں جس چیز کی طلب تھی اللہ نے انہیں ودیعت کر دی تھی۔

اس کے بعد اس نے عملی طور پر جہاد میں حصہ لینے کی بات نہیں کی تھی مگر اس کا رواں رواں تحریک آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے بے چین رہتا۔

ظلمت زنداں کے پابند مکینوں کی جلد ہے
قفس اسیری سے کبھی اذن رہائی کی ندا ہو گی
سفر حریت وجنوں کا زنجیروں سے نہیں رکتا
طلب جائز ہو تو سنگلاخ زمینوں پہ بھی اکثر
فصل گل کا حسن لے کر امیدیں چٹکتی ہیں!!!

وہ احساسات کو لفظوں کا پیراہن دے رہا تھا، جب داخلی دروازے پر مدہم سی دستک ہوئی، اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے، اس نے سر اٹھا کر نیلے گگن کو دیکھا، بادل ایک دوجے کے تعاقب میں تھے۔

"کون ہے؟" حذیفہ اپنے نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"میں ہوں عظیم۔" باہر اس کا دوست تھا،

اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا، وہ کیسے بھول جاتا، کاغذ نوٹ بک میں رکھ کر اس نے قلم جیب میں ڈالا اور ان کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اس کی توقع کے مطابق عبداللہ بھی عظیم کے ہمراہ تھا۔

☆☆☆

گولیوں کی تڑتڑاہٹ رک چکی تھی، فضا میں اب بلا کا سکوت تھا، ہوائیں درختوں کی اوٹ میں دبک گئی تھی، چاند نے بادلوں میں چہرہ چھپا لیا تھا۔

موت ان کے پاس سے گزرتی رہی اور وہ بارہ کے بارہ افراد زندہ سلامت کھڑے تھے، سلمان نے حیرانگی سے اتھاہ گہرائیوں میں جا کر فوجیوں کو دیکھا تھا، انہوں نے اندھا دھند فائرنگ کی تھی مگر ان کا بال بیکا نہ ہوا تھا، وہ تمام لوگ انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے کیونکہ وہ ان کی بجائے سامنے درختوں کے جھنڈ پر گولیاں برسا رہے تھے، وہ منتظر رہے کہ کب دہکتے ہوئے انگارے ان کے بدن میں ڈوبتی زندگی کو اذن رہائی دیتے ہیں لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔

"کیا یہ پاگل ہو گئے ہیں؟" وہ سب ایک ہی بات سوچ رہے تھے، جب سکھوں کی گنوں کے میگزین ختم ہو گئے تو ان میں سے ایک بولا۔

"منڈیو! ہن تسی چھیتی چھیتی نس جاؤ (لڑکو اب تم جلدی جلدی بھاگ جاؤ)۔"

"کدی فیر پھڑے گئے تے ساڈے ناں مت لینا (کبھی پھر پکڑے گئے تو ہمارا نام مت لینا)۔" دوسرے نے ذرا توقف سے کہا۔

"ہاں تو اڈی مہربانی ہو گی (ہاں تمہاری مہربانی ہو گی)۔" پہلے نے پھر کہا اور دونوں پلٹ کر سڑک کی طرف جانے لگے۔

وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، موت ایک بار پھر انہیں چھو کر اگزر گئی تھی۔

"کیا واقعی مجھے زندگی کی نوید مل گئی ہے۔" سلمان شاہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

سرخ و سفید رنگت، گہرے براؤن بال، دلکش خدوخال اور نفاست پسند طبیعت کا مالک عبداللہ ڈار ایک بہترین مصور ہی نہیں شائستہ اخلاق و اطوار بھی رکھتا تھا، حمزہ کو اس سے مل کر بہت خوشی ہوئی تھی، اس کے والد کانگریس میں ضرور تھے مگر وہ ان سے اختلاف رکھتا تھا، اس نے اپنے چچا عبدالصمد کا تعارف بھی کروایا تھا، وہ ان کے قریبی گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔

وہ دونوں کافی دیر تک اس کے پاس بیٹھے رہے تھے، اس کا وقت اچھا گزر گیا تھا، اس کے بابو جی اور ماں جی بھی اس سے مل کر اچھا محسوس کر رہے تھے۔

"سلمان لالہ کی خیر وخبر آئی کوئی۔" عظیم نے اس سے پوچھا تھا۔

"ابو منازل بھائی سے ملاقات ہوئی تھی بابو جی کی، وہ بتا رہے تھے کہ سلمان لالہ انڈین آرمی کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔"

"پھر....." عظیم نے سرعت سے پوچھا۔

"پھر وہ بچ کر آ گئے، اب وہ پھر سے نئے مشن کی تیاری کر رہے ہیں۔"

"انڈین آرمی نے انہیں زندہ چھوڑ دیا، حیرت ہے۔" عبداللہ نے کہا، گویا وہ حالات سے بے خبر نہیں تھا۔

"یہ ماں جی کی دعائیں ہی ہو سکتی ہیں۔" حمزہ آہستگی سے بولا۔

"سلمان لالہ نے آخری سلام بھیجا تھا ان کے پاس، وہ اب کبھی گھر لوٹنا نہیں چاہتے۔"

"ہم کب اس قابل ہوں گے حمزہ! میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماں سے اجازت مانگنا چاہتا ہوں مگر ہمت ہی نہیں پڑی جب سے بابا جان کی شہادت ہوئی ہے وہ بہت اکیلی ہوگئی ہیں۔" عظیم کے لہجے میں کرب چیخ رہا تھا۔

"میں خود راہ حق کا مسافر بننا چاہتا ہوں، میرا پڑھائی میں دل نہیں لگتا، ہر شے سے جی اچاٹ ہوگیا ہے، مرنا تو سب نے ہے ایک دن پھر کیا ہے یہ جان ہمارے وطن کے کام آ جائے۔"

"تم لوگوں کو موت سے ڈر نہیں لگتا۔" کم ہمت عبداللہ نے سراسیمہ ہوکر پوچھا۔

"موت سے کس کو ڈر لگتا ہے، ہم راہ طلب کے مسافر ہیں، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیتے ہیں۔" حمزہ نے تفخر سے کہا تو عظیم مسکرانے لگا۔

"ہم زندگی سے پہلے موت کو یاد رکھتے ہیں، یہاں زندہ رہنا بھلایا جاسکتا ہے مگر موت تو قدم قدم پر ملتی ہے میرے دوست! تم کیا جانو جان فروش، بت شکن، کیسے ہتھیلی پہ جانیں لئے پھرتے ہیں۔"

"تم لوگ پاکستان سے اتنی محبت کیوں کرتے ہو؟" یہ وہ سوال تھا جو وہ ہر کسی سے کرتا تھا اسے بھی اس کا تسلی بخش جواب نہ مل سکا تھا۔

"پاکستان سے عشق کا جذبہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے عبداللہ!" حمزہ نے بات شروع کی، اس کا پس منظر دیکھا جائے تو سرحد پار جانے کی خواہش اور حسرت ناقابل فہم نہیں یہ وہ خواب ہے جس کی تعبیر معدودے چند خوش نصیبوں کو ملتی ہے، جب ہم بتایا کرتے تھے ان کے انداز میں اتنی محبت و احترام ہوتا تھا جیسے وہ اپنی معزز ترین ہستی کا تذکرہ کررہے ہوں، یہی محبت و احترام ہم سب میں سرائیت کرگیا اور اب لہو میں شامل ہے۔

"ہمارا کوئی پرچم نہیں ہے عبداللہ۔" حمزہ رکا تو عظیم کہنے لگا۔

"انفرادی تنظیموں اور جماعتوں کی بات الگ ہے لیکن میں اجتماعی حیثیت کی بات کررہا ہوں پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کو ہم اپنا پرچم مانتے ہیں۔"

"ہم اہل کشمیر کی زندگی کا واحد مقصد پاکستان سے الحاق ہے، ہم بھارت کے قبضے سے نجات چاہتے ہیں، یہ جنت نظیر وادی کشمیر غاصبوں کے شکنجے سے آزاد کروانی ہے ہمیں اور ہم ایسا کرکے رہیں گے انشا اللہ۔" وہ ایک عزم سے کہہ رہا تھا اس کی سنہری آنکھوں میں ہزاروں چراغ روشن تھے۔

"انشا اللہ۔" عظیم نے اس کے شانے پر بازو پھیلا دیا وہ دونوں عبداللہ کو اپنی قامت سے بہت بلند محسوس ہورہے تھے، وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

☆☆☆

وہ پہلے بھی زیادہ بات نہیں کرتا تھا مگر اب تو جیسے اس نے زبان کہیں رہن رکھ دی تھی، اس کے میٹرک کے ایگزیم ہوچکے تھے، ان دنوں وہ فارغ ہی تھا، زیادہ تر کمرے میں بند کتابیں پڑھتا رہتا، اس کی ماں کو تشویش ہوئی تو انہوں نے اپنے شوہر سے بات کی۔

"اچھی بات ہے گھر میں رہتا ہے، میں خود یہی چاہتا ہوں۔" وہ لاپرواہی سے بولے۔

"گھر میں رہے مگر اس کی موجودگی محسوس تو ہو، بہت کم بات کرتا ہے، پتہ نہیں کیا سوچتا رہتا ہے۔"

"اس نے کیا سوچنا ہے، اس عمر میں سوچیں کہاں ہوتی ہیں، تم خواہ مخواہ پریشان ہورہی ہو،

میرے چاروں بچوں میں عبداللہ نے مختلف مزاج پایا ہے، وہ اپنی ذات میں مگن رہنے والا بے ضرر سا بندہ ہے، کسی سے لینا نہ دینا۔"

"یہی بات تو مجھے پریشان کرتی ہے، وہ اپنی عمر کے لڑکوں سے بہت مختلف ہے، اس کے اندر کوئی شوخی شرارت نہیں، ایک ساکت جھیل کی طرح کتنا سکوت پھیلا رہتا ہے اس کی آنکھوں میں آپ نے کبھی غور کیا۔"

"اس وقت وہ کیا کررہا ہے۔" ٹی وی سے نظر ہٹا کر انہوں نے اپنی نصف بہتر کو دیکھا۔

"چائے کا کہہ کر اپنے کمرے میں گیا ہے، کہہ رہا تھا شام کو چچا کی طرف جانا ہے۔"

"اسے صمد کی طرف بھی زیادہ مت جانے دیا کرو، وہ اسے اپنے جیسا نہ بنالے، اسے بھیجنا میرے پاس، پوچھوں کہ میٹرک کے بعد کیا ارادے ہیں، بلکہ بہتر ہے کہ وہ چھٹیوں میں بھی کوئی کورس وغیرہ کرلے۔" انہوں نے کہا تو وہ اسے بلانے چل دیں۔

"عبداللہ۔" انہوں نے دروازے پر دستک دی تھی، کوئی آواز نہ آنے پر وہ اندر چلی آئیں وہ ٹیرس میں ایزل لگائے رنگوں سے کھیل رہا تھا، اپنا یہ چھوٹا بیٹا انہیں بہت عزیز تھا، وہ اسے کچھ نہیں کہتی تھیں حتی کہ اس سے کبھی اونچی آواز میں ڈانٹا تک نہ تھا وہ اردگرد سے قطعی بے نیاز بہت غور سے کینوس کو دیکھ رہا تھا، وہ دھیرے سے مسکرا دیں مگر اگلے ہی پل ان کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

عبداللہ نے کینوس پر ایک نسوانی چہرہ پینٹ کیا تھا، اس کے ایک ایک نقش کو اس نے بہت خوب صورتی سے ابھارا تھا، یہ چہرہ ان کے لئے اجنبی نہیں تھا، بھلا اپنے دیور کی بھتیجی بیٹی رابعہ کو وہ کیسے نہ پہنچانتیں، عبداللہ کو غالباً اس میں کوئی کمی محسوس ہورہی تھی جبھی غور سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے اس چہرے کو پہچانا۔" وہ دبے پاؤں واپس پلٹ جانا چاہتی تھیں مگر وہ ان کی آمد سے غافل نہ تھا۔

"تم رابعہ کی تصویر کیوں بنا رہے؟ کیا اس نے تم سے کہا ہے؟" انہوں نے سنبھل کر پوچھا۔

"نہیں، وہ مجھ سے کیوں کہے گی، وہ تو کہتی ہے تصویریں مت بنایا کرو، نقش بنانا خدائی وصف ہے، میں اب جاندار تصویریں نہیں بناتا امی! لیکن رابعہ کے چہرے کو ضرور پینٹ کرنے کی خواہش تھی، یہ میں نے اسے دیکھے بناء بنائی ہے۔" وہ رسانیت سے بتانے لگا۔

"کیوں؟ تمہیں اس کا چہرہ پینٹ کرنے کی خواہش کیوں تھی؟" ناگواری کا تاثر ان کے من میں ابھرا تھا، جب سے عبدالصمد نے ریحان کو ٹھکرایا تھا وہ لوگ انہیں اچھے نہیں لگتے تھے۔

"یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔" وہ سادگی سے بولا۔

"تمہارے پاپا کہہ رہے ہیں تم اپنے چچا کی طرف زیادہ مت جایا کرو، وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔"

"کیوں؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"وجہ بتانی ضروری نہیں ہے میں خود بھی پسند نہیں کرتی کہ تم ان سے زیادہ میل جول رکھو۔"

"مگر کیوں امی! وہ لوگ کوئی غیر نہیں ہیں، ہمارے اپنے ہیں۔"

"کیا خاک اپنے ہیں، اپنے ہوتے تو تمہارے ریحان بھائی کو اس طرح ٹھکراتے۔" ان کا لہجہ تیز ہوا تو وہ چپ سا ہوگیا۔

"بچپن کی نسبت تھی، کتنی آسانی سے ختم کردی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"امی! آپ کو کون سا شاہینہ باجی پسند تھیں۔" اس نے حقیقت بیان کی۔

"تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ میرے ہیرے جیسے بیٹے کو ٹھکرا دیتے؟ ویسے بھی مجھے تمہارے چچا کی پینڈو سی لڑکیاں پسند نہیں ہیں، نہ شاہینہ، نہ رابعہ نہ نادیہ۔" اچانک ہی انہوں نے پینترا بدلا، وہ رنگ اور برش سمیٹ رہا تھا۔

"مگر مجھے چچا اور ان کی فیملی بہت پسند ہے۔"

"ہونہہ، ان میں ہے ہی کیا جس کی بناء پر انہیں پسند کیا جائے۔"

"ان میں اخلاق ہے، مذہب ہے، احساس ہے، مروت ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں تمہارے پاپا کہ وہ لوگ تمہیں بھی بگاڑ دیں گے، اپنے جیسا بنا لیں گے، یہ ان سے میل جول کا نتیجہ ہے کہ آج تم اپنی ماں سے زبان درازی کر رہے ہو۔" انہیں اشتعال آیا۔

"معاف کیجئے گا امی! میں آپ سے زبان درازی نہیں کر رہا اور رہی بات ان جیسا بن جانے کی تو وہ برے لوگ نہیں ہیں، نہ ان میں کوئی عیب ہے۔"

"اپنے باپ کو سمجھاؤ جا کر یہ بات وہیں تمہیں ساتھ لے لے کر جاتا رہا ہے۔"

"آپ کو اتنا غصہ کس بات پر آ رہا ہے؟"

"تم نے اس لڑکی کی تصویر کیوں بنائی، کیا یہی رہ گئی تھی دنیا میں۔" انہوں نے وجہ بتائی۔

(میرے لئے تو دنیا اس پر ختم ہے شاید) وہ خاموش رہا۔

"اب چپ کیوں ہے، میں تو ابھی تک تمہیں بچہ سمجھتی ہوں مگر آج یہ علم ہوا کہ تم بڑے ہو گئے ہو۔" وہ چبا چبا کر بولیں، عبداللہ نے متاع حیات کی طرح وہ تصویر اتاری اور اندر جانے لگا۔

"میں واقعی بڑا ہو گیا ہوں امی! اب میری کھلونوں سے کھیلنے کی عمر نہیں رہی۔"

☆☆☆

یہ ابتدائی بہار کی ایک شام تھی۔

زینت بی بی کونے سے لگے بڑے نل پر نماز عصر کے لئے وضو کر رہی تھی، وہ تینوں باپ بیٹا کچھ دیر قبل ہی مسجد سے آئے تھے، ایک کونے میں زرمینے جاء نماز بچھائے نماز میں مشغول تھی۔

"آج آسمان کتنا شفاف لگ رہا ہے نا حمزہ!" حذیفہ چارپائی پہ چت لیٹا آسمان پہ ستارے ڈھونڈ رہا تھا۔

"ہوں۔" وہ اکثر ہی کہیں کھویا ملتا۔

"یہ آسمان کے آخری کنارے اتنے سرخ کیوں ہوتے ہیں حمزہ! کیا یہ شہیدوں کا لہو ہے۔" وہ اس سے پوچھ رہا تھا اس سے قبل کہ حمزہ اس کی بچگانہ بات پہ مسکرا کر کوئی جواب دیتا دروازے پہ زور و شور سے دستک ہوئی۔

"الٰہی خیر!" عظام شاہ کے لبوں سے بے ساختہ نکلا، زینت بی بی چادر سر پر لینے لگیں۔

"کون ہے؟" حذیفہ ہی گیا تھا دروازہ کھولنے۔

"دروازہ کھولو۔" بھاری کرخت آواز کسی بھارتی آفسر کی تھی، حذیفہ سوالیہ نظروں سے عظام شاہ کو دیکھنے لگا۔

"دروازہ کھول دو بیٹا!" ان کی استقامت میں فرق نہیں آیا تھا، زرمینے بھاگ کر آئی اور حمزہ کے عقب میں چھپ گئی، دروازہ کھلتے ہی بھارتی فوجی دناتے ہوئے صحن میں آ گئے۔

"سلمان شاہ کہاں ہے؟" کیپٹن یادیو لال نے بابو جی سے پوچھا۔

"ہمیں معلوم نہیں۔" وہ رسانیت سے بولے۔

"وہ گزشتہ کئی ماہ سے گھر نہیں آیا۔"

"ہمیں سختی پر مجبور نہ کریں شاہ صاحب۔" کیپٹن غرایا۔

"بھائی!" زرمینے کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی، حمزہ نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

"پورا گھر چھان مارا، سالا اندر کہیں روپوش ہو گا۔" اس نے ماتحتوں کو حکم دیا اور وہ جیسے اسی حکم کے منتظر تھے، ذرا سی دیر میں ہی گھر کی حالت بدل گئی تھی، انہوں نے سارا سامان ملیا میٹ کر دیا تھا۔

"اندر نہیں ہے۔" ایک فوجی نے آ کر کہا۔

"ہم نے کہا نہ کہ وہ گزشتہ کئی مہینوں سے یہاں نہیں آیا۔"

"شاہ صاحب ہم آپ کی بزرگی کا خیال کر رہے ہیں، ہمیں ہر صورت سلمان چاہیے زندہ یا مردہ۔"

"ایسا مت کہو۔" زینت بی بی تڑپ اٹھیں، وہ اپنے لخت جگر کے لئے ایسے لفظ کہاں سن سکتی تھیں۔

"ایسا ہی ہو گا۔" کیپٹن یادیو لال مکروہ انداز میں مسکرایا۔

"میں آپ کے دونوں سپوتوں کو لے کر جا رہا ہوں۔" اس نے گہری نگاہ زرمینے پر ڈالی جس کا ڈرا سہما وجود اب بابو جی کے ساتھ تھا۔

"جب سلمان مل جائے تو انہیں چھوڑ دوں گا لیکن اگر زیادہ دیر ہو گئی تو شاید یہ بھی....." اس نے سفاکیت سے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی، زینت بی بی کے چہرے پہ مردنی چھا گئی، عظام شاہ البتہ خاموش رہے تھے، وہ دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"لے آؤ انہیں۔" کیپٹن یادیو لال کہہ کر باہر نکل گیا، اس کے پیچھے دوسرے فوجی ان دونوں کو دھکے دیتے ہوئے باہر لے گئے اور وہاں کھڑی جیپ میں سوار کر دیا، حمزہ خود بھی حوصلے کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن اسے اپنے چھوٹے بھائی کی فکر تھی جس کی عمر محض تیرہ برس تھی۔

☆☆☆

گر لانی ہے چمن میں لالی تو خون جگر ارزاں کر دو
تو صرف خزاں کے ماتم سے تمہید بہاراں کیا ہو گی

وہ ٹک سک سے تیار ہو کر گھر سے نکلا تو چوک میں احتجاجی مظاہرہ ہو رہا تھا ایسے مناظر اب معمول کا حصہ بننے لگے، جھڑپ کے نتیجے میں کوئی کشمیری کمانڈر شہید ہو گئے تھے، لوگوں کا غم و غصہ بلا کا تھا، اکثر خواتین روتے ہوئے بین کر رہی تھیں، نوجوان بھارتی پرچم کو پیروں تلے مسلتے ہوئے نذر آتش کر رہے تھے۔

"ہندوستان مردہ باد" کے پرجوش نعرے لگائے جا رہے تھے اور دیواروں پر Go back indian dogs کی چاکنگ کی گئی تھی۔

وہ دل پر بوجھ لئے چچا کے گھر تک آیا تھا، زلیخاں چچی اور شاہینہ باجی کسی مرگ میں گئی ہوئی تھیں، چچا عبدالصمد بھی گھر پہ نہیں تھے، نادیہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور رابعہ کتابیں پھیلائے بیٹھی تھی، چچا جان یا کسی بڑے کی عدم موجودگی میں اسے بیٹھنا مناسب نہ لگا اس لئے سامنے باغات میں چلا آیا، اس کی ماں کا رویہ اس روز سے ہی خراب تھا، وہ نئی الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا۔

"چائے پیو گے عبداللہ!" رابعہ اس سے پوچھنے آئی تو وہ جو ٹہلتے ٹہلتے تھک چکا تھا وہیں رکھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"پیوں گا مگر ابھی نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم اتنے الجھے الجھے کیوں رہتے ہو عبداللہ؟" وہ اس کا پریشان چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ جیسے خود بھی تنگ آچکا تھا اپنی کیفیت سے۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ابھی تک خود کو ایک کنارے تک نہیں لا پائے، تمہارا ذہن دو حصوں میں بٹا ہوا ہے عبداللہ!" وہ اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، میں سمجھ نہیں پا رہا کہ کیا ٹھیک ہے کیا غلط، میں کس طرف چلوں۔"

"عبداللہ! تمہیں عجیب نہیں لگتا کہ جب پوری کشمیری قوم ابتداء کے ایک طویل دور سے گزر رہی ہے تو کچھ لوگ بھارت کے ظلم و ستم اس کی جارحانہ روش دیکھنے کے باوجود اس کا کاسہ لیس بنے ہوئے ہیں۔"

"میں تمہارا اشارہ سمجھ رہا ہوں رابعہ؟ تم یقیناً پاپا اور ریحان بھائی کی بات کر رہی ہو مگر اس میں میرا کیا قصور؟"

"تمہارا قصور یہ ہے کہ تم ایک ایسے شخص کی اولاد ہو جو کشمیری قوم سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے۔" رابعہ بہت کم مشتعل ہوتی تھی، آج وہ اس کمانڈر کی شہادت کی وجہ سے بہت مضطرب تھی جس کی شہادت کی وجہ سے احتجاجی مظاہرے میں مزید چار کشمیری شہید ہو گئے تھے۔

"ہمارا جرم کیا ہے عبداللہ! ہمیں کس بات کی سزا ملتی ہے، کتنے برس ہو گئے ہیں ہمیں آزادی کے لئے جانوں کے نذرانے دیتے، ہماری منتظر آنکھیں اب پتھرانے لگی ہیں، تھک چکے ہیں ہم لاشیں دفناتے دفناتے۔" اس کی آواز بھرا گئی، وہ انگلیاں چٹخا رہا تھا، اسے اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا۔

"اور یہ تمہارے باپ جیسے غدار لوگوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" عبداللہ کو یوں لگا جیسے کسی نے بھرے بازار میں گالی دی ہو اسے۔

"تمہارے باپ بھائیوں جیسی کالی بھیڑیں ہیں ہمارے سفید ریوڑ میں جو ہماری خواہشوں اور آرزوں پہ کالک مل دیتی ہیں، ہمارے مجاہدین بھائیوں کی کاروائیوں پہ پانی پھیر دیتی ہیں، بعض زر پرست لالچی افراد ایسے بھی ہیں جو ذرا سے روپے پیسے کے لئے اپنا ایمان بیچ دیتے ہیں، اپنی ایمانداری اور وفا داری داؤ پر لگا دیتے ہیں، بھارتی درندوں کے پالتو کتے بن جاتے ہیں، انسانیت کے نام پر دھبہ ہیں ایسے کم ظرف لوگ، تم جانتے ہو، میرے ماموں زاد شبیر دل کو کیسے شہید کیا گیا۔" اس کے آنسو بہنے لگے تھے اور وہ کہنا چاہتا کہ "روؤ مت تمہارے اشک میرے دل کو تکلیف دیتے ہیں۔" لیکن وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"ایک زلیل کشمیری نے چند پیسوں کے لئے اپنا ایمان بیچ دیا تھا، اس کی مخبری کر دی تھی پھر بھارتی فوج اسے گرفتار کر کے لے گئی، مجھے نفرت ہے ان غداروں سے، اپنے ہی بھائیوں کا گوشت کھاتے ہیں مردار لوگ، ان درندوں نے کیسے بے دردی سے میرے بھائی کو مار ڈالا، میں تمہیں کیسے بتاؤں عبداللہ! اس کی تو اتنی عمر بھی نہیں تھی جتنے زخم ڈال دیئے تھے ان وحشیوں نے اس کے بدن پر۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک رہی تھی۔

"کتنا شوق تھا اسے مجاہد بننے کا وہ تربیت کے لئے سرحد پار جانا چاہتا تھا مگر....."

"پلیز رابعہ! روؤ مت۔" اسے کہنا پڑا۔

"تو کیا تمہارے باپ کی طرح قہقہے لگاؤں ان کی مرگ پہ۔" وہ چلائی۔

"میں کیسے نہ روؤں عبداللہ! روز کتنے لاشے گرتے ہیں ہماری نظروں کے سامنے، میرا دل پھٹنے لگتا ہے اپنی مظلومیت پہ، تم میرے جذبات، میرے احساسات نہیں سمجھ پاؤ گے عبداللہ! تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔" رونے کی وجہ سے اس کا گلہ بیٹھ رہا تھا، گلابی چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور کاجل آنکھوں سے پھیل گیا تھا، عبداللہ کا دل کٹنے لگا، اس کا ضمیر اس کو جھنجھوڑ رہا تھا، واقعی وہ کیسے سمجھ سکتا تھا، وہ بے حد نرم دل تھا مگر درد محسوس کرنے کے لئے احساس ہونا شرط ہے۔

"میں تمہیں سمجھا نہیں سکتی لیکن کچھ دکھانا ضرور چاہتی ہوں۔" اس نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا وہ اس کے آگے تیز قدموں سے چل رہی تھی، وہ اس کے قدموں پہ قدم رکھ رہا تھا کچھ دیر بعد وہ گاؤں کے باہر ایک مزار شہداء کے سامنے کھڑے تھے، ان کے سامنے متعدد چھوٹی بڑی قبریں تھیں۔

"یہ دیکھو....." اس نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ غفران کی قبر ہے، اس کی عمر طرف گیارہ سال تھی، اسے جنگل میں بکریاں چراتے ہوئے ان درندوں نے پکڑا تھا اور پھر اذیت دے کر مار دیا، اس کا کیا قصور تھا عبداللہ۔" وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"اور یہ ایک پانچ سال کے بچے کی قبر ہے، جس نے بھارتی فوج کو پتھر مارے تھے اور جواب میں انہوں نے اس کا پورا بدن چھلنی کر دیا، ننھے منے معصوم بچے، یہ دہشت گرد ہیں کیا اور یہ چودہ سالہ راقیہ کی قبر ہے، جسے بھارتی سورما اٹھا کر لے گئے تھے اس کی جان اور آبرو دونوں چھین لیں، وہ اس کا نوحہ سناؤں تمہیں، کس کس مرگ پہ ماتم کروں۔" وہ زمین پر جھک گئی تھی، اس کی لرزہ خیز چیخیں عبداللہ کو شرمندگی کی دلدل میں دھنسا رہی تھیں، وہ اسے روتا چھوڑ کر واپس پلٹ گیا، اس کے ضمیر پر بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

موت کتنی ہی سفاک سہی مگر زندگی کی تلخ حقیقتوں اور آزمائشوں کے تجربے کنار سے کہیں کہیں زیادہ آسان ہے، جینے کی نسبت مرنا آسان ہے وہ بھی ایسا جینا جس میں سانسیں گروی ہوں اور وجود اسیری کی کڑی زنجیروں میں مقید، انہیں زندگی کی طلب نہیں رہی تھی مگر ان کی اولین خواہش تھی کہ ان کا لہو رائیگاں نہ جائے۔

جس روز انہیں اذن رہائی ملا انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اب ہر صورت ظلم کا بدلہ چکانا ہے وہ گرتے پڑتے زندگی کی تلاش میں سرگرداں ایک گاؤں میں پہنچے، بارہ میں سے سات مجاہد تھے اور باقی پانچ مقامی کشمیری تھے جنہیں مخبری کے جرم میں پابند سلاسل کیا گیا تھا، ان میں چلنے کی سکت نہ ہونے کے برابر تھی پھر بھی خود کو گھسیٹ رہے تھے، تقریباً پچیس منٹ کی مسافت کے بعد وہ ایک گاؤں میں پہنچ گئے سب سے پہلے ان کا سامنا ایک بزرگ شخصیت سے ہوا تھا، وہ مسجد کے نائب امام تھے اور اس وقت نماز فجر ادا کر کے گھر جا رہے تھے، بلند و بالا پہاڑوں کی اوٹ سے سورج کی کرنیں جھانکنے لگی تھیں، انہوں نے اپنا تعارف کروایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فوراً انہیں اپنے گھر لے گئے، وہ گھر میں داخل ہوئے تو ان ہی کی طرح کی ایک بزرگ خاتون چولہے کے پاس بیٹھی کچھ پکانے میں مصروف تھیں، ایک دم سے اتنے افراد کو دیکھ کر وہ بوکھلا گئیں اور بڑے میاں کو متعجب نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ ہمارے مہمان ہیں، ان کے لئے کھانے کا بندوبست کرو۔" انہوں نے خاتون سے کہا اور ان سب کو لے کر کمرے میں آ گئے، جہاں فرش پر نرم بستر بچھے ہوئے تھے، سلمان شاہ کو بے ساختہ اپنے گھر کی یاد آئی، وہ بھی اسی طرز کا بنا ہوا تھا، اسے قسمت کی چک پھیریوں پہ حیرانگی ہو رہی تھی کہ وہ کیسے اپنے ماں باپ بہن بھائیوں سے جدا منزل کی تلاش میں دربدر بھٹک رہا ہے، اس کی ماں جی جو اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی اسے شاید خبر بھی نہ ہو گی کہ اس کا راج دلارا بدن اور روح پر کتنے ناسور لئے پھر رہا ہے۔

☆☆☆

ساڑھے نو بجے کے قریب میں آفس میں داخل ہوا تھا، معمول کے کام نپٹانے اور اخبارات دیکھنے کے بعد میرا ارادہ عاصم کی طرف جانے کا تھا، جب حسن اپنا کام لئے آ گیا، وہ اسپورٹس نیوز کا انچارج تھا، اکثر ہی صفحے کی ڈیزائننگ میں میری خدمات حاصل کرتا تھا۔

"یار! مجھے تو ارجنٹ کام سے جانا تھا کہیں۔" میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"پلیز سر! جو آپ کہیں گے کروں گا۔" وہ فوراً ہی ملتجی لہجے میں بولا کہ کہیں میں ڈاج دے کر نکل نہ جاؤں۔

"او کے پھر ایسا کرو، یہ دو آرٹیکل ہیں انہیں کمپوز کرواؤ، جب تک میں تمہارا کام کر دیتا ہوں۔" میں نے فوراً اپنا کام اسے تھما دیا، بے کار میں کسی پر احسان کرنا میری عادت نہیں تھی۔

"تھینک یو سر!" وہ خوش ہو گیا اور میری ٹیبل سے آرٹیکل اٹھا کر اپنے کیبن میں چلا گیا، اسی وقت میرے سیل کی میسج ٹون بجی، یقیناً یازش کا میسج تھا میں نے فوراً جیب سے سیل نکال کر میسج چیک کیا۔

"آپ کو پتہ ہے، آپ کی تصویر آئی ہے اخبار میں۔" اس نے خوشی سے بتایا۔

"ہیں..... کیا واقعی؟ کس میں؟ مجھے حیرت ہوئی کہ میری تصویریں کب سے اخبارات میں شائع ہونے لگیں، میں عام سا صحافی تھا، کوئی حکومتی کارندہ یا مشیر نہیں۔"

"آپ کو نہیں پتہ؟"

"نہیں بھئی؟ مجھے واقعی علم نہیں تھا۔"

"کیا واقعی آپ نے دیکھا نہیں اخبار؟"

"کون سے اخبار میں آئی ہے؟"

جواب میں اس نے ایک قیمتی اخبار کا نام لیا۔

"جاؤ یار..... مذاق کر رہی ہو۔"

"نہیں سچ کہہ رہے ہیں، آئی سوئیر۔"

"کیا آج کے اخبار میں؟"

"جی آج ہی کا ہے۔"

"کون سے پیج پہ۔"

"اندرونی صفحات میں ہے جہاں تلاش گمشدہ کا اشتہار ہے ہاہاہا۔"

"یازش! یو چیٹر۔" اس کے مذاق کو میں نے بہت انجوائے کیا تھا، زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ بہت اچھے موڈ میں لگ رہی تھی، پھر میں اس سے دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں پوچھنے لگا، وہ غالباً فارغ ہی تھی اس لئے Reply کرتی رہی۔

☆☆☆

ان کہی کے لہجے میں
کہا نہیں کیا ہم نے
ان سنی کے پردے میں
کیا نہیں سنا تم نے
راز جو نہیں کھلتا

جانتے ہیں ہم دونوں
ت جو نہیں کرتے
انتے ہیں ہم دونوں
ھند چھائی رہتی ہے
کہر جیسا عالم ہے
ل زدوں کی بستی کا
کیا عجیب موسم ہے
ک مہک فسردہ سی
جیسی فیض کی نظمیں
یاد کی کسک جیسے
ہوں فراز کی غزلیں
سوچ ایک جیسی ہے
خواب ایک جیسے ہیں
دور دور رہ کر بھی
ساتھ ساتھ چلتے ہیں
خوش گمانیاں دل کی
کان میں یہ کہتی ہیں
دوریوں سے ڈرنا کیا
آہ سرد بھرنا کیا
ایسی رت بھی آئے گی
جب کہ شاخ فردا پر
مشل گل کھلیں گے ہم
ایک دن ملیں گے ہم

اس روز کے بعد اس کی ہمت نہ پڑی تھی کہ رابعہ کا سامنا کرتا، اس کے آنسو بار بار اسے احساس ندامت سے دوچار کر دیتے، اس نے ہمیشہ اسے ہنستے دیکھا تھا اور ہنستے ہوئے وہ کس قدر خوب صورت لگتی ہے، یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا، اس کے آنسوؤں کی وجہ عبداللہ نہیں تھا مگر کہیں نہ کہیں اس کی خاموشی اسے مجرم بناتی تھی، اس کی ماں اسے کئی بار باور کروا چکی تھی کہ وہ رابعہ لوگوں کے ساتھ میل جول ختم کر دے کیونکہ جو کچھ وہ سوچ رہا وہ ایسا ناممکن ہے، ان کی باتوں سے بیزار ہو کر وہ گھر کے قریبی باغات میں چلا آیا۔

خوبانی کے لدے پھندے درختوں کو کینوس پہ منتقل کرتے ہوئے اس کا ذہن رابعہ کی طرف ہی تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ کسی خاص موقع پر وہ اپنی بنائی ہوئی تصویر رابعہ کو تحفے میں دے۔

"کس قدر حیرت زدہ ہو گی وہ۔" اس کا چہرہ خیالوں میں سوچ کر وہ مسکرا رہا تھا۔

"وہ مجھ سے پوچھے گی تم نے کیسے ہو بہو میری تصویر بنا لی جبکہ میں تمہارے سامنے تھی بھی نہیں اور میں..... کیا میں بتا پاؤں گا کہ رابعہ جس قدر میں تمہیں سوچتا ہوں تمہارے نقش اور خال و خد کاغذ پر اتار دینا اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔" وہ اپنے آپ میں مگن تھا دفعتاً اسے نسوانی چیخ سنائی دی، وہ بے اختیار چونکا تھا۔

"بچاؤ بچاؤ۔" یہ کسی لڑکی کی چلاتی ہوئی آواز تھی، عبداللہ نے برش پلیٹ میں رکھا اور اِدھر اُدھر کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ آواز کس طرف سے آ رہی ہے۔

"تمہیں خدا کا واسطہ ہے چھوڑ دو مجھے۔" لڑکی کی پکار میں التجا اور بے بسی تھی، عبداللہ کا دل مٹھی میں آ گیا، اسے یوں لگا جیسے رابعہ اسے مدد کے لئے پکار رہی ہے، وہ قریبی چشمے کی طرف بھاگنے لگا، اسے محسوس ہوا جیسے کوئی لڑکی پانی میں گر گئی ہے اور ڈوبنے سے بچنے کے لئے چلاتے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، چشمہ کی گہرائی زیادہ تھی وہ اس کے قریب آیا اور سامنے نگاہ پڑی تو اس کی حالت غیر ہونے لگی، انتہائی غیر متوقع منظر تھا، تین فوجی ایک نوجوان لڑکی کو بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے کچھ دور کھڑی جیپ کی طرف لے جا رہے تھے، لڑکی بری طرح مچلتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزاحمت کر رہی تھی، کچھ دور تین چار لڑکیاں چلاتی ہوئی آبادی کی طرف دوڑ رہی تھیں، لڑکی چیخ و پکار اور فریاد نے اس کے حواسوں کو جھنجھوڑ دیا تھا، وہ سرخ چہرہ لئے بھاگتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

''چھوڑ دو مجھے..... چھوڑو۔'' وہ لڑکی اپنا آپ چھڑا رہی تھی اور تینوں فوجی بلند و بانگ قہقہے لگا رہے تھے، عبداللہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور ایک فوجی کے منہ پر پوری قوت سے مکا جڑ دیا، وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ نشے میں تھے، وہی نہیں بلکہ دوسرے دونوں فوجی بھی نشے کی حالت میں تھے، اس کی مدد کیا کہ لڑکی کی جدوجہد میں تیزی آ گئی، اس نے تڑپ کی سامنے کھڑے فوجی کو ٹانگ رسید کی، ''وہ ہائے رام'' کہہ کر لڑھک گیا، تیسرے فوجی کی گرفت کمزور پڑی تو وہ لڑکی تیزی سے اپنا آپ چھڑا کر روتی ہوئی وہاں سے بھاگ گی، ایک فوجی اس کے پیچھے لپکا مگر وہ درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو چکی تھی، عبداللہ نے جوش میں آ کر بھارتی فوجی کو مکا تو جڑ دیا تھا لیکن اب اپنا متوقع انجام سوچ کر اس پر لرزہ طاری ہو گیا، اس کے قدموں میں تو اتنی سکت بھی نہ رہی تھی کہ اس لڑکی کی طرح وہاں سے رفو چکر ہو جاتا، ایک فوجی نے مغلظات بکتے ہوئے اپنی مشین گن سیدھی کی اور ایک قدم پیچھے ہٹا، عبداللہ نے تھوک نگل کر اسے دیکھا اس سے قبل کہ وہ اس کی زندگی کا پتہ کاٹتا، اس کے ساتھی نے اسے روک دیا۔

''ٹھہرو، اسے مسلے کا جرم اتنا چھوٹا نہیں ہے کہ اسے صرف گولی مار دی جائے، اس نے ہمارے منہ سے شکار چھینا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی جسارت کی سزا کتنی عبرتناک ہوتی ہے، اسے کیمپ میں لے چلو۔'' اس کے لہجے میں اتنی سفاکیت تھی کہ وہ کانپ کر رہ گیا، پھر انہوں نے اسے جیپ میں دھکیلا اور کیمپ میں لے آئے، جو وہاں سے کچھ ہی دور سوپور سری نگر روڈ پر واقع تھا، عبداللہ کو تو کبھی کسی نے پھول کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا اور اب وہ تینوں فوجی بے رحمی سے اسے بھاری بوٹوں کی ضربیں لگاتے ہوئے جیپ سے اتار کر کیمپ میں لے گئے تھے، وہ سسک سسک کر رو رہا تھا، ایک وحشی فوجی نے مشین گن کے بٹ اس کے سر میں مارے تھے، جس کی وجہ سے اس کا سر چکرانے لگا تھا، اسے پہلی بار علم ہوا کہ اذیت کسے کہتے ہیں، درد کیسے ہوتا ہے؟ تکلیف سہنا مجبوری کیوں بن جاتی ہے۔

''ادھر مر اوسالے..... تمہاری ہمدردیوں کا بخار بھی کچھ دیر میں اتارتے ہیں ہم۔'' پستے قد والے فوجی نے ٹھوکر مار کر اسے ٹارچر سیل میں دھکیل دیا، اس کے علاوہ آٹھ دس افراد وہاں پہلے سے موجود تھے، تمام افراد کے زخموں سے لہو رس رہا تھا، جس کی وجہ سے سیل میں عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی، نفاست پسند طبیعت کا مالک عبداللہ ڈار جس کے لباس میں ایک شکن نہ ہوتی تھی، اس وقت بے بسی کی حالت میں قیدیوں کے قدموں میں اوندھا گرا ہوا تھا۔

آج ہی اسے معلوم ہو رہا تھا کہ ''اسیری'' کسے کہتے ہیں؟ وہ تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا، قیدیوں کی نگاہ میں اس کے لئے ترحم کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

صاحب خانہ نے ان کے زخموں پر ہلدی کا لیپ کیا تھا اور ساتھ میں دودھ میں ہلدی ملا کر بھی پلائی تھی جس کی وجہ سے ان کے زخموں میں افاقہ ہوا تھا اور درد کی شدت بھی کافی کم ہو گئی تھی، وہ رات انہوں نے اسی گھر میں بسر کی تھی، سلمان

شاہ نے مقامی کمانڈر سے رابطہ کیا تھا انہوں نے کل صبح انہیں ہائیڈ آؤنس میں آنے کا حکم دیا تھا، بزرگ شخصیت جنہوں نے اپنا نام قمر الدین بتایا تھا انہیں رکنے پر اصرار کر رہے تھے کہ جب تک زخم مندمل نہیں ہو جاتے آپ ہمارے ساتھ رہو۔

''آپ کی کرم نوازی ہے بابا جی! کہ ہمیں چلنے پھرنے کے قابل کر دیا ہماری زندگیاں تو قوم کی امانت ہوتی ہیں، ہم ایک پل بھی سکون سے کیسے بیٹھیں جب کہ شہر میں جلاؤ گھراؤ کے واقعات ہو رہے ہیں انڈین آرمی کتنی بے دردی سے کشمیریوں کے آباد گھروں کو جلا کر راکھ کر رہی ہے۔'' سلمان شاہ کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

''تمہاری بات بھی ٹھیک ہے۔'' انہوں نے شفقت سے مسکرا کر سر ہلایا۔

''آپ کے بچے نہیں ہیں بابا جی!'' ان تمام کو اس گھر میں پھیلے سناٹے سے وحشت سی ہوئی تھی، صرف دو میاں بیوی ہی تھے۔

''میرے تین بیٹے تھے سلمان شاہ۔'' انہوں نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔

''ایک مجاہد تھا ابو جعفر جو دو سال پہلے شہید ہو گیا، باقی ایک بے قصور مارا گیا ایک کو مخبری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا اور آج تک اس کا پتہ نہ چلا، تین سال ہوئے مجھے کورٹ کچہریوں کے چکر کاٹتے، نہ یہ معلوم ہو سکا وہ شہادت پا گیا نہ یہ علم ہے کہ زندہ ہے، ہم دونوں میاں بیوی اس کی آس میں جی رہے ہیں۔'' وہ ضبط و یاس کی تصویر بنے ہوئے تھے کمرے میں بلا کا سکوت تھا، شاید کسی کے پاس بھی طفل تسلی کے لئے چند حرف نہ تھے۔

''اور تیسرا بیٹا؟'' انہوں نے گہری سانس لی۔

''تین ماہ پہلے وہ ایک احتجاجی مظاہرے میں شریک تھا اور کسی بھارتی فوجی کی اندھی گولی کا نشانہ بن گیا، ہماری ساری جمع پونجی لٹ گئی، ہم کتنے بدنصیب ماں باپ ہیں جن کی زندگی میں ان کے تینوں جوان لخت جگر ان سے بچھڑ گئے، ابو جعفر کی موت کا ہمیں غم نہیں وہ تو کب تک زندہ رہے گا مگر.....'' ان کی آواز بھرانے لگی تھی وہ خاموش ہو گئے اور پھر اگلی صبح تک ان کے مابین کوئی بات نہ ہوئی تھی گاؤں میں کسی بھارتی مخبر کی موجودگی خارج از امکان نہیں تھی جو فوج کو اطلاع دے دیتا اور وہ پھر سے اسی عذاب میں گرفتار ہو جاتے، جس سے بمشکل نکلے تھے، اسی لئے صبح کاذب کے وقت ہی انہوں نے رخت سفر باندھ لیا تھا، جانے کیوں انہیں سلمان شاہ سے بہت دلی تعلق محسوس ہو رہا تھا، شاید اس کی شکل ان کے سب سے چھوٹے بیٹے سے مشابہت رکھتی تھی، ماں جی نے جب اس کی پیشانی چوم کر نمناک آنکھوں سے دعائیں دیں تو اسے بے اختیار اپنی ماں یاد آئی تھی، وہ بھی اس سے جدائی کے اسی طرح مضطرب اور اشکبار تھی۔

''آتے جاتے رہنا بیٹا!'' ان کا لہجہ گلوگیر ہو رہا تھا۔

''زندگی رہی تو انشاء اللہ ضرور۔'' سلمان شاہ کے رگ و پے میں سکون پھیل گیا تھا اسے یوں لگا جیسے وہ اپنی ماں سے مل رہا ہو۔

''میں تمہاری راہ دیکھوں گی بیٹا! تم آؤ گے تو مجھے یوں لگے گا میرا ابو منازل آ گیا ہے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں ماں جی اگر قدرت نے موقع دیا تو دوبارہ ضرور آؤں گا، ایک دعا کیجئے گا میرے لئے، میری ماں بھی کرتی ہو گی کہ رب ذوالجلال مجھے حالت ایمان میں موت دے اور جہاد کرتے ہوئے شہادت پا جاؤں، بس یہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندگی کی پہلی اور آخری تمنا ہے۔"

"خدا تمہیں تمہارے ہر نیک مقصد میں کامیاب کرے بیٹا۔" بزرگوار نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کے ساتھی ایک ایک کر کے نکل گئے تھے صرف وہی رہ گیا تھا۔

"اچھا جی اجازت دیں۔" اس نے الوداعی سلام کیا اور دہلیز پار کر گیا، وہ دونوں چوکھٹ پہ کھڑے اسے خود سے دور جاتا دیکھتے رہے۔

☆☆☆

تقریباً تین بجے کے قریب میں آفس سے نکلا تھا، لنچ آفس میں ہی کر لیا تھا، پریس کلب میں مجھے احسان فاروقی سے ملنا تھا، وہاں آیا تو وہ پہلے سے موجود تھا، وہ مقامی اخبار میں نیوز رپورٹر تھا، اس نے رات مجھے فون کیا تھا کہ وہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے، میں نے اسے پریس کلب آنے کا کہا تھا، پریس کلب میں کئی صحافیوں سے ملاقات ہو جاتی ہے، اب بھی میں اندر آیا تو افضل عباس، نادر شیخ اور منہاج خوب صورت مصنوعی پہاڑی کے قریب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، ان سے سلام دعا کر کے میں احسان کی طرف چلا آیا، رسمی کلمات اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ مجھ سے "حرف حق" کے حوالے سے پوچھنے لگا۔

"حرف حق" میں نے دو سال پہلے ہی جوائن کیا تھا، اس سے پہلے میں آئینہ میں تھا، جو اپنی غیر ذمے دارانہ ادارت کی وجہ سے جلد ہی منظر عام سے غائب ہو گیا تھا، اخباری دنیا بہت دلچسپ ہے، بے شک الیکٹرانک میڈیا کی بدولت پرنٹ میڈیا کی مقبولیت میں قدرے کمی آ گئی ہے لیکن اس کی اہمیت و حیثیت مسلم ہے، کیونکہ اخبار بینی ایک عوامی مشغلہ ہے، ایک ہی نشست میں قارئین کو سیاسی، تجارتی، تعلیمی اور تفریحی مواد میسر آ جاتا ہے، خود مجھے بھی اوائل عمری سے ہی اخبار بینی کا بہت شوق رہا ہے، میں بچپن میں بھی مختلف اخبارات کا مطالعہ کرتا تھا، یہ عادت اب تک برقرار ہے اپنے چھ بہن بھائیوں میں میرا نمبر سیکنڈ لاسٹ ہے، طبعاً ہی نہیں مزاجاً بھی میں سب سے مختلف ہوں، میری طبیعت میں تجسس اور علمی میراث سمیٹنے کا مادہ وافر مقدار میں موجود ہے جس کی بنا پر میں نے پروفیشنل کے طور پہ بھی جرنلزم کو چنا، صحافت میری کمزوری ہے اور کتاب میرا عشق، میں کتاب کے بنا نہیں رہ سکتا، میرے مطالعے میں حدود و قیود نہیں میں ہر طرح کا فکشن پڑھتا ہوں، ہاں تاریخ سے گہری دلچسپی کی بناء پر میں نے زیادہ تر تاریخی کتب پڑھیں، میں نے ایک ہوٹل کے بینچ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے کا آغاز کیا تھا اور آج ایک اشاعتی ادارہ چلا رہا ہوں، ساری بات لگن کی ہوتی ہے، جب طلب میں لگن کا عنصر شامل ہو جائے تو راستے خود بخود اپنا آپ وضع کرتے ہیں، یہ سب اس لئے بھی ہے کہ میں جو ہے جیسا ہے کی بنیاد پر ماحول قبول نہیں کر سکتا ہے، تبدیلی انسانی فطرت ہے اور تغیرات ہی زندگی کا شعور دیتے ہیں، جہاں میں دیکھتا ہوں کہ یہ ٹھیک ہے بغیر گلہ شکوہ کئے اپنا راستہ علیحدہ کر لیتا ہوں، اسی لئے میں آج تک ایک جگہ ٹک کر کام نہیں کر سکا، میرا صحافتی سفر کچھ زیادہ نہیں لیکن تجربات سے بھرپور ضرور ہے۔

جس وقت میں نے روزنامہ "میراث" جوائن کیا اس وقت میری عمر قریباً اٹھارہ انیس برس تھی، پھر اس کے بعد زنگار، قیامت، ندا، محشر، سکوت اور اہل قلم کے بعد "حرف حق" میں آ کر ٹھہرا ہوں مگر یہاں بھی میری طبیعت میل نہیں کھا رہی، مجھے بہت سے میگزینز سے آفرز اس

لئے آتی ہیں کہ میں خود نہیں بولتا بلکہ میرا کام میرا حوالہ ہے، دراصل میں غلطی کو بگاڑنے کی بجائے سنوارنے کا قائل ہوں اور اس چیز سے میرے ہم قلم بدکتے ہیں، جنہیں مجھ سے ہمدردی ہے وہ مجھے عادت بدلنے کا مشورہ دیتے ہیں تاہم یہ میری عادت نہیں میری فطرت میں شامل ہے اور جنہوں نے مجھ سے از خود بیر باندھ رکھا ہے وہ کھلے دل سے مجھ پر تنقید کرتے ہیں جن کا میں خوش اسلوبی سے سواگت کرتا ہوں، میری ڈکشنری میں تعریف سے زیادہ تنقید کا پہلو اہم ہے کیونکہ وہ آپ کو آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے جبکہ تعریف..... تعریف انسان کو بسا اوقات اس کی اوقات سے زیادہ پر مائل کر دیتی ہے۔

تعلیمی ڈگریاں میرے پاس واجبی سی ہیں، اتنی کہ گنتی میں آسانی رہے، تعلیم کو خود پر سوار کرنے کی بجائے میں نے علم کو خود میں جذب کرنے کا سلیقہ سیکھا ہے، پھر بھی ایم اے کی ڈگری ہاتھ لگ ہی گئی، اگر مجھے علم ہوتا کہ یازش اصرار کو ڈگریوں کے سابقے لاحقے بہت پسند ہیں تو شاید میں پی ایچ ڈی کر ہی لیتا، ابلاغیات میں نہیں، سیاسیات میں جو صحافت میں رہنے کے لئے بہت ضروری ہے، سیاست مجھ میں برائے نام ہے، اس لئے ابھی تک لنڈورا پھر رہا ہوں، خیر یہ تو ایک مذاق ہے، میں اتنا بھی سیدھا سادھا نہیں جتنا کہ لوگ مجھے سمجھتے ہیں خصوصاً یازش، مجھے سمجھ نہیں آتی وہ مجھے اتنا سادہ لوح اور بھولا بھالا کیوں سمجھتی ہے (آپ اصلاحاً بے وقوف کہہ سکتے ہیں) جبکہ میں اپنی دانست میں خاصا چالاک ہوشیار تو نہیں حکمت پسند اور دانا ضرور ہوں، صحافت میں قدم جمانے کے لئے میری مستقل مزاجی کام آئی ہے وگرنہ اس شعبے میں خود کو منوانا خاصا وقت طلب کام ہے۔

"حرف حق" کے علاوہ میں ہفت روزہ "حریت" کا ادارتی صفحہ بھی ترتیب دیتا ہوں، اس لحاظ سے آپ مجھے آرٹ ایڈیٹر بھی کہہ سکتے ہیں، حریت جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایک مذہبی جماعت کا علامتی اخبار ہے مذہب کی بات کی جائے تو میں بچپن سے خاصا مذہبی بھی ہوں، اس لئے کہ نماز روزے کا پابند ہوں، بطور سرٹیفکیٹ داڑھی شدہ بھی ہوں، آپ مجھے ناول کا ہیرو نہیں کہہ سکتے کیونکہ میں عام ہیروز کی بہ نسبت خاصا بے ضرر سا بندہ ہوں، جو یازش کے علاوہ تمام لڑکیوں کو برادرانہ نظروں سے دیکھتا ہے، مجھ میں وہ غیر مرئی خصوصیات اور خوبیاں بھی نہیں ہیں جو عموماً افسانوی کرداروں میں ہوتی ہیں، مجھے خواہ مخواہ لڑکیوں پر رعب و دبدبہ ڈالنے کا شوق بھی نہیں، ایک یازش ہی ہے جس پر جمانا چاہتا ہوں مگر وائے نصیب وہ مجھ پر جماتی ہے، خیر یہ تو اس کا حق ہے، وہ روتی بسورتی التجاء کرتی اچھی بھی نہیں لگے گی۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میری ہر بات میں یازش کیوں آ جاتی ہے، جب زندگی کے ہر موڑ پر اسی کے ملنے کی خواہش ہے تو پھر وہ خیالات و احساسات میں خود بخود شامل ہو جاتی ہے، سچ بتاؤں تو میں اس کی خواہشات کے تابع ہو کر جینا چاہتا ہوں، اسی کے کہنے پر "حریت" کو دوبارہ جوائن کیا وگرنہ دو سال پہلے اختلاف کی وجہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، وجہ وہی ادارتی صاحبان کی ڈپلومیٹک سوسائٹی تھی، حریت کا ادارتی صفحہ ترتیب دینے کے ساتھ ساتھ میں اس کے بچوں کے میگزین کا بھی انچارج تھا، بچوں کا ادب تخلیق کرنا ایک مشکل فن ہے، تاہم میری کوشش بار آور ثابت ہوئی تھیں اور کچھ عرصے میں ہی رسالہ مقبولیت حاصل کر چکا تھا، درمیان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب میں نے سمجھوتے کی راہ اپنانے کی بجائے استعفیٰ دیا تو اس کی سرکولیشن میں ریکارڈ کمی آئی تھی، جس کی بناء پر میری دوبارہ خدمات حاصل کی گئیں، یہ کام میں بطور صدقہ جاریہ کرتا تھا تاکہ نیکیوں کے اسٹاک میں بھی پوائنٹ کا اضافہ ہوتا رہے، میں اسٹریٹ فارورڈ بندہ ہوں، بلاوجہ کسی سے اختلاف رکھتا ہوں نہ بغض وعناد۔

بہرکیف میں اپنے صحافتی سفر کی بات کر رہا تھا، صحافت میں آنے کا فیصلہ خود میرا ذاتی تھا اس لئے کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہتا، لیکن اتنا ضرور ہے کہ صحافت کو میری وجہ سے فائدہ ہی ہوا نقصان نہیں، صحافت دو طرح کی ہے ایک صاف شفاف سچائی کی خبروں پر مبنی اور دوسری زرد صحافت ہمارا ملک چونکہ اسلامی ملک ہے، اس لئے ہماری صحافت میں بھی اسلامی فکر وافکار شامل ہے، گو کہ پہلے کی نسبت اس کا گراف تنزل کا شکار ہے، اسلامی صحافت کا بنیادی اصول قارئین کو رب کریم اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات سے آگاہ رکھنا ہے، یہ اصول تقریباً ہر اخبار ہی لاگو رکھتا ہے، دوسرا اصول قاری کو مصدقہ خبر کی فراہمی ہے، بدقسمتی سے یہ اصول اپنی قدر و قیمت گنوا چکا ہے، سب سے پہلے خبر کی سرخی لگانے کے جنون نے افواہوں اور من گھڑتوں خبروں کی اشاعت کر دیتے ہیں اس لئے اب پہلے والا معیار برقرار نہیں رہا، چند ایک نامور اخبارات کے علاوہ باقی سب چل چلاؤ سے کام لیتے ہیں، بنیادی وجہ اپنے کام سے اخلاص کی کمی اور ذمہ داری کا فقدان ہے۔

پریس کلب کی سفید بلڈنگ کی دوسری منزل پہ کھڑے ہم ''صحافت'' کے موضوع پر ہی گفتگو کر رہے تھے، ساتھ میں چائے بھی نوش کی جا رہی تھی۔

''آپ کے اخبار کی کیا صورتحال ہے؟'' احسان نے مجھ سے پوچھا۔

''وہی جو عموماً ہے میں نے آخری سپ لے کر خالی کپ ٹیبل پہ رکھ دیا۔'' یہ وہ موضوع تھا جس پر میں بلا تھکان بول سکتا تھا۔

''میں حرف حق سے ریزائن کا سوچ رہا ہوں پہلے بچوں کے صفحات ترتیب دیتا تھا، اس کا معیار تھوڑا سا بہتر کیا تو میگزین میں آ گیا، درمیان میں چھوڑا بھی تھا مگر پھر ہاشمی صاحب نے کانفیکیٹ کیا تو چلا آیا، اب پہلے والی بات رہی نہیں، کئی لوگ جا چکے ہیں، ظاہری بات ہے یہاں پیسہ کم ہے اور کام زیادہ لوگ ایک بندے سے تین بندوں کا کام لیتے ہیں، کتنی غیر منصفانہ روش ہے مگر کوئی سمجھے بھی تو۔''

''وہاں کی بھی یہی پوزیشن ہے۔'' اس نے اپنے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

''خیر تمہارا اخبار تو ویسے ہی ''یلو جرنلزم'' کے لئے فیمس ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''یوں تو بے ایمانی، رشوت خوری، سفارش ہر فیلڈ میں ہے لیکن پرنٹ میڈیا کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے، ایک خبر سولہ کروڑ عوام پڑھے گی تو اس کا اثر تو ہونا ہی ہے، عوام تو وہی رخ دیکھنے کی عادی ہے جو اسے دکھایا جائے، ذرا سی خبر کو بارہ مصالحوں کی چاٹ بنا دیا جاتا ہے، جن خبروں سے احتراز برتنا چاہیے انہیں خوب نمایاں کر کے شامل اشاعت کیا جاتا ہے، خود آپ اپنے وطن کی ہنسی اڑاتے ہیں یہ لوگ۔''

''ہاں اور بعض اخبارات میں اشتہارات کی اس قدر بھرمار ہوتی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے نام بدل کر کلاسفیائیڈ ہی رکھ دوں۔'' احسان سلگ کر بولا۔

''سب اپنا اپنا بزنس چمکا رہے ہیں۔'' میں مسکرایا۔

''اور لگتا ہے تمہارے اخبار کو اشتہار نہیں ملتے ہے نا۔''

''ہاں یہی بات ہے۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

''میرے یہاں بھی صورتحال ابتر ہی ہے، خیر کہتے ہیں نا جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوگا، جتنی محنت اور جانفشانی سے کام ہوگا اتنا ہی بیٹر رزلٹ ملے گا، لوگ محنت کیے بغیر یہ پھل کھانا چاہتے ہیں ہے نا مضحکہ خیز بات جبکہ اکیسویں صدی کی بھی سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ No pains, no gain,s۔'' میں نے کندھے اچکا کر کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ نہیں بلکہ یہ زیادہ درست ہے کہ Money be gets money۔'' اب کی بار دونوں کا ہی قہقہہ بلند ہوا تھا۔

☆☆☆

کیپٹن یادیو لال انہیں سوپور کے فوجی ہیڈ کوارٹر لے گیا، وہاں کا ماحول ویسا ہی تھا جیسا کہ اکثر سلمان شاہ بتاتے تھے، حمزہ کے چہرے پر جامد سناٹا پھیلا ہوا تھا، حذیفہ البتہ بے چین اور مضطرب تھا، اس نے کئی بار حمزہ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی مگر اس کے بھینچے ہوئے لب اور سرخ ہوتی آنکھوں سے خائف ہو کر خاموش ہی رہا، یہ اس کی کم عمری اور چہرے کی معصومیت کا تاثر تھا شاید کہ ایک دو سوال کے بعد کیپٹن نے اسے یہ کہہ چھوڑ دیا کہ اگر کل تک سلمان شاہ نے ان کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تو وہ حمزہ کو مار دیں گے۔

حمزہ کے من میں جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس ہیڈ کوارٹر سمیت یہاں کی ہر شے اور وجود کو تہس نہس کر دے مگر وہ مجبور تھا، اسے اس لفظ سے نفرت تھی لیکن یہ اس کی زندگی میں اکثر آیا تھا، دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے اضطراب کو بمشکل کنٹرول کیا تھا۔

چار سال پہلے ایسی ہی ایک رات سلمان شاہ کی زندگی میں بھی آئی تھی، ان کے جگری یار ابو عکرمہ کی وجہ سے، وہ ان سے چھ برس بڑے تھے مگر ان کی بچپن کی دوستی تھی، انہیں دیکھ دیکھ کر ہی سلمان شاہ کے دل میں مجاہد بننے کا شوق بیدار ہوا تھا، وہ ٹریننگ لے کر آئے تو کئی روز تک بابو جی نے انہیں گھر سے نکلنے نہ دیا تھا تاکہ وہ کسی کی نگاہ میں نہ آ جائیں مگر ایک روز انڈین آرمی انہیں ابو عکرمہ کا ساتھی ہونے کے جرم میں گرفتار کر کے لے گئی اور پھر تین ماہ بعد انہیں رہائی ملی تھی، حمزہ کو آج بھی یاد تھا جس شب سلمان شاہ کو بابو جی چھڑا کر لائے تھے، اس شب وہ عام لوگ سو نہ سکے تھے کیونکہ انڈین آرمی نے مار مار کر ان کی بیت بگاڑ دی تھی، ان کی عمر محض انیس برس تھی اور وہ برسوں کے بیمار لگنے لگے تھے، ماں جی انہیں دیکھ کر بری طرح روتی رہی تھیں، انہیں روتا دیکھ کر وہ بہن بھائی بھی رونے لگے تھے۔

''کیا ہوا ہے آپ لوگوں کو، رو کیوں رہے ہیں، ابھی میں زندہ ہوں مرا نہیں ہوں۔'' وہ یکلخت چنگاڑے تھے اور وہ فوراً ہی چپ ہو گئے۔

''ابو عکرمہ شہید ہو گئے۔'' کچھ دیر بعد انہوں نے آہستگی سے بتایا۔

''الحمدللہ'' سب سے پہلے بابو جی نے کہا تھا اور وہ سب خاموش تھے۔

''انہوں نے اپنا فرض چکا دیا بابو جی، اب میری باری ہے۔'' وہ سپاٹ نظروں سے اپنے ادھڑے ہوئے زخموں کو دیکھ رہے تھے جن پر ماں جی دواؤں کا لیپ کر رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"انشا اللہ بیٹے۔" بابو جی کے حوصلے بلند تھے، جب کہ ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا، سلمان شاہ، ان کے جان سے عزیز لالہ، جو ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے کیا وہ انہیں چھوڑ جائیں گے، تینوں کا دل ماننے سے انکاری تھا، مگر حمزہ چونکہ سمجھدار تھا اس لئے وہ خود بھی اس حق میں تھا کہ وہ ظالم فوجیوں سے ظلم کا بدلہ لیں۔

ایک ہفتے بعد وہ بستر سے اٹھنے کے قابل ہوئے تھے، یہ تمام عرصہ انہوں نے ڈسٹرکٹ کمانڈرز سے رابطہ کرتے ہوئے گزارا تھا پھر وہ سر پر کفن باندھ کر گھر سے چلے گئے تھے، حذیفہ اور زرمینے ان سے لپٹ کر رو رہے تھے مگر حمزہ انہیں حوصلہ دے رہا تھا۔

"سلمان لالہ ایک نیک مقصد کے لئے جا رہے ہیں تم دعا کرو کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں، موت تو برحق ہے ہر بشر کو آنی ہے تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں کہ سلمان لالہ شہادت کا درجہ پائیں شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، تم نے قرآن میں پڑھا نہیں کہ۔"

"جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم اس بات کو شعور نہیں رکھتے۔" دونوں نے اثبات میں سر ہلا کر آنسو پونچھ لئے تھے۔

"سلمان لالہ! میری کتابیں کون لایا کرے گا۔" زرمینے کو یاد آیا تو حذیفہ جلدی سے بولا۔

"اور میں انگلش کس سے پڑھوں گا؟"

"حمزہ اور کون.....؟" انہوں نے مسکرا کر حمزہ کو دیکھا، ان کی نگاہوں میں اس کے لئے جو مان اور محبت تھی وہ کبھی فراموش نہ کر سکا اور پھر اس نے ان کی عدم موجودگی میں ہر ذمہ داری اپنے سر لے لی اور آج چار برس بعد ایسی ہی ایک رات اس کی زندگی میں بھی آئی تھی، اسے لگا یہ اس کی زندگی کا یوٹرن ہے، وہی موڑ جو چار برس پہلے سلمان شاہ کی زیست میں آیا تھا، ویسا ہی آج اس کی زندگی میں بھی آ گیا تھا، وہ اس قید خانے سے نکلے تو انہوں نے راہ طلب میں قدم بڑھا دیئے تھے اور پھر کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا، چار سالوں سے وہ بھارتی مظالم اور اس کی چیرہ دستیوں کے خلاف محاذ لڑ رہے تھے، بے گناہ کشمیریوں کے لہو کا بدلہ لے رہے تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں بہت معرکہ آرائیاں کی تھیں، وہ جب راتوں کے اندھیرے میں چھپ کر ان سے ملنے آتے تھے تو وہ ساری رات بیٹھ کر ان سے خدائی کاروائیوں کے تذکرے سنتا تھا، اسے دنیا کی کسی شے سے دلچسپی نہ رہی تھی، وہ بہت غور و فکر سے ان سے جہادی کارناموں کی تفصیلات سنتا اور پھر اپنی نوٹ بک میں اتار لیتا، وہ ایک شعر اکثر اسے سنایا کرتے تھے کہ۔

خون جگر دے کر نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

انہوں نے اپنی زندگی جہاد کشمیر کے لئے وقف کر دی تھی، ماں جی بھی شرارت میں آ کر انہیں تنگ کرتیں کہ شادی کب کرو گے، میں بہو لاؤں گی تاکہ میری مدد کروایا کرے، تو وہ مسکرا دیتے، کبھی موڈ میں ہوتے تو کہتے۔

"میں تو شادی کر چکا ہوں جنت کی حوروں سے، اتنی خوب صورت بہوؤں کے ہوتے ہوئے عام سی لڑکی کو بہو بنانا چاہتی ہیں آپ۔"

ان کی خالہ زاد بہن شافعہ انہیں پسند کرتی تھی ماں جی بھی اپنی بہن کی خواہش سے لاعلم نہیں تھیں مگر سلمان شاہ نے تو دنیاوی طلب سے خود کو یکسر بے نیاز کر دیا تھا۔

"مجھے اپنے گھر کو آباد کرنے سے زیادہ ان

اجاڑ مکانوں کی حسرتیں رولاتی ہیں جنہیں ظالم فوجیوں نے قبرستان بنا دیا، مجھے ان ماؤں بہنوں کی ویران آنکھوں کی وحشتیں چین سے جینے نہیں دیتیں، ماں جن کے سفید چلمنوں کو ان خنزیروں نے داغدار کر دیا۔" وہ اذیت سے لب بھینچتے انہیں ہندوؤں کی ظالمانہ کاروائیوں کے قصے سناتے اور وہ سوچتا کہ کوئی اس قدر بے رحم ظالم اور انسانیت سے عاری بھی ہو سکتا ہے، اسے تو بھارتی فوج کے انسان ہونے پر شک ہونے لگتا تھا، اس کی آدھی زندگی ہندو بنیئے کی جارحیت اور سفاکیت کی داستانیں سنتے گزری تھی، اس کے دل میں جس قدر نفرت اور عناد تھا وہ بے بس نہ ہوتا تو ایک ایک ظلم کا حساب لیتا، وہ تمام رات سلاخوں کے پیچھے پیچ و تاب کھاتے ہوئے گزری تھی، کئی بار اس کا دل چاہا کہ وہ مر جائے مگر وہ بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتا تھا، اسے تو بتانا تھا کہ وہ سلمان شاہ کا بھائی ہے جس نے چار برسوں سے انڈین فوج کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔

☆☆☆

وہ کشمیر کی خوب صورت برف پوش پہاڑیوں پر کھڑے تھے، یہ لداخ کا علاقہ تھا، لداخ کو چھوٹا تبت بھی کہا جاتا ہے، چاند کی سرزمین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، بعض لوگ شنگریلا بھی کہتے ہیں، "شنگریلا" پاکستان کا وہ خوب صورت اور شاندار تفریحی مقام ہے جو بلوچستان کے دارالحکومت سکردو میں ہے، یہ بے تحاشہ خوب صورت جگہ ہے اسی قدرتی حسن کی وجہ سے "لداخ" کو بھی آخری شنگریلا کہا جاتا ہے، یہ کوہ ہمالیہ کے شمال میں ہے، اس کا دار الحکومت "لیہ" ہے، یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، سری نگر سے کارگل تک سڑک کارپٹ ہے جو تقریباً تیس فٹ چوڑی ہے، سری نگر اور کارگل کے درمیان "زوجیلہ" پہاڑ ہے اور اس کے بعد "تورتک اور بٹالک" کی چوٹیاں ہیں وہ اس وقت انہی چوٹیوں پر کھڑے تھے، اس کے بعد سیاچن آتا ہے۔

کالی سیاہ رات نے اپنی چادر سمیٹ لی تھی اور شاہ خاور پوری شان و شوکت سے پہاڑ کی چوٹیوں سے طلوع ہو رہا تھا، دن کی روشنی درختوں کی اوٹ سے چھن چھن کر آنے لگی تھی، نیچے وادی میں گاؤں کافی نیچے جا کر تھا، وہ گاؤں سے دور دور ہی گزرنا چاہتے تھے تاکہ کسی کی نظر نہ پڑ سکے، کیونکہ دن کی روشنی میں سفر کرنا خطرے سے خالی نہ تھا، وہ اس وقت ہائیڈ آؤٹ کی تلاش میں تھے۔

"کیا ارادہ ہے؟" سلمان شاہ نے ابو جبیر بھائی سے پوچھا۔

"ذرا ٹھہرو، مجھے ایک کشمیری آتا دکھائی دے رہا ہے۔" انہوں نے آہستگی سے بتایا۔

"یہ امید کی کرن بھی بن سکتا ہے اور مصیبت کا پیغام بھی، بہرحال آپ لوگ درختوں کی اوٹ میں ہو جائیں، میں اس سے بات کرتا ہوں۔" انہوں نے انہیں حکم دیا۔

"اگر اچھا آدمی ہوا تو ہمیں آرام کرنے کے لئے ٹھکانہ میسر آ جائے گا۔" وہ کہہ کر ایک بڑے سے پتھر پر چڑھ گئے، کشمیری آدمی نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ مجاہدین ہیں اس لئے ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام کیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" ابو جبیر نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

"بکریوں کے لئے چارہ لینے جا رہا ہوں جی۔" ان کے درشت انداز کی وجہ سے وہ گھبرا گیا۔

"کہاں رہتے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ نیچے، چھوٹی پہاڑی کی چوٹی والا گھر میرا ہے۔" اس نے اشارے سے بتایا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"محمد شہباز۔" ابوجبیر نے چند مزید سوال کیے اور جب اطمینان ہو گیا کہ مخبر نہیں ہے تو اسے اپنے پاس بلا لیا اور گلے لگا کر بولے۔

"ہم آٹھ ساتھی ہیں کچھ کھانے کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"ہاں جی، کیوں نہیں آپ اتنی دور سے ہمارے لئے لڑنے کے لئے آتے ہیں تو کیا ہم آپ کو کھانا بھی نہیں کھلا سکتے، آپ یہیں رکیں میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" وہ خوش گوار لہجے میں بولتے بولتے پہاڑی ٹریک پر دوڑ گیا، ابوجبیر اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ان کے پاس آئے، وہ سب جھاڑی کے عقب میں تھے، انہیں آتا دیکھ کر سامنے آ گئے۔

"کشمیری تھا، جہاں تک میرا اندازہ ہے مخبر نہیں ہے باقی اللہ بہتر جانتا ہے، کھانے کا کہا تھا وہ کھانا لینے گیا ہے۔"

"کھانے کے ساتھ آرمی نہ آ جائے۔" ابو سعد نے دھیرے سے کہا۔

"یہ بھی ممکن ہے۔" ابوجبیر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اگر یہ کشمیری مخبری چھوڑ دیں تو شاید کشمیر بھارت کے پاس چند دن بھی نہ رہے۔" سلمان شاہ خود اس مخبری کا عذاب چکھ چکا تھا، اس لئے غصے سے بولا۔

"شاید یہی ہماری آزمائش ہے، بہرحال کسی پر اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا، تم لوگ الرٹ رہو، میں اسی جگہ کھڑا ہو کر انتظار کرتا ہوں۔" ابو جبیر دوبارہ اسی جگہ جا کر کھڑے ہو گئے، کشمیری کا گھر قریب ہی تھا، پانچ منٹ بعد ہی وہ انہیں آتا دکھائی دیا، اس کے ایک ہاتھ میں چنگیر اور دوسرے میں بڑا سا ڈول تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے آتے ہی کہا، دوڑنے کی وجہ سے اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا جسے بحال کرنے میں اسے چند لمحے لگے۔

"گھر میں مکئی کی روٹی تھی، تھوڑا سا لسن ہے اور یہ تازہ لسی بہت مزے کی ہے۔" ابوجبیر نے اطراف میں نگاہ دوڑائی کشمیری کے علاوہ کوئی دکھائی نہیں دیا، وہ جلدی آ گیا تھا اس لئے مخبری بھی ممکن نہیں تھی، انہوں نے ڈول اس کے ہاتھ سے لے لیا، پھر جھاڑی کی طرف آ گئے وہ بھی پیچھے پیچھے تھا۔

"آجاؤ بھئی۔" ابوجبیر نے کہا تو وہ کپڑے جھاڑتے باہر نکل آئے، کشمیری کی نظر ان پر پڑی تو قدرے گھبرا کر ابوجبیر کو دیکھنے لگا۔

"یہ محمد شہباز ہے۔" ابوجبیر نے کہا تو وہ جلدی سے سب کے ساتھ ہاتھ ملانے لگا، کھانے کے دوران انہوں نے علاقے کے متعلق آگاہی لی اور آرمی کی چیک پوسٹس کے بارے میں معلوم کیا کہ کہاں کہاں ہے، وہ سب بتاتا گیا، کھانا ختم ہو گیا تو ابوجبیر نے گائیڈ سے کہا۔

"شہباز کو پانچ سو روپے دے دو۔"

"مجاہد بھائی پیسے کیوں؟" کشمیری نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بھئی آپ نے اتنا مزے دار کھانا جو کھلایا ہے۔"

"نہیں، میں پیسے نہیں لوں گا۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"کیوں؟" سلمان شاہ نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"آپ ہمارے مہمان ہیں، مہمانوں سے پیسے کون لیتا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے، آپ ہمارے بھائی ہیں یہ ٹھیک ہے مگر ہم کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے۔" ابوسعد نے کہا۔

"ہاں، یہ کیا کم ہے کہ آپ ہمارے لئے کھانا لے کر آئے اور ہمارے ساتھ تعاون کیا اور پھر یہ پیسے ہم بھی تحفتاً دے رہے ہیں۔" ابوجبیر نے روپے اس کی طرف بڑھائے جنہیں اس نہ چاہتے ہوئے بھی تھام لیا اور برتن اٹھانے لگا، وہ سب آگے کی صورتحال کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ پلاننگ بھی کر رہے تھے۔

☆☆☆

دوسرے دن عظام شاہ نے ڈی سی سوپور کی سفارش کروا کر اسے چھڑوا لیا تھا، انہوں نے اسے زیادہ مارا نہیں تھا پھر بھی وہ افسردہ ضرور تھا۔

"بابو جی! سلمان لالہ سے رابطہ کریں، میں ان سے ملنا چاہتا ہوں ایک بار۔" شام کو اس نے عظام شاہ سے عجیب سی فرمائش کر دی، وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے انہیں تو خود خبر نہ تھی کہ سلمان شاہ ان دنوں کہاں ہے، وہ تو جیسے ان سے کٹ سا گیا تھا۔

"میں بس ان سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں، آپ ابوطلحہ سے بات کریں جا کر وہ بتا سکتے ہیں ان کے متعلق۔" وہ جانے کیوں بہت بے تاب ہو رہا تھا۔

"جی بابو جی! ہم نے بھی ملنا ہے سلمان لالہ سے۔" زرمینے اور حذیفہ بھی اس کے ہم نوا تھے۔

"اچھا میں رابطہ کر کے دیکھتا ہوں۔" انہوں نے خالی تسلی دی تھی، انہوں نے اسے خود منع کر دیا تھا گھر آنے سے کیونکہ انہیں شبہ تھا کہ بھارتی ان کے گھر کی نگرانی کر رہے ہیں، جب انہوں نے زینت بی بی سے اس بات کا ذکر کیا تو

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب ☆
خمار گندم ☆
دنیا گول ہے ☆
آوارہ گرد کی ڈائری ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں ☆
چلتے ہو تو چین کو چلئے ☆
نگری نگری پھرا مسافر ☆
خط انشا جی کے ☆
بستی کے اک کوچے میں ☆
چاند نگر ☆
دل وحشی ☆
آپ سے کیا پردہ ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو ☆
انتخاب کلام میر ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ
لطیف نثر ☆
لطیف غزل ☆
لطیف اقبال ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تڑپ کر رہ گئی تھیں، سلمان شاہ ان کی پہلی اولاد تھے، ازنہایت سعادت مند اور فرماں بردار اب جبکہ وہ شاہراہ جہاد کے مسافر بن چکے تھے، ماں جی کے لبوں پر ہمہ وقت ان کے لئے دعائیں رہتیں وہ اکثر ان کا ذکر کرتے ہوئے آب دیدہ ہو جاتی تھیں، کبھی بے قراری حد سے سوا ہو جاتی تو ٹرنک میں سے ان کے کپڑے نکال کر چہرے سے لگا کر روئے جاتیں، ایسے میں عظام شاہ ان کو سہارا دیتے انہیں سمجھاتے کہ۔

''نیک بخت اپنے دل کو سنبھال، سلمان شاہ اب ہمارا نہیں رہا، ہم اسے اللہ کی راہ میں دے چکے ہیں اب یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ اس قربانی کو کب قبول کرتا ہے کب ہمارے لخت جگر کو شہادت کا رتبہ دیتا ہے۔''

''ایسا مت کہیں شاہ جی۔'' ان کی ممتا بے چین ہو جاتی۔

''انشا اللہ ہمارا سلمان غازی بن کر لوٹے گا اور وہ دن جلد ہی آئے گا۔''

مگر اس کی نوبت نہیں آئی، یہ خزاں کی ایک سرد افسردہ شام تھی، آسمان کی زردیوں میں گہرا ملال گھلا ہوا تھا، حمزہ ان دنوں ایف ایس سی کے فائنل دے کر فارغ ہوا تھا اور بے تابی سے سلمان شاہ کی آمد کا منتظر تھا، جنہوں نے اطلاع بھجوائی تھی کہ چند روز میں ملنے آؤں گا، شہر میں ان دنوں کشیدہ صورتحال تھی، ایک معروف کمانڈر کی شہادت کے بعد پورا شہر ہڑتال کی لپیٹ میں تھا، جگہ جگہ احتجاجی مظاہرے اور ریلیاں نکالی جا رہی تھیں، کمانڈر کی تدفین اسی روز ہوئی تھی، حمزہ، حذیفہ اور عظام شاہ کچھ دیر قبل ہی اس کے جنازے میں شرکت کر کے گھر لوٹے تھے، آج زینت بی بی صبح سے ہی اضطراب کی حالت میں پھر رہی تھیں اور خلاف معمول بہت چپ چپ بھی۔

تقریباً رات آٹھ بجے کے قریب کسی نے داخلی دروازے پر دستک دی تھی، حمزہ نے کمرے سے جھانکا، عظام شاہ دروازہ کھول رہے تھے، آنے والے چار نقاب پوش افراد تھے، اس کا دل دھک سے رہ گیا، ان دنوں بھارتی فوج کے ایجنٹ مجاہدین کے حلیوں میں گھروں میں گھس جاتے تھے، اہل خانہ کو زدوکوب کر کے لوٹ مار مچاتے، خواتین اور لڑکیوں کی بے حرمتی کرتے اور جاتے جاتے چند ایک کو گولی مار جاتے، یہ مجاہدین کو بدنام کرنے کی ایک مکروہ سازش تھی۔

وہ چپل پہن کر باہر آیا تو بابو جی انہیں نشست گاہ میں بٹھا دیا تھا، انہوں نے چہرے پر سے نقاب سرکا دیا، ان میں سے دو افراد کو وہ لوگ پہچان گئے تھے، ایک ابو طلحہ اور دوسرے ابو جبیر بھائی تھے، یہ اکثر سلمان شاہ کے ساتھ ان کے گھر آتے تھے، ان کے باریش چہروں پر بلا کی سنجیدگی تھی اور آنکھوں میں کرب نمایاں تھا۔

''سلمان بھائی نہیں آئے، وہ ٹھیک تو ہیں نا۔'' حمزہ نے بے تابی سے پوچھا، وہ خاموش رہے، لیکن آنکھوں کی سطح نم تھی، بابو جی کچھ سمجھنے والے انداز میں بولے۔

''سلمان شاہ شہید ہو گیا ہے نا۔'' ان کے لہجے میں سکون تھا، حمزہ کا ہاتھ اس کے پہلو میں جا گرا۔

''جی!'' ان میں سے ایک نے اثبات میں سر ہلایا۔

(باقی اگلے ماہ)



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا اس نے کہ شاخوں سے
جدا پھولوں کو کرنے کی
ہواؤں کی جو سازش ہے اسے اچھی نہیں لگتی
فقط اک پل کو جی چاہا
اسے اتنا تو کہہ دوں آج
محبت پھول کی ان پتیوں سے بڑھ کر نازک تھی
جسے قدموں تلے اس نے
کبھی کا روند ڈالا ہے

پی سی بھوربن میں بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ تھی، ایک لمبی اور تھکا دینے والی آفیشل میٹنگ سے فارغ ہو کر وہ پی سی کے ٹیرس پر آ نکلی تھی اور سامنے ایک ایسا منظر تھا جس نے مقناطیس کا کام کیا تھا اور ساری تھکاوٹ کھینچ کر جیسے باہر نکال لی تھی، پہاڑوں کو بادلوں نے گھیر رکھا تھا اور اس رومانوی ماحول میں چلتے پھرتے لوگ اور ارد گرد بکھرا سبزہ اور جنگلی پھولوں کی مسحور کن باس کسی جنت کی تصویر کشی کر رہی تھی، وہ خود کو اس ماحول میں گم ہوتا محسوس کر رہی تھی، کافی دیر تک وہ پلکیں جھپکے بغیر اس منظر کو دیکھتی رہی تھی پھر جب گردن اور نظر ایک ہی زاویے پر رکھے رکھے تھک گئی تو اس نے بلیک کافی آرڈر کر کے خود کو ایک کرسی پر گرا لیا تھا۔

''مجھے پزا نہیں کھانا۔'' ایک کھلکھلاتی اور شوخ سی آواز اس کے قریب سے ابھری تھی۔

''یار کبھی کبھی تم کس قدر بور کرتی ہو، میرا خیال ہے تم دنیا کی واحد بندی ہو جسے پزا پسند ہے اور بہت بدذوق بھی۔'' دوسری آواز میں جھنجھلاہٹ بھی تھی مگر اس سے زیادہ پیار کا اظہار نمایاں تھا اور اس دوسری آواز نے شہرزاد کو چونکا دیا تھا، یہ آواز تو شہرزاد کے اندر کہیں بسی تھی اور اس آواز کو وہ ہزاروں لاکھوں میں شناخت کر سکتی تھی، اس نے بے ساختہ ہی پیچھے مڑ کر دیکھا تھا، قریبی ٹیبل پر بیٹھے ان دو افراد میں سے لڑکی کا چہرہ اس کے سامنے تھا اور مرد کی پشت وہ دیکھ سکتی تھی مگر چہرہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، اس کے ہیئر کٹ اس کے اسٹائل اس کی پرسنالٹی اور اس کی آواز بتاتی تھی کہ وہ بلاول خاکوانی تھی۔

بلاول خاکوانی، شہرزاد خاکوانی کا فرسٹ کزن اور..... اس اور کے آگے اتنا کچھ تھا کہ وہ بتا نہ سکتی تھی اور اب شاید کچھ بھی نہ رہا تھا کہ وہ بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''تم جو بھی کہو میں پزا نہیں کھاؤں گی۔'' اس نے ان پر ایک نظر ڈال کر اپنا چہرہ موڑ لیا تھا اب بس وہ ان کی آوازیں ہی سن سکتی تھی۔

''میں کھلا کر چھوڑوں گا۔'' پیار بھری دھونس ابھری تھی، شہرزاد اس سے زیادہ کیا سنتی دل کے بھرے ہوئے زخم تازہ ہونے لگے تھے، دل پر لگا ہوا صبر اور ضبط کا ایک ایک ٹانکا ادھڑنے لگا تھا، اس سے پہلے کہ دل لہولہو ہو جاتا وہ وہاں سے اٹھی تھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے اس منظر سے غائب ہو گئی تھی۔

''مجھے کیا خبر تھی جب تم اپنا ہنی مون ٹرپ انجوائے کر رہے ہو گے میں بھی یہاں آؤں گی، مجھے خبر ہوتی تو میں اس فضا میں کبھی سانس نہ لیتی جہاں تم اور تمہاری ساتھی سانس لے رہے ہیں ان راستوں پر کبھی نہ چلتی جہاں تمہارے اور اس کے قدموں کے نشان بھی ثبت ہیں۔''

اس کی جدائی پر ہم رات بھر روتے رہے
اس کی یاد آئی تو ہر بات پر روتے رہے
ایک لمحے کو مل کر بچھڑ گیا عمر بھر کے لئے
اس شخص کو سوچ کر جانے کب تک روتے رہے
چاند کے روبرو بیٹھے تھے ہم جانے کب سے
جبھی سر جھکا کر دامن میں منہ چھپا کر روتے رہے
آتے نہیں ہیں لوٹ کر لوگ جانے والے،

یہ بات سمجھاتے سمجھاتے دل کو ہم روتے رہے
اس شخص کے چلے جانے سے کتنے میرے خواب ٹوٹے
ان کرچیوں کو سمیٹتے رہے اور یونہی روتے رہے

☆☆☆

''مہرین میرے آنے سے پہلے پہلے تم نے یہ سوال حل کرنا ہے ورنہ آج نچی مچی تمہاری شامت آ جائے گی۔'' وہ مہرین کو سوال سمجھا رہی تھی تب ٹیپو بلاوا لے کر آیا تھا کہ بلو بھائی کو چائے بنا کر دیں، اس نے اٹھتے ہوئے مہرین کو تنبیہ کی تھی، مہرین اس ڈراوے پر زیر لب مسکرا کر کاپی پر جھک گئی تھی کیونکہ جانتی شہرزاد باجی کی دھمکی بس دھمکی ہی ہوتی ہے ورنہ ان کی نرم دلی اور نرمی مزاجی سے کون واقف نہیں، انہوں نے کبھی بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا پھر فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ مہرین کو کیا مارتیں۔

''آپی آپ نے ڈائجسٹ پڑھ لیا ہے تو مجھے ضرور دیں میں پڑھ کر واپس کر دوں گی۔'' شہرزاد کمرے سے باہر گئی اور مہرین کی ساری توجہ بستر پر لیٹی ڈائجسٹ میں گم مدیحہ کی طرف ہو گئی تھی۔

''کل لے لینا۔'' مدیحہ نے ڈائجسٹ سے سر اٹھائے بغیر جواب دیا تھا۔

''آپ نے ساری کہانیاں پڑھ لی ہیں۔'' مہرین کی زبان بند نہیں رہ سکتی تھی۔

''ہاں اور اب خاموشی سے اپنا پڑھو، ورنہ میں شہرزاد سے تمہاری شکایت لگا دوں گی۔'' وہ دلچسپ کہانی میں کھوئی ہوئی تھی اسے مہرین کا بار بار مخاطب کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا اسے ڈپٹ کر بولی تھی، مہرین منہ بنا کر سوال حل کرنے لگی تھی جس کی اسے خاک سمجھ نہ آ رہی تھی۔

''اتنے کم نمبر۔'' اگلے دن مہرین کی دسمبر ٹیسٹ رپورٹ اس نے دیکھ کر غصے کے مارے ہوا میں اچھالی تھی۔

''تم نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا ہے، انکل اور آنٹی کیا سوچ رہے ہوں گے میں نے تمہیں توجہ نہیں دی، مگر انہیں یہ خبر نہیں ہو گی کہ ان کی صاحب زادی کا دل ہی پڑھائی میں نہیں لگتا۔'' شہرزاد کو کبھی غصہ نہیں آیا تھا مگر جتنی محنت سے اس نے مہرین کو پڑھایا تھا اور مہرین نے جتنا اس کی محنت پر پانی پھیرا تھا اس وقت اس کا بس نہیں چل رہا تھا مہرین کو پیٹنا شروع کر دے۔

''کیا شور مچا رکھا ہے۔'' بلاول اپنے کمرے میں کمپیوٹر پر بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا ڈانٹ اور باتوں کی آواز سن کر لاؤنج میں آیا تو شہرزاد مہرین پر برس رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' شہرزاد نے بمشکل اپنے آپ کو ٹھنڈا کیا تھا۔

''کچھ تو ہے، کیا ہوا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا تھا۔

''بھیا آپی کی اسٹوڈنٹ فیل ہو گئی ہے۔'' عمر ہنستے ہوئے کچن سے چپس کی پلیٹ پکڑے نمودار ہوا تھا۔

''تو اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' شہرزاد نے اسے گھورا تھا۔

''کیوں بھئی مہرین، ٹیچر کمزور ہے یا اسٹوڈنٹ نے محنت نہیں کی۔'' وہ بھی شرارت سے بولا تھا۔

''ٹیچر کی کوئی کمزوری نہیں ہے ہاں اسے ہی پڑھائی اچھی نہیں لگتی، چلو مہرین کتابیں سمیٹو اور میرے کمرے میں چل کر بیٹھو۔'' شہرزاد نے بلاول کو جواب دینے کے ساتھ ساتھ اسے بھی حکم سنایا تھا، وہ کتابیں اٹھا کر مرے مرے قدموں سے شہرزاد کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''تم نے تو بے چاری کی جان ہی نکال رکھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔" مہرین کے جانے کے بعد بلاول بولا تھا۔
"اتنی بے چاری نہیں ہے وہ، بس پڑھائی کے وقت ہی بے چاری بن جاتی ہے، انکل اور آنٹی اتنا پیسہ خرچ کر رہے ہیں اس پر، مہنگے اسکول میں پڑھا رہے ہیں اور یہ ہے کہ اس نے نہ پڑھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"
"اور تم نے بھی اسے پڑھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔"
"میں نے بڑے دعوے سے انہیں کہا تھا کہ میں مہرین کو پڑھا کر چھوڑوں گی، اب کیا اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنی من مانی کرنے دوں اور انکل اور آنٹی کے سامنے شرمندہ ہو جاؤں۔"
"نہیں نہیں تم پوری کوشش کرو۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا تھا۔
"اور وہ اپنی۔" عمر نے چپس کھاتے ہوئے لقمہ دیا تھا، بلاول قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا جبکہ وہ اسے گھور کر مہرین کی خبر لینے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

سب لوگ بازار گئے ہوئے تھے، مہرین کو شہرزاد نے ٹیسٹ دے رکھا تھا اس لئے اس نے بڑے رٹے مار مار کر ٹیسٹ یاد کیا تھا اور اب ٹیوشن کے لئے آ گئی تھی، مگر خالی گھر بائیں بائیں کر رہا تھا، بوا نے بتایا کہ سب لوگ بازار گئے ہیں تو وہ بے دلی سے گھر واپس آنے لگی تھی جب اس نے لان میں چائے کا کپ تھامے بلاول کو دیکھا تھا، وہ بلاول سے شہرزاد کی واپسی کا ٹائم پوچھنے اس کے پاس آ گئی تھی۔
"آپی کب تک آ جائیں گی۔" پنک دوپٹے کے ہالے میں چمکتا ہوا چہرہ اور ہوا کے زور سے بالوں کی شریر لٹیں اس پر جس طرح اٹھکیلیاں کر رہی تھیں بلاول بے ساختہ ٹھٹکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔
"بلاول بھائی آپی کب تک آ جائیں گی۔"
وہ کسی اور ہی جہان میں پہنچ گیا تھا مہرین نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔
"بلاول بھائی۔"
"ہوں ہاں وہ ابھی تو گئی ہیں دیر لگ جائے گی انہیں۔" اپنی اچانک بدلتی حالت سے وہ خود بھی خائف ہو گیا تھا اس لئے گڑبڑا کر بولا تھا۔
"اچھا تو پھر میں چلتی ہوں۔"
"مہرین!" وہ مڑی تو بلاول نے پھر پکار لیا تھا۔
"جی!" وہ رک کر بولی تھی۔
"کچھ نہیں، تم جاؤ۔" وہ خود پر قابو پا کر شرمندگی سے بولا تھا۔
شہرزاد خوبصورت تھی اور بے حد سلجھی ہوئی بھی اور اس کی کزن بھی، وہ دونوں کئی سالوں سے ایک ان دیکھے ان چھوئے جذبے کی ڈور سے بندھے ہوئے تھے، شہرزاد جانتی تھی بلاول اس سے محبت کرتا ہے اور بلاول بھی باخبر تھا کہ شہرزاد اسے پوجنے کی حد تک چاہتی ہے، حد تو یہ تھی کہ ان کے دلوں میں بسنے والی محبت کی خبر گھر والوں کو بھی ہو گئی تھی اور وہ بھی اس تعلق پر خوش تھے، بلاول اور شہرزاد کی جوڑی بلاشبہ بہت پرفیکٹ تھی، مگر آج یہ اچانک کیسی کیفیت اس پر وارد ہوئی تھی کہ وہ شہرزاد کو پس پشت ڈال کر مہرین کو کسی اور ہی نظر سے دیکھتا چلا گیا تھا۔
مہرین جو کئی سالوں سے ان کے پڑوس میں بس رہی تھی اور تقریباً کافی عرصے سے گھر میں اس کا آنا جانا تھا آج سے پہلے تو ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنی اچھی اور اس طرح اپنی اپنی لگی ہو، یہ موسم کا اثر تھا یا تنہائی کا، یا پھر اس لمحے کا قصور تھا

زندگی میں خاموشی سے آیا کرتا ہے اور اس کی
اط ہی الٹ دیا کرتا ہے۔
"ہونہہ میں بھی پاگل ہوں بھلا شہرزاد کے
تے ہوئے کیسے کسی اور کو اس نظر سے دیکھ سکتا
ں۔" اس نے خود کو سرزنش کی تھی، مگر رات گئے
ک شہرزاد کے تنکھے نقوش میں وہ کسی اور کا عکس
اشتار رہا تھا، چمکتا چہرہ اور اس پر یاد کرتے پال،
نہیں وہ ہر دو منٹ بعد جھنک کر پیچھے کرتی وہ
قیقت میں پریشان ہوا تھا اور پھر بہانہ بنا کر
پنے کمرے میں جا کر بند ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آسمان کے تارے
کر پوچھا کرتے ہیں
کیا تمہیں اب بھی انتظار ہے
س کے لوٹ آنے کا
ور دل مسکرا کے کہتا ہے
مجھے تو اب بھی یقین نہیں
س کے چلے جانے کا

بھوربن کے خوبصورت نظاروں کی دل کشی
ور دل فریبی سرد دست سب کچھ پس منظر میں چلا
گیا تھا، وہ اپنا بے انتہا اہم آفشل وزٹ کینسل
کر کے واپس لاہور چلی آئی تھی، گو کہ دل کو ابھی
بھی اس کی بے وفائی اور ستم گری پر یقین نہیں آتا
تھا مگر اب عرصہ ہوا اس نے دل کی سننا چھوڑ دی
تھی، دل تو خود فریبی اور خود ستائی کی ایسی دلدل
میں لے جاتا ہے جہاں سے واپسی بہت مشکل
ہوتی ہے۔
"بلاول خاکوانی کیا تھا اگر تم مجھے یوں بیچ
منجدھار میں چھوڑ کر نہ جاتے، کیا نہیں تھا میرے
پاس خوبصورتی، علم و سلیقہ، ذہانت، سب کچھ تو تھا،
بس نہیں تھا تو مقدر جو تمہیں مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے ملا دیتا۔" بھوربن سے لاہور آنے کے
بعد منظر ضرور بدلے تھے، فضا ضرور بدلی تھی،
موسم ضرور بدلا تھا مگر دل کی حالت وہی رہی تھی
کسی بھکاری کی طرح پھٹے پرانے ملبوس میں جو
اپنے سکون کی بھیک مانگا کرتا ہے۔
"یا خدا کیا کروں، کہاں جاؤں۔" بے بسی
سی بے بسی تھی اور اس پر یادیں جو بے رحم
آندھیوں کی طرح سب اڑائے جا رہی تھیں،
آنکھیں بند کر کے چیئر کی بیک سے لگائے اس
نے خود کو ماضی میں ڈوبنے دیا۔
"مہرین مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔"
مہرین کو کچھ سوال سمجھا کر وہ اپنے لئے چائے
بنانے چلی آئی تھی اور جب چائے کا کپ لے کر
واپس کمرے میں جا رہی تھی تو اس نے بلاول کی
آواز سنی تھی، بلاول کی آواز میں ایسا کچھ تھا کہ وہ
دروازے کے باہر ہی رکنے پر مجبور ہو گئی تھی۔
"جی کہیے۔" مہرین نے جواباً کہا تھا۔
"مہرین مجھے تم اچھی لگنے لگی ہو۔" بلاول
کی آواز دوبارہ آئی تھی اور باہر کھڑی شہرزاد کی
ذات گویا زلزلوں کی زد میں آ گئی تھی، گرم چائے
اس کے ہاتھ سے چھلک گئی تھی، اسے اپنی
سماعتوں پر دھوکا ہوا تھا شبہ ہوا تھا، اسے یہ آواز
بلاول کی لگ ہی نہیں رہی تھی۔
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بلاول بھائی۔"
مہرین نے کہا تھا۔
"آپ جانتے ہیں آپ کتنی فضول بات کر
رہے ہیں۔"
"ہاں میں صحیح کہہ رہا ہوں۔" بلاول نے
اپنی بات کی تصدیق کی تھی۔
"بلاول بھائی! آپ جانتے ہیں کہ آپ
اور شہرزاد آپی۔" مہرین نے دونوں کے تعلق کے
بارے میں جانتی تھی اس لئے اپنی بات ادھوری
چھوڑ کر اپنی کتابیں اٹھا کر باہر بھاگ آئی تھی، وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی استاد کی محبت پر شب خون نہیں مار سکتی تھی، کمرے سے باہر دھواں دھواں چہرہ لئے شہرزاد کھڑی تھی، جس کے قدم ایک ہی جگہ پر زنجیر ہو گئے تھے، وہ وہاں سے ہلنا چاہتی تھی مگر ہل نہ سکتی تھی۔

"آپی..... مم..... میرا کوئی قصور نہیں۔" مہرین روتے ہوئے اتنا کہہ کر وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

واقعی وہ قصوروار تھی بھی نہیں، قصور تو سارا ان نظروں کا تھا جنہوں نے اپنا محور اور زاویہ بدل لیا تھا۔

☆☆☆

مہرین دوبارہ پھر کبھی ان کے گھر نہ آئی اس نے صحیح شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا تھا، غیر پھر بھی رشتہ ناطہ نبھا جاتے ہیں یہ اپنے ہی ہوتے ہیں جنہیں نظریں پھیرنے کی جلدی ہوتی ہے، بلاول کچھ عرصہ تو شرمندہ شرمندہ سا رہا، پھر ایک روز اس نے شہرزادے سے مافی مانگ لی تھی۔

"انسان ہے نا، چند پل کو بہک ہی جاتا ہے، تم مجھے معاف کر دو شہری۔" وہ اپنے لہجے میں ندامت کے سب رنگ بھر کر بولا تھا۔

"مرد ہی انسان کیوں ہوتے ہیں، عورتیں کیوں نہیں، ہم کیوں نہیں بہک جاتیں، ہم کیوں ایک ہی محبت کے گلے لگائے لگائے عمر بتا دیتی ہیں، بتاؤ بلو ہم ہی ایسا کیوں کرتی ہیں۔" کئی دنوں سے غم سے اس کا کلیجہ بھی پھٹ رہا تھا، آج راستہ ملا تو غم باہر آ گیا تھا۔

"یار معاف کر دو نا۔" اس کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔

"میں تو معاف کر دوں گی، مجھے معاف کرنا ہی ہے مگر تمہاری بے وفائی۔" وہ سسک پڑی تھی۔

"پلیز میں اپنی جگہ سے ہلا ضرور تھا مگر ابھی میرا ایک قدم بھی نہیں اٹھا تھا۔"

"وہ تو تمہیں آگے سے ہری جھنڈی دکھا دی گئی اگر تمہیں مثبت رسپانس مل جاتا تو تم کبھی ٹوٹ کر میرے پاس نہ آتے، پھر تو تمہیں آگے بہت آگے نکل جانا تھا۔" اس نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"مجھے اور شرمندہ مت کرو، کیا تمہاری محبت میں اتنی وسعت نہیں کہ مجھے معاف کر دو۔"

"میری محبت میں بہت وسعت ہے، تم کیا جانو، جاؤ معاف کیا۔" اس نے صاف دل سے کہا تھا، اصل میں وہ بلاول خاکوانی سے ناراض رہ رہ کر خود بھی بہت تھک گئی تھی، وہ اس سے ناراض ہو سکتی تھی مگر ناراض رہ نہیں سکتی تھی، وہ بلاول خاکوانی کو ٹوٹ کر چاہتی تھی۔

"اوہ تھینک یو، شہرزاد تم بہت اچھی ہو۔" وہ جیسے جی اٹھا تھا، شہرزاد کو زندگی دوبارہ جوبن پر آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

کہتے ہیں محبت میں لڑائیاں جھگڑے آکسیجن کا کام کرتے ہیں اس کو نئے سرے سے تر و تازہ اور جوان کرتے ہیں، ایسا ہی ان دونوں کے ساتھ ہوا تھا ایک دراڑ ان کی محبت میں آئی تھی مگر اپنا نشان چھوڑے بغیر گزر گئی تھی اور اب وہ پہلے سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے، بلاول تو اب سانس بھی شہرزاد کی مرضی سے لینے لگا تھا۔

"مہرین کی شادی ہو رہی ہے، کارڈ آیا ہے، چلو گے۔" ایک بھری دوپہر کو شہرزاد نے اسے پکڑ لیا تھا۔

"تم کہو گی تو ضرور چلوں گا۔" وہ شہرزاد کا طنز سمجھ گیا تھا پھر بھی خوشگوار لہجے میں بولا تھا۔

"پوچھو گے نہیں کس کے ساتھ وداع ہو رہی

ہے وہ۔" شہرزادا سے پوری طرح چھیڑ رہی تھی۔

"تم بتاؤ گی تو سن لوں گا۔" وہ بھی شرارت سے بولا تھا۔

"پوچھو گے نہیں شادی کہاں ہو رہی ہے؟"

"تم نشاندہی کرو گی تو پتہ چل جائے گا۔"

"دکھ تو ہو رہا ہو گا اس کی شادی کا سن کر۔"

"بالکل بھی نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ایک دن تو اسے کسی کے سنگ رخصت ہونا ہی تھا پھر دکھ کیسا۔"

"کچھ لوگوں کے چلے جانے کا دکھ ہوا کرتا ہے۔"

"مگر مجھے نہیں ہوتا کیونکہ میری خوشی اور دکھ تو بس ایک یہ بندے سے وابستہ ہے۔"

"بندہ بدل بھی تو جاتا ہے۔"

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا، وہ بندہ کبھی نہیں بدل سکتا۔"

"دیکھ لو، ایسا دعویٰ۔"

"ہاں یہ دعویٰ ایسا ہی ہے۔" وہ بڑے وثوق سے بولا تھا اور وہ اس کے خیالات جان کر ایک بار پھر پرسکون ہو گئی تھی، محبت میں ایسی مضبوطی ہو تو پھر کاہے کا ڈر ہوتا ہے۔

☆☆☆

جگر مرادآباد سے کسی نے پوچھا۔

"اچھی اور بری شاعری میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

جگر نے جواب دیا۔

"کسی اچھے شاعر کو سزا ملتی ہے تو اس پر کوئی گھٹیا شعر نازل ہو جاتا ہے اور جب کسی اچھے شعر کو سزا ملتی تو وہ کسی گھٹیا شاعر پر نازل ہو جاتا ہے۔" عمر ڈرائنگ روم میں بیٹھا مدیحہ کی جان کھا رہا تھا جو مطالعے اور شعر و شاعری کی ازحد شوقین تھی اور شومئی قسمت کہ وہ خود پر نازل ہوا ایک شعر بصد شوق عمر کو سنانے کی غلطی کر بیٹھی تھی اور اب وہ جی بھر کر اس کا مذاق اڑا رہا تھا، کیسی بے فکری کی عمر ہے وہ اور بلاول باہر سے چلتے ہوئے اندر آتے تھے اور ان کی نوک جھوک سے محظوظ ہو کر شہرزاد کہنے لگی تھی۔

"ہم کیا بوڑھے ہو گئے ہیں۔" بلاول نے فوراً کہا تھا۔

"محبت بے فکر بھی کب رہنے دیتی ہے یوں سمجھ لو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو محبت تا عمر جوان رکھتی ہے یہ کہو نا۔"

"یہ تب کہوں جب محبت کی جوانی کو تم قائم رکھو۔"

"وہ تو میں رکھوں گا۔"

"کب تک؟"

"جب تک آخری سانس بھی باقی ہے۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

تمہارے چہرے پر جو سجے ہیں
وہ پھول خوشیوں کے یونہی تازہ رہیں
ابد تک
حیات تو میں وہ رنگ بھر دیں
کہ آنے والا ہر لمحہ
نئی امنگوں کا ترجمان ہو
نئی بہاروں کی داستان ہو
وہ داستان جس کو پڑھ کر دل میں
محبتوں کا مسرتوں کا یقین ہو پیدا
میری دعا ہے
تمہاری آنکھوں کے سارے سپنے
مثال سورج نمایاں ہو کر
تمہاری دنیا جگمگائیں
مثال ماہتاب اور انجم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہاری ہستی کو سجائیں
یہ نیک تمنائیں تمہارے لئے ہیں

وہ دونوں چلتے چلتے باہر لان میں آ گئے تھے گلابوں کی مسحور کن خوشبو ہوا اڑائے پھر رہی تھی ایسے میں بلاول کی گمبھیر آواز اور نیک تمنائیں شہر زاد کے اندر لفظ لفظ زندگی کو بڑھاوا دے رہی تھیں، وہ خود پر کسی سلطنت کی ملکہ کا گمان کر رہی تھی، محبت کی سلطنت اور وہ عشق کی ملکہ، اس کے پاس خود پر فخر کرنے کے لئے بہت کچھ تھا۔

☆☆☆

تائی اماں کی بہن کراچی میں بہت بیمار تھیں اور انہیں ملنے کے لئے بلایا گیا تھا، تائی اماں نے جب یہ سب سنا تھا تو وہ منٹوں میں کراچی جانے کے لئے تیار ہو گئی تھیں، بلاول بھی ان کے ہمراہ جا رہا تھا، بہن کی بیماری کا سن کر تو تائی اماں کے آنسو ہی نہیں رک رہے تھے مدیحہ، شہر زاد اور ان کی مما سب انہیں تسلی دے رہے تھے مگر ان کا دل نہیں ٹھہر رہا تھا، بلاول بھی اپنی خالہ اور ننھیال والوں سے ملنے کے لئے بہت بے چین تھا اصل میں تائی اماں نے تایا ابا سے اپنی مرضی سے پسند کی شادی کی تھی جس میں ان کے خاندان کے کسی فرد نے شرکت نہیں کی تھی بلکہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا، تائی اماں کو بھی تایا ابا سے اس طرح محبت ہوئی تھی کہ انہوں نے خون کے رشتوں کو اس محبت کے پیچھے بھلا دیا تھا مگر کبھی کبھی اپنوں کی یاد میں وہ شدت پیدا ہوتی تھی کہ وہ بے بس ہو جاتی تھیں، اس طرح زندگی کے سال تو گزرتے رہے مگر ان کو ہائی بلڈ پریشر کا مرض لاحق ہو گیا، بیٹھے بیٹھے ان کا بی پی اتنا بڑھ جاتا کہ جان کے لالے پڑ جاتے، تایا جان جب تک زندہ رہے ان کو اور اپنے اکلوتے سپوت کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھے رہے اور ان کے ایک ایکسیڈنٹ میں دنیا سے گزر جانے کے بعد بلاول اور تائی اماں تایا ابا کی کمی بہت شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے، اب اچانک اتنے عرصے بعد تائی اماں کے میکے میں سے بلاوا آیا تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا اڑ کر وہاں پہنچ جائیں، اپنوں سے ملنے اور ان کی شکلیں دیکھنے کو وہ ترس گئی تھیں۔

''واپسی کب تک ہو گی۔'' شہر زاد تائی اماں کے ساتھ پیکنگ کروا رہی تھی اس نے بلاول سے پوچھا تھا، بلاول کے جانے کے خیال سے اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا، خالہ جان کی حالت کیسی ہے یہ تو وہاں جا کر ہی پتہ چلے گا، بہر حال تم فکر مند کیوں ہو رہی ہو، موبائل ہے نا میرے پاس، تم سے ہر وقت رابطے میں رہوں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر بلاول پہلے کبھی اتنے دنوں کے لئے گھر سے نہیں گئے نا اسی لئے بہت محسوس ہو رہا ہے۔'' وہ دل کی بات کو زبان پر لے آئی تھی۔

''محسوس تو مجھے بھی بہت ہو رہا ہے، مگر یار مجبوری ہے نا، اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں بھی تمہیں چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔''

''جلدی آنے کی کوشش کرنا۔''

''ہاں کوشش کروں گا کہ اماں کو وہیں خالہ جان کے پاس چھوڑ آؤں اور خود جلدی واپس آ جاؤں، تم نے پیکنگ کر لی ہے۔''

''ہاں سب کر لی ہے۔'' وہ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی تھی۔

بلاول اور تائی اماں کراچی چلے گئے تھے اور گھر میں جیسے سناٹے ٹھہر گئے تھے، تائی اماں کی بہن کی حالت بہت خراب تھی انہوں نے کراچی پہنچ کر فون پر بتایا تھا وہ تو اپنی بہن ماں جائی کی

پٹی سے لگ کر بیٹھ گئی تھیں، شہر زاد سمیت سب گھر والے ان کی بہن کی صحت یابی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

☆☆☆

سردیوں کے دن تھے سب لوگ لحاف میں گھسے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے کہ فضا میں ٹیلی فون کی تیز بیل نے ایک ہلچل سی مچا دی تھی، صبح کے چار بجے سردیوں کو ابھی آدھی رات ہی ہوتی ہے، ابھی تو فجر کی اذان بھی نہیں ہوئی تھی شہر زاد نے کمبل پرے پھینکا تھا اور دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا تھا، دوسری طرف ایک بری خبر اس کی منتظر تھی، تائی اماں کی بہن خالق حقیقی سے جا ملی تھیں، فون پر تائی اماں روتے ہوئے اسے بتا رہی تھیں، اس نے ماما اور ابا کو اٹھا کر یہ اندوہناک خبر سنا دی تھی۔

''ہمیں کراچی جانا چاہیے ان کی آخری رسومات میں شرکت کے لئے، آخر لوگ کیا کہیں گے آپا کے سسرال والوں میں ان کے پیچھے کوئی نہیں آ سکا، بھائی صاحب زندہ ہوتے تو اور بات تھی۔''

''ہاں کیوں نہیں ہمارا جانا بنتا بھی ہے، دکھ کی اس گھڑی میں ہم ہرگز آپا اور بلاول کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔'' ماما نے کہا تھا اور بابا جان کراچی جانے والی فلائٹ کا معلوم کرنے لگے تھے اور وہاں جانے کی تیاریوں میں لگ گئیں۔

☆☆☆

چھوڑا آپ روتا ہے
تعلق توڑنے والے تو شاید بھول جاتے ہیں
یاد آنے والی ہر رت سے
گلے ملتے ہیں وہ تنہا
مگر تنہا نہیں روتے

بہت بے کل، بہت مغموم اور بے تاب ہوتا ہے
وچھوڑا آپ روتا ہے

وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں مینجنگ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز تھی بظاہر تو خدا پاک نے اس کو سب کچھ دے رکھا بے تحاشا دولت، حسن، خوبصورتی وقار عزت اسٹیٹس مگر نہیں تھا تو دل کا سکون و قرار، ایک سال پہلے پی سی بھور بن میں اس نے اس دشمن جاں کو دیکھا تھا آج ایک سال گزر گیا تھا مگر وہی منظر وہی صورت آنکھوں میں جیسے ٹھہر سی گئی تھی، پی سی بھور بن کی خوبصورت فضا کا وہ مہکتا ہوا منظر اس کے لئے ایک ناسور بن گیا تھا، وہ راتوں کو سو نہیں سکتی تھی کئی یادیں تھیں جو اس طرح بے چین رکھتی تھیں جیسے بستر میں کانٹے اگ آئے ہوں اس نے معاشرے میں بہت محنت اور مشکل سے عزت اور مرتبہ بنایا تھا مگر آج کل تو وہ اپنی جاب کی طرف بھی توجہ نہیں دے رہی تھی، دل کی عجیب کیفیت تھی تو پوری ذات مایوسی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''آپی آپ کو پتہ ہے بلاول بھائی کی مسز کی حالت بہت خراب ہے۔'' مدیحہ کی شادی لاہور میں ہی ہوئی تھی اس نے شہر زاد کو فون کیا تھا جو ابھی تک تن تنہا زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔

''ان لوگوں سے میرا کیا واسطہ۔'' اس نے تلخی سے کہا تھا، مدیحہ تھی تو اس کی چھوٹی بہن مگر اس نے آج تک بلاول سے رابطہ نہیں توڑا تھا، کسی نہ کسی بات میں اس کا ذکر ضرور نکال لاتی تھی جو شہر زاد کو بہت گراں گزرتا تھا۔

''انسانیت کا واسطہ تو ہے نا، ان کی حالت بہت خراب ہے، دعا کریں ان کے لئے۔'' مدیحہ نے اس وقت تو اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تھا مگر کچھ دیر بعد ہی پھر اس کا فون آ گیا تھا اور اس بار اس نے روتے ہوئے شہر زاد تک یہ خبر پہنچائی تھی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلاول بھائی کی مسز کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔

شہرزاد نے سنا تو سکتے میں آ گئی تھی، ایک سال پہلے دلکش چہرے اور دل فریب آواز والی وہ نٹ کھٹ سی لڑکی جو بلاول کے سامنے بیٹھی ہوئی اسے بھور بن میں ملی تھی وہ اتنی جلدی منوں مٹی تلے کیسے جا سوئی شہرزاد کو اس موت پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا، کیا میری ایک نظر اتنی تباہ کن تھی کہ اس زندگی سے بھرے وجود کو کھا گئی، میں ہی اسے برداشت نہیں کر سکی تھی ضرور میری بددعا لگی ہوگی اسے، شہرزاد تنوطیت کا شکار ہو رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ بلاول کے پاس جانے کے لئے گھر سے نکل رہی تھی، محبت بے شک خوشیاں تنہا منا لے مگر غم کی گھڑی میں محبت ساتھ ضرور دیتی ہے، وہ بھی بلاول کا دکھ بانٹنے جا رہی تھی۔

☆☆☆

ماما اور بابا کراچی سے واپس آ گئے تھے، تائی اماں اور بلاول کا قیام وہاں بڑھ گیا تھا۔

''ماما آپ جب سے کراچی سے آئی ہیں بہت خاموش اور الجھی ہوئی ہیں، کیا بات ہے۔'' اس نے ایک دن گہری سوچوں میں گم اپنی ماں کو جا لیا تھا۔

''نہیں تمہارا وہم ہے کوئی بات نہیں ہے۔''

''خیر وہم تو نہیں ہے، آپ بتانا نہ چاہیں تو اور بات ہے۔''

''تم زیادہ باتیں نہ بناؤ جاؤ جا کر دیکھو تمہارے بابا اٹھ گئے ہیں تو انہیں ایک کپ چائے کا بنا دو۔'' انہوں نے شہرزاد کو ٹال دیا تھا۔

''دیکھتی ہوں، آپ پئیں گی۔'' وہ منہ بسور کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''پی لوں گی۔'' انہوں نے کہا تھا بلکہ اسے ٹالا تھا اور خود ایک بار پھر گہری سوچ میں گم ہوگئی تھیں۔

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ان کی الجھی اور پریشان کن سوچوں کی وجہ کھل کر شہرزاد کے سامنے آ گئی تھی، کراچی سے تائی اماں کا فون آیا تھا کہ وہ اپنی بھانجی کے ساتھ بلاول کا نکاح کر رہی ہیں، انہوں نے رو رو کر ان لوگوں سے معافی مانگی تھی اور کہا تھا کہ شہرزاد کے لئے رشتے بہت مگر ان کی بے سہارا بھانجی کو اس غم میں کوئی سہارا نہیں دے گا در پردہ ان کے لہجے سے صاف لگ رہا تھا کہ انہوں نے شہرزاد پر اپنی بھانجی کو فوقیت اس لئے دی ہے کہ اس رشتے سے ان کا ٹوٹا بکھرا خاندان ایک بار پھر جڑ جائے گا، ان کا میکہ پھر سے آباد ہو جائے گا، ان کے اپنے بچھڑے ہوئے مل جائیں گے اس کے لئے ان کو شہرزاد اور بلاول کے رشتے کو توڑتے وقت کوئی دکھ نہ ہوا تھا، شہرزاد کے لئے دنیا اندھیر ہوئی ہی تھی بلاول نے بھی کم رسے نہیں تڑوائے تھے، وہ بھی شہرزاد کے علاوہ کسی اور کا تصور نہیں کر سکتا تھا، مگر جب تائی اماں کا بلڈ پریشر حد سے بڑھ گیا اور انہوں نے بلاول کو جان کا واسطہ دے کر منا لیا تو دوسری طرف شہرزاد کو اپنی محبت ہاتھ سے کٹی پتنگ کی طرح جاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، بلاول نے اسے فون کیا تھا اور وہی مرد کی ازلی مجبوری کا رونا رویا تھا، شہرزاد کو ہمیشہ مرد کے بہائے ہوئے آنسو ایک ڈھکوسلہ کے سوا کچھ نہیں لگتے تھے، ہمارے معاشرے میں مجبور تو بس عورت ہوتی ہے مرد نہیں، اس نے بس ایک ہی فقرے سے اپنے اور بلاول کے تعلق کا اختتام کر دیا تھا، پھر وقت گزرتا رہا تھا، اس شخص کی یادیں تنگ کرتی رہتی تھیں اور کراچی جس نے شہرزاد کے دل کا لہو کیا تھا اسے اس شہر سے عجیب سا خوف آنے لگا تھا، اسے شہر، شہر نہیں ایک لیٹرا لگتا تھا جس نے اس کا سب کچھ لوٹ لیا تھا، اڑتی پڑتی یہ خبریں شہرزاد تک

پہنچتی رہتی تھیں کہ بلاول وہاں بہت خوش ہے، تائی اماں اور بلاول نے اب مستقل ہی کراچی میں رہائش رکھ لی تھی، لاہور کو تو انہوں نے ایسے چھوڑ دیا تھا جیسے شہرزاد اور اس کی محبت کو چھوڑا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے سرکتا گیا تھا، مدیحہ کی شادی ہوگئی تھی، عمر اپنی ایجوکیشن مکمل کر کے جاب کرنے لگا تھا، بس شہرزاد ہی تھی جو وہیں کھڑی تھی جہاں بلاول اسے چھوڑ کر گیا تھا، اس نے ماں باپ، بہن بھائیوں کے منتوں ترلوں کے باوجود ابھی تک شادی نہیں کی تھی، وہ بلاول کی جگہ کسی اور کو دے ہی نہیں سکتی تھی، وہ خود میں اتنی ہمت کہاں پاتی تھی، ہاں اس نے تنہائی کا ساتھی کتابوں کو بنا لیا تھا اس نے اعلیٰ ڈگری حاصل کی تھی اور شب و روز کی محنت کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی، زندگی کی پرسکون گھڑیوں میں ہلچل اس وقت مچی تھی جب اس نے بڑے عرصے بعد اس دشمن جاں کو دیکھا تھا اور اس لڑکی کو بھی جو تائی اماں کی بھانجی اور اس کی شریک زندگی تھی، شاید کہیں لاشعور میں اس لڑکی کو دیکھنے کی خواہش بھی تھی کہ وہ شہرزاد سے کہاں برتر تھی جسے اس پر فوقیت دی گئی تھی، وہ لڑکی واقعی خوبصورت تھی اور دلکشی میں بے مثال بھی، اسے دیکھ کر شہرزاد کے دل میں ایک کانٹا اور گڑ گیا تھا کہ بلاول نے ماں کی ممتا سے مجبور ہو کر نہیں اس حسن بے مثال کو دیکھ کر حامی بھر لی ہوگی، مردوں کی فطرت کا ایک اور پہلو اس کے سامنے آیا تھا۔

☆☆☆

جیسے ہی اس کے قدموں نے کراچی کی سر زمین کو چھوا تھا اس کے دل کو ایک جھٹکا سا لگا تھا، اس شہر نے اس کا سب کچھ چھینا تھا اور آج وہ اس شہر میں تھی حالانکہ زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آئے تھے جب اس نے جاب میں یا رشتہ داری میں بہت سے ایسے وزٹ کراچی کے چھوڑ دیئے تھے جو بہت اہم تھے وہ اس شہر میں نہ جانا چاہتی تھی اس کے لئے اسے نقصان بھی اٹھانا پڑا اس نے اٹھا لیا تھا مگر اپنے ارادے سے ایک انچ نہ ہلی تھی اور آج وہ اس شہر میں تھی کیسی عجیب بات تھی جس شخص کی خاطر یہ شہر چھوڑا تھا آج اسی شخص کے لئے وہ یہاں تھی، محبت انسان کو بہت عجیب طرح سے بے بس کر دیا کرتی ہے۔

بلاول کے گھر کا ایڈریس اس نے مدیحہ سے فون پر پوچھا تھا جوامی جان کے ساتھ وہاں موجود تھی، بلاول کے گھر کے اندر اور باہر بہت سارے لوگ جمع تھے، اتنی جوان اور اچانک موت تھی اس پر جتنا بھی غم منایا جاتا کم تھا، جتنے بھی آنسو بہائے جاتے تھوڑے تھے، وہ تیزی سے چلتی ہوئی اندر چلی گئی تھی، گھر کے اندر سفید کپڑے تلے وہ لڑکی آنکھیں بند کئے گہری نیند سو رہی تھی جس نے کبھی شہرزاد کے خواب اجاڑے تھے اور آج شہرزاد اس کے بے جان وجود پر ڈھیروں آنسو بہا رہی تھی، شہرزاد اسے بلاول کے ساتھ نہ دیکھنا چاہتی تھی مگر یوں بھی نہ چاہتی تھی کہ وہ دنیا ہی چھوڑ جائے، اس کا چند گھنٹے پہلے اس دنیا میں آنکھ کھولنے والا بیٹا کسی رشتہ دار بی بی کی گود میں آنکھیں موندے لیٹا تھا جس کو اس دنیا میں لانے والا وجود اب کبھی لوٹ کر واپس نہ آنے والا تھا، یہ دکھ نہیں تھا یہ تو پہاڑ جیسا دکھ تھا جس کا کوئی انت نہیں تھا، عرصے بعد وہ تائی اماں کے گلے سے لگ کر سسک سسک کر روئی تھی، وہ بھی اسے بانہوں میں سمیٹے بین کر رہی تھیں، پہلے بہن چلی گئی تھی اور اب بھانجی بھی بہو بھی اور پوتے کی ماہ بھی، ان کے تو بہت سارے رشتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلے گئے تھے، بلاول کو اس نے ابھی تک نہ دیکھا تھا وہ شاید باہر مردوں میں تھا۔

وہ جنازہ اٹھنے سے پہلے ہی لوٹ آئی تھی، وہ اتنا کچھ دیکھ چکی تھی اتنے آنسو بہا چکی تھی اسے لگا تھا وہ اب یہاں مزید رکی تو اس کا دل پھٹ جائے گا، وہ بلاول کو ایک نظر بھی نہ دیکھ سکی تھی، اس میں اتنا حوصلہ ہی نہ تھا، وہ بس مدیحہ کو بتا کر واپس پلٹ آئی تھی، مدیحہ اور امی جان کو ابھی دو تین روز وہاں رہنا تھا مدیحہ کا شوہر بھی اس کے ساتھ تھا، مدیحہ کے لئے یوں بھی مشکل نہ تھی کہ اس کی نند بھی کراچی میں ہی رہتی تھی۔

☆☆☆

''بلو بھائی کا بیٹا بڑا پیارا ہے، اذلان نام رکھا ہے اس کا، مگر روتا بہت ہے، شاید وہ بھی ماں کی کمی کو محسوس کرتا ہے، تائی اماں اسے ایک پل کے لئے بھی خود سے جدا نہیں کرتیں، ہر وقت گود میں لئے رکھتی ہیں۔'' مدیحہ لاہور آئی تو اس نے شہرزاد کو بتایا تھا، شہرزاد خاموشی سے بیٹھی اس کی باتیں سنتی رہی تھی، وہ ایسی باتوں پر کیا کہتی، اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ تھا ہی نہیں، پہلے کبھی بلاول کا ذکر اسے آگ لگا دیا کرتا تھا، نارسائی کی آگ، بے وفائی اور ناقدری کی آگ، مگر اب اس کا ذکر شہرزاد کو تپاتا نہیں تھا بلکہ اس کے جذبات میں کوئی ہلچل نہیں مچتی تھی جذبات پر تو جیسے کوئی برف کا تودہ رکھ گیا تھا، وہ برف کے تودے کی طرح ہی سرد ہو گئے تھے۔

''میں تم سے باتیں کر رہی ہوں آپی۔'' مدیحہ اسے انجان بیٹھے دیکھ کر چلائی تھی۔

''ہاں تو سن رہی ہوں، بہری نہیں ہوں۔'' اس کے چلانے پر اس نے سکون سے کہا تھا۔

''سن رہی ہو تو پھر کوئی جواب بھی دو۔''

''کیا جواب دوں۔''

''جو تمہارا دل چاہتا ہے آپی۔''

''میرے پاس ایسی باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی، جانتی تھی مدیحہ یونہی جان کھاتی رہے گی۔

''شہرزاد کو کچھ دنوں کے لئے میرے پاس بھیج دو، میرا دل کہیں ٹھہرتا ہی نہیں ہے، وہ پاس ہو گی تو دل لگا رہے گا۔'' ایک شام کو تائی اماں نے ماما کو فون پر کہا تھا۔

''آپا کیوں نہیں، میں آج ہی شہرزاد سے کہتی ہوں۔'' ماما نے کہا تھا اور جب انہوں نے یہی بات شہرزاد سے کہی تو وہ بری طرح بھڑک اٹھی تھی۔

''ماما آپ جانتی ہیں میری جاب کیسی ہے، مجھ پر کس قدر ذمہ داری ہے، میں کیسے وہاں جا کر اتنے بہت سارے دن رہ سکتی ہوں، میں فارغ نہیں ہوں کہ تائی اماں کا دل بہلاتی رہوں۔'' وہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی تھی۔

''بیٹا جاب رشتے داری سے زیادہ اہم کیسے ہو گئی ہے۔'' ماما نے اسے رسان سے سمجھایا تھا۔

''ماما جاب جاب ہوتی ہے، اس کی اپنی ریکوائرمینٹس ہیں یہ کیسی رشتہ داری کی پابند نہیں ہے، کمپنی جو ہر مہینے ہزاروں روپیہ ہمیں دیتی ہے وہ اس لئے نہیں کہ ہم گھر میں بیٹھ کر رشتہ داریاں نبھاتے رہیں بلکہ اس بات کے پیسے دیتی ہے کہ ہم دن رات ان کے لئے محنت کریں۔''

''تو چھوڑ دو جاب، بہت کما لیا ہے تم نے، اب کیوں اتنی محنت کر کے اپنے آپ کو تباہ کر رہی ہو۔''

''ماما میں محنت کر کے خود کو ضائع نہیں کر رہی ہوں بلکہ میں نے اس کے بل بوتے پر اپنے آپ کو منوایا ہے اپنا ایک مقام بنایا ہے اس معاشرے میں۔''

''تو تم کراچی جانے سے انکار کر رہی ہو۔'' وہ اس سے بحث میں نہیں جیت سکتی تھیں اس لئے بات کو سمیٹتے ہوئے بولی تھیں۔

''جی میں نہیں جا رہی، آپ ایسا کریں آپ چلی جائیں گھر کو میں دیکھ لوں گی۔'' اس نے ایک آسان سا حل نہیں پیش کیا تھا۔

''آپا نے تمہیں بلایا ہے مجھے نہیں۔''

''مجھ میں اور آپ میں کیا فرق ہے۔'' اس کے دل میں کچھ کھٹک سا گیا تھا تائی اماں ایک بار پھر جو اس پر مہربان ہو رہی تھیں اسے دال میں کچھ کالا لگ رہا تھا۔

اگلے ہی ہفتے تائی اماں چلی آئیں۔

''میں نے سوچا ہماری بیٹی مصروف ہے آ نہیں سکتی تو کیا ہوا میں خود لاہور چلی جاتی ہوں۔'' بلاول اور تائی اماں ننھے اذلان کے ساتھ لاہور اپنے گھر واپس آ گئے تھے، سب لوگوں نے بہت خوشی جبکہ شہرزاد نے بہت حیران آنکھوں سے ان کا استقبال کیا تھا، اسے یہ توقع نہیں تھی کہ تائی اماں بلاول کے ساتھ واپس لاہور آ جائیں گی، وہ ان سے مل کر اور ان کی گود میں لیٹے ہوئے اذلان کو ہلکا سا پیار کر کے اور بلاول کو سرے سے نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں گھس گئی تھی، ماما کو اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا تھا، وہ کچھ دیر بعد اس کے پیچھے آئی تھیں۔

''گھر آئے مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔''

''مہمان کیسے، وہ تو اپنے گھر واپس آئے ہیں، وہ کوئی مہمان تھوڑی ہیں۔''

''مگر اس وقت تو مہمان ہی ہیں نا۔''

''آپ ہیں نا ان کی مہمانداری کو۔''

''شہری مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔'' ماما چلی گئی تھیں اور وہ سر جھٹک کر ایک کتاب کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

''کیسی ہو؟ بہت کمزور ہو گئی ہو، اب کیا رات کے وقت درختوں کے نیچے بیٹھنے سے ڈر نہیں لگتا۔'' رات بھیگ رہی تھی وہ لان میں چائے کا مگ تھامے گہری سوچوں میں مگن تھی جب ایک مانوس سی آہٹ ہوئی تھی اور پھر کئی سوالوں کے ساتھ اک آواز سماعتوں میں اتر کر ہلچل مچا گئی تھی۔

بہت حیران ہوتا ہوں
کسی سے جب سے یہ سنتا ہوں
کہ تو راتوں کو تنہا دیر تک تاروں کی چھاؤں میں
اب اکثر اپنے گھر کی چھت پہ بیٹھا خواب بنتا ہے
میں اکثر سوچتا ہوں
تو ملے تو تجھ سے یہ پوچھوں
اندھیروں سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی ہمدم
تمہیں تو شام کی پرچھائیوں سے خوف آتا تھا

''نہیں اب مجھے کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا بلاول خاکوانی، اب میں بظاہر دیکھنے میں کمزور نظر آتی ہوں مگر اندر سے بہت مضبوط ہو گئی ہوں، اب میں بہت بدل گئی ہوں اب میں پہلے جیسی شہرزاد نہیں ہوں، ویسے بھی جن کے اندر اندھیرے ہوں انہیں باہر کے اندھیرے کیا کہیں گے۔'' وہ طنزیہ انداز میں ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

''مجھے تو تم اب بھی پہلے جیسی شہرزاد ہی نظر آتی ہو، نازک اور ڈرپوک سی۔'' وہ اس سے فاصلہ رکھ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا، شہرزاد نے بہت ناگواری سے اس کا یہ فعل بھی دیکھا تھا۔

''ہونہہ، تم ہمیشہ میرے بارے میں غلط اندازے لگاتے ہو، تم مجھے کبھی سمجھ ہی نہیں سکے، اصل میں تم نے مجھے کبھی سمجھنا چاہا ہی نہیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب کسی کو سمجھنا نہ ہو تو پھر اس شخص کی ذات آپ کے سامنے ہمیشہ ایک جگسا پزل ہی رہتی ہے پھر آپ اسی طرح اس کے بارے میں غلط سلط اندازے لگا کر اپنی خوش فہمیوں کو بڑھاوا دیتے رہتے ہیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''بیٹھو نا کہاں جا رہی ہو۔'' اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر بلاول بے اختیار بولا تھا۔

''رات بہت ہوگئی ہے چلتی ہوں اب، صبح آفس بھی جانا ہے مجھے ویسے بھی اب اپنے گھر میں ہی قید محسوس ہوتی ہے بندہ آزادانہ کہیں بیٹھ بھی نہیں سکتا۔'' وہ طنز کا ایک اور تیر بلاول کے دل میں اتار کر اندر چلی گئی تھی۔

''اتنی ناراضگی تو تمہارا حق بنتی ہے شہرزاد۔'' بلاول خاکوانی کی فطرت بالکل عام مردوں جیسی ہی تھی جو محبت تو کرتے ہیں مگر محبت کو مستقل دل کا روگ نہیں بنائے رکھتے محبت تو بلاول نے شہرزاد سے ہی کی تھی مگر اس کی زندگی میں کچھ لمحے ایسے بھی آئے تھے جب وہ محبت سے زیادہ کسی اور ہی جذبے کے تحت بے اختیار ہوا تھا اور اسی جذبے اور کچھ ماں کی منت سماجت نے اسے اس لڑکی سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا تھا جو بہت تھوڑی عمر لکھوا کر آئی تھی، وہ نہیں رہی تھی مگر اذلان کی صورت اس کی نشانی بلاول کے پاس تھی، وہ بھولنے والی نہ تھی اور نہ کبھی بلاول کو بھول سکتی تھی، مگر شہرزاد کی تنہائی اسے بیوی کی ضرورت اور اذلان کو ایک ماں کی ضرورت اور سب سے بڑھ کر اس کی بچھڑی محبت، ان سب نے مل کر شہرزاد سے رابطے کی ایک اور صورت بحال کر دی تھی، وہ اس کے ساتھ نئی زندگی شروع کرنا چاہتا تھا اور اس کی ماں کی بھی یہی خواہش تھی مگر شہرزاد کو اپنا ٹھکرانا یاد تھا وہ تو بلاول سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر بلاول اسے منانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔

شہرزاد اتنی بچی نہ تھی کہ ماں اور تائی کا سر جوڑ کر بیٹھنا اور بلاول خاکوانی کی نظروں کے پیغام نہ سمجھتی، وہ سب کچھ دیکھ کر سمجھ رہی تھی، مگر جو یہ سب لوگ چاہ رہے تھے اسے اب کسی صورت گوارا نہ تھا۔

☆☆☆

''ابھی تک کتابوں میں سر کھپا رہی ہو، بس کرو اب، تم نے تو قسم کھا رکھی ہے ایک منٹ بھی آرام نہیں کرنا، بس کام، کام اور کام۔'' وہ کل کی میٹنگ کے لئے کچھ پوائنٹس لکھ رہی تھی جب ماما کمرے میں آئی تھیں۔

''آیئے ماما ہمارے قائد نے بھی تو کہا ہے بس کام، کام اور کام۔'' وہ پین بند کر کے ذرا ریلیکس ہو کر مسکرا کر ماں سے بولی تھی۔

''قائد نے صرف تمہارے لئے تو نہیں کہا۔'' وہ فرصت سے بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں، شہرزاد کو اندازہ ہو گیا تھا ماما کچھ خاص بات کرنے آئی ہیں ورنہ اس وقت تو وہ سو بھی چکی ہوتی ہیں، وہ سحر خیز تھیں اس لئے رات کو جلدی سو جاتی تھیں۔

''مجھے تو لگتا ہے بس میرے لئے ہی کہا ہے۔''

''اچھا بس کرو یہ کام کی بحث، ادھر آؤ میرے پاس مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔'' وہ اٹھ کر بیڈ پر ان کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

''شہرزاد ماں باپ کو اولاد سے بڑھ کر کوئی چیز بھی عزیز نہیں ہوتی، یہ تو تم جانتی ہی ہو گی، والدین کا خواہ کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے وہ اپنی اولاد کی طرف آنچ بھی نہیں آنے دیتے، وہ دنیا کے سرد و گرم سے اپنی اولاد کو ہر حال میں بچا کر رکھنا چاہتے ہیں، ایسا ہے کہ نہیں؟'' انہوں

نے تمہید باندھ کر اس کی تصدیق شہرزاد سے چاہی تھی۔

''بالکل ایسا ہی ہے ماما، دنیا میں ماں باپ کا رشتہ ہی سب سے پیارا رشتہ ہے۔''

''اب تم اور مدیحہ ہمارے لئے ایک جیسی ہو، مدیحہ اپنے گھر میں خوش ہے تو ہمارے دلوں کو بھی اطمینان اور سکون ہے اور تم یوں تنہا زندگی کے دن پورے کر رہی ہو یہ خیال ہمارے دلوں کو دن رات کسی ناک کی طرح ڈستا رہتا ہے، بچے ہم تمہیں بھی اپنے گھر میں بستا اور خوشی سے زندگی گزارتا دیکھنا چاہتے ہیں، تم کب تک ہمیں نہ نہ کرتی رہو گی، ہمارا دم بھی آج ہے کل نہیں ہو گا تو کون تمہارے لئے فکر مند ہو گا، کون تمہارے بارے میں سوچے گا، تم چاہتی ہو ہم یونہی بے سکون مر جائیں تاکہ کل کو ہماری قبروں میں بھی ہمیں چین نصیب نہ ہو۔''

''ماما خدانخواستہ ایسا ہو، آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، اللہ پاک میری زندگی بھی آپ کو لگائے، آپ پلیز یہ مرنے مارنے کی باتیں نہ کریں، میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، مگر ہم قدرت کے نظام سے کیسے منہ موڑ سکتے ہیں، موت تو بہر حال ایک دن آنی ہے، تم بس مجھے یہ بتاؤ تم آخر کیا چاہتی ہو، آج جو بھی تمہارے دل میں ہے حتمی فیصلہ کر کے مجھے بتاؤ، میں تمہارا جواب سن کر ہی یہاں سے جاؤں گی۔''

''ماما..... اگر آپ اتنا مجبور کر رہی ہیں اور ایسی باتیں کر رہی ہیں تو پھر میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ صرف ایک شخص کے علاوہ باقی ساری دنیا میں آپ میرے لئے کسی کا بھی انتخاب کر لیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا، آپ تو کب سے اس بات کے لئے مجھ سے تمہید باندھ کر مجھے اس موضوع کی طرف لا رہی ہیں مگر میں نے آپ کو کھل کر اور واضح انداز میں بتا دیا ہے۔'' وہ دو ٹوک انداز میں بولی تھی۔

''اور وہ ایک شخص کون ہے۔'' وہ جان تو گئی تھیں مگر پھر بھی انجانے پن سے بولی تھیں۔

''آپ بھی جانتی ہیں۔''

''تم نام بتاؤ۔'' وہ بھی اس کے منہ سے سننا چاہتی تھیں۔

''بلاول خاکوانی!''

''اور میں اسی شخص کے لئے تمہارے پاس آئی ہوں جسے تم منع کر رہی ہو، گھر کا بچہ ہے دیکھا بھالا اور پھر ماں کے منہ سے سچ سنو تو آج تک اس کے لئے تو تم تنہا ہو، پھر زندگی تمہیں ایک اور موقع دے رہی ہے تو کیوں منہ موڑ رہی ہو۔''

''ماما آپ تو اتنی آسانی سے اسے ہر الزام سے بری مت کریں، وہ گھر کا بچہ اور دیکھا بھالا تھا، اب نہیں ہے، ایسے تو غیر بھی نہیں کرتے جیسے اس گھر کے بچے نے کیا ہے۔''

''اس وقت حالات ایسے تھے اسے ایسا کرنا پڑا، ویسے بھی ٹھوکر اسے لگی ہے اب وہ ساری زندگی تمہارا بے دام غلام بن کر رہے گا۔''

''جانے کون سے مرد ہوتے ہیں جو عورتوں کے بے دام غلام بن جایا کرتے ہیں یا جانے ان عورتوں کے پاس ایسا کون سا ہنر ہوتا ہے جو مردوں کو بے دام غلام بنا لیتی ہیں، یہاں تو کچھ نہ ہو سکا۔''

''تم سوچو تو، ایک موقع زندگی تمہیں دے رہی ہے ایک موقع تم اسے دو۔''

''ٹھیک ہے ماما، مگر میری ایک شرط ہے۔''

کافی دیر سوچ بچار کے بعد وہ بولی تھی۔

''کون سی شرط؟'' انہیں خوشی اس بات کی ہو رہی تھی کہ وہ مانی تو سہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ مجھے کسی اور شہر میں الگ رکھے گا اور میں اس کا بیٹا نہیں پالوں گی، نہ میں اسے اپنے ساتھ رکھوں گی، آپ جا کر انہیں بتا دیں اگر وہ مانتے ہیں تو پھر میں بھی مان جاؤں گی۔"

"شہرزاد تم تو بہت نرم دل ہو، اتنی سنگ دل کیسے بن گئی ہو، وہ معصوم سا بن ماں کا بچہ تمہارا کیا لے گا، تم اسے باپ سے بھی جدا کرنا چاہتی ہو۔" شرط بہت کڑی تھی انہیں شہرزاد پر غصہ آیا تھا۔

"بس میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا، اس سے میں ایک انچ نہیں ہلوں گی، وہ مانتے ہیں تو ٹھیک ہے۔" اس نے نہایت ضدی لہجے میں ماں سے کہا تھا، وہ اٹھ کر چلی گئی تھیں، انہیں پتہ تھا شہرزاد اگر نرم دل ہے تو ضدی بھی بہت ہے، اب انہیں آپا اور بلاول کو اس کا جواب اس شرط کے ساتھ ہی دینا پڑے گا۔

"ہونہہ میری بھولی ماں، وہ تو اب بھی مجھ سے اپنا مفاد چاہتے ہیں، بیٹے کو ماں مل جائے گی تائی اماں کو بہو اور بلاول صاحب کو من پسند بیوی، اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، اب بلاول کا بھی امتحان ہوگا کہ اسے بیٹا عزیز ہے یا محبت، اب دیکھوں گی میری محبت جیتتی ہے یا بیٹے کی۔" آج کتنے سالوں بعد بلاول خاکوانی کو بے سکون کر کے وہ سکون سے سوئی تھی۔

☆☆☆

شرط بہت کڑی تھی، مگر تائی اماں نے نہایت تحمل سے اس کا جواب سنا تھا، اذلان کو تو وہ بھی پال سکتی تھیں انہیں اپنے بلاول کی اجڑی زندگی کو بھی تو سنوارنا تھا، انہوں نے بلاول کو بہت مشکلوں سے سمجھایا تھا کہ اذلان کی ماں وہ ہیں وہ اسے پال لیں گی اور تم شہرزاد سے شادی کرلو، بلاول مشکلوں سے ہی سہی مگر مان گیا تھا۔

"انہیں تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" اگلے دن وہ آفس سے واپس آئی تو ماما نے اسے بتایا تھا، اسے اتنی جلدی یہ سب مان لینے کی توقع نہیں تھی، ایک دم سے اس کا دل ہل گیا تھا، گویا پرانی محبت میں ابھی بھی اتنا دم خم تھا کہ بیٹے کی محبت سے وہ جیت گئی تھی، وہ جتنا سوچ رہی تھی دل اتنا ہی خوش سے اچھل رہا تھا، کئی سالوں بعد دل پر سے ناقدری کی دھول چھٹی تھی خوشی کیسے نہ ہوتی۔

گھر میں عرصے بعد ایک خوشگوار سی ہلچل مچ اٹھی تھی، چہروں پر سکون اور آسودگی جھلکنے لگی تھی اور ساتھ ہی بلاول اور شہرزاد کے نکاح کی تیاریاں ہونے لگی تھیں، مدیحہ اپنے دو عدد شریر بچوں کے ساتھ مستقل خاکوانی ہاؤس میں ڈیرا ڈالے بیٹھی تھی، عمر بھی اپنے بیوی بچوں سمیت چھٹیاں لے کر آچکا تھا اور ہی بازار جایا جاتا روز ہی شام کو ہر شاپنگ پر ڈسکشن ہوتی تھی یہ اور بات کہ شہرزاد ابھی بھی اپنے دائرے میں سمٹی ہوئی تھی، وہ خاموشی سے اپنا کام کیے جاتی تھی، البتہ وہ جہاں جہاں جاتی بلاول کی نگاہیں اس کے قدموں سے لپٹے جاتی تھیں، وہ ان آنکھوں کے اشارے بخوبی سمجھتی تھی مگر سمجھ کر بھی انجان بن رہی تھی، بلاول نے اسے بھی تو بہت ستایا تھا اتنا سا ستانا تو اب اس کا بھی حق بنتا تھا۔

☆☆☆

پھر وہ ساعت سعید جلد ہی آن پہنچی تھی جب اسے خاکوانی ہاؤس میں بلاول کے مقدر کا ستارا بنایا جانا تھا، چیدہ چیدہ رشتہ دار اور دوست احباب سب مدعو تھے اور تقریباً ہر ایک نے اس فیصلے کو اچھی نظروں سے دیکھا تھا اور سراہا تھا، وہ دلہن بنی تھی پنک اور کاپر کلر کے بھاری کامدار لہنگے میں ماہر بیوٹیشن کے ہاتھوں سج سنور کر اس پر ایسا روپ آیا تھا کہ جو دیکھتا بس دیکھتا ہی چلا جاتا تھا۔

ماں باپ کی دعائیں اور بہن بھائیوں کی

بلاؤں اور نیک تمناؤں کے سائے تلے نکاح پڑھایا گیا تھا اور وہ ایک نئے رشتے کے ساتھ بلاول کے کمرے میں پہنچا دی گئی تھی، سب کام بخیر انجام پا گئے تھے سب خوش تھے اور یوں مہمانوں کے رخصت ہوتے ہوتے رات سر پر آن پہنچی تھی۔

دل میں ہونے والی دھک دھک کانوں میں سنائی دے رہی تھی جب دروازہ ہلکے سے کھٹکے سے کھلا اور پھر بند ہوا تھا، مانوس چاپ آشنا آہٹ اور دل موہ لینے والی جانی پہچانی خوشبو قریب ہی آ کھڑی ہوئی تھی، وہ خود میں سمٹ گئی تھی، بلاول خاکوانی جس رشتے سے اس وقت قریب کھڑا تھا اسی رشتے کا اعجاز تھا کہ دل کی تال اور آتی جاتی سانسوں کی چال ہی بدل گئی تھی، وہ پزل ہونا نہیں چاہتی تھی مگر ہو رہی تھی، چند گھنٹوں کی مشرقی دلہن لاکھ خود کو مضبوط ظاہر کرے اس سے اس کا پریشان ہونا فطری بات ہوتی ہے۔

"السلام علیکم!" وہ اب بیڈ پر جگہ بنا کر بیٹھ چکا تھا، شہرزاد دل میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا اور بلاول نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا تھا، چاند سا سجا سجایا مکھڑا اس کے سامنے تھا، محبت مل تو گئی تھی مگر اس کے لئے جو موڑ ان دونوں نے دیکھے تھے وہ وہی جانتے تھے۔

"شادی مبارک ہو۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"کیا ہوا دولہا پسند نہیں آیا؟"

"نہیں۔" اس نے سر دائیں بائیں انکار میں ہلا دیا۔

"ارے بھئی کیوں، کس چیز کی کمی ہے۔" وہ گھبرا کر جلدی سے بولا تھا۔

"کمی ہے نا، آپ ذرا بھی اچھے نہیں لگ رہے۔" رستہ بدلا تھا تو انداز تخاطب بھی بدل گیا تھا۔

"کس چیز کی، مجھے بتاؤ نا، اپنی طرف سے تو میں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔"

"ہمارے بیٹے کی کمی ہے، اذلان خاکوانی کی، اس کو کہاں چھوڑ آئے ہیں، اس کے بغیر تو ہم دونوں ادھورے لگ رہے ہیں۔" وہ تیکھے انداز میں بولی تھی۔

"کک..... کیا کہہ رہی ہو شہری، مذاق تو نہیں کر رہی ہو، ہمارا بیٹا۔" بلاول کے منہ سے خوشی کے مارے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"ہاں ہمارا بیٹا، جائیں جلدی سے اس کو لے کر آئیں اور اس وقت میں آپ سے مذاق کیوں کروں گی۔" اس نے کہا تھا اور بلاول اذلان کو لینے باہر بھاگا تھا، صحیح خوشی تو اب گھر کے در و دیوار سے پھوٹی تھی، باہر سے ہنسی کی آواز آ رہی تھی، اس نے شانت ہو کر بیڈ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"شہرزاد سنگ دل تو واقعی نہیں تھی، اس نے تو بس اتنا آزمایا تھا کہ اس کی محبت میں دم خم ہے یا بس بلاول کو بیٹے کی ایک ماں چاہیے۔" بلاول نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ابھی بھی اس سے محبت کرتا ہے، اس نے میرے دل کو سکون بخشا تھا تو میں اس کو کیسے بے چین رہنے دیتی، اذلان اس کے دل کا ٹکڑا تھا اسے چھوڑ کر بلاول کیسے چین سے رہتا، پھر چھوڑے کا دکھ جو میں نے سہا تھا وہ اتنی ننھی سی جان وچھوڑے کا دکھ کیسے سہہ پاتی، وچھوڑا کسی شکل اور کسی رشتے میں بھی ہو خون کے آنسو رلاتا ہے اور میری محبت میں اتنا ظرف تھا کہ میں اذلان کو اپنے دل کا ٹکڑا بنا لوں اور میں نے بنا لیا تھا، میں نے ٹھیک کیا نہ؟ آپ سب بتائیں۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

تیسری قسط کا خلاصہ

معاذ کی سرتسی اور بدلحاظی کے سامنے پپا کو گوہار تسلیم کرنا پڑتی ہے، وہ اپنے اس موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں کہ پپا نے اس سے زیادتی کی ہے۔

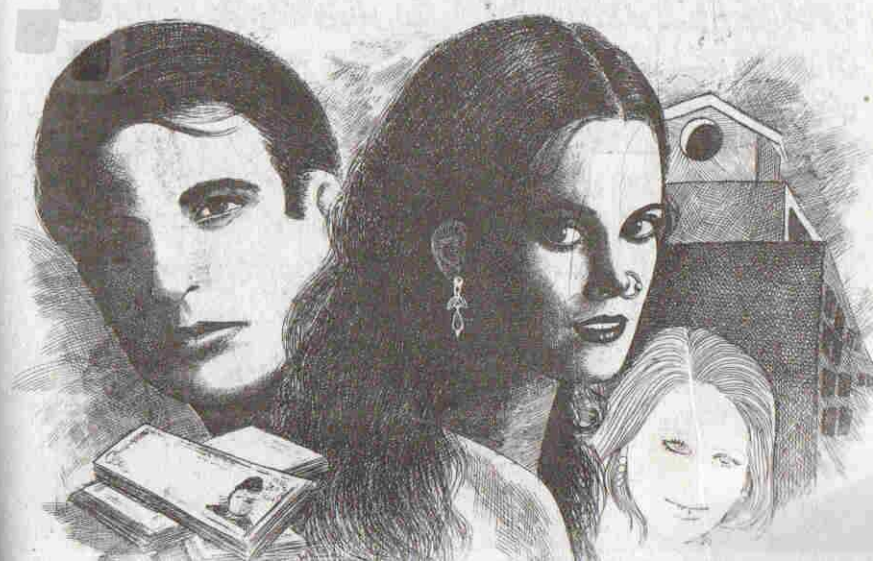
نوریہ اس صدمے کی کیفیت میں مبتلا بیماری سے دوچار ہے، زیادسب سے زیادہ اس کا خیال رکھتا ہے مگر نوریہ کو معاذ کے سامنے وہ گویا نظر ہی نہیں آتا اس پہ زینب کی باتیں وہ نوریہ کو بتاتی ہے معاذ کسی طور بھی پرنیاں کو بسانے والا نہیں، نوریہ کو پرنیاں سے ہمدردی ضرور ہے مگر وہ اپنی محبت کے آگے بھی بے بس ہے۔

جہان زینب کو ہوٹل میں تیمور خان کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس کے وجود میں بھونچال اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، زینب سے استفسار پہ زینب صاف مکر جاتی ہے جہان کو ایک فرضی مگر نہایت بے ڈھنگی کہانی سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے تو وجہ ابھی وہ گھر کے کسی بھی فرد پہ اس تعلق کو عیاں کرنے پہ آمادہ نہیں ہے۔

پرنیاں کو ہاسٹل میں پپا باقاعدگی سے ملنے جاتے ہیں، پرنیاں شعوری یا لاشعوری طور پہ معاذ کی پیش رفت کی منتظر ہے مگر ہر بار کی مایوسی اس کی آزردگی کا باعث بنتی ہے، پپا کے پاس مما پرنیاں کے لئے تحائف بھیجتی ہیں تو اس کی دوست اسے فون پہ تھینکس کہنے کا خیال دلاتی ہے پرنیاں کا فون معاذ اٹینڈ کرتا ہے، پرنیاں گھبراہٹ میں فون بند کر دیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوتھی قسط



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لڑکی تو واقعی بہت حسین تھی، یار ذرا اس کے روکتے تو سہی ذرا بائیو ڈیٹا ہی معلوم ہو جاتا وہ حور پری کسی جنت کے گوشے سے بھٹک گئی تھی یا پرستان کی راہ بھولی تھی۔'' احسان کی کھی کھی کے جواب میں وہ اس مدہوشی کی کیفیت جس میں شوخی کا رنگ بھی چھلک رہا تھا وضاحتی انداز میں بولا۔

''یار جتنی بدحواس وہ تھیں اس کی وجہ کیا یہی نہیں ہو سکتی کہ وہ انسانوں کی دنیا سے نا آشنا تھی۔'' پھر ان کے بیچ شعوری یا لاشعوری طور پہ یہی موضوع چھڑا رہا تھا، ابن زیاد نے باقاعدہ ایک ایک کو پکڑ کر اس بات کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور بیک وقت حسان کی قسمت پہ رشک و حسد کا اظہار کرتا رہا۔

''کاش اس وقت میں سامنے ہوتا اور وہ مجھ سے ٹکراتی۔'' وہ مصنوعی آہیں بھر رہا تھا۔

''یار بس بھی کرو، کس فضول بات کے پیچھے پڑ گئے ہو؟'' معاذ نے عاجز ہو کر اسے ٹوکا تو اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئی تھیں۔

''آپ کی سماعت اگر صحیح کام کر رہی ہو تو ہم ایک حسین ترین لڑکی کی بات کر رہے ہیں۔''

''تو؟ چیونگم کی طرح کھینچو گے تو کوفت تو ہو گی۔'' معاذ ہنوز بے زار تھا۔

''آپ بدل گئے ہیں بھائی مان لیں اور اس کی وجہ.....؟'' ابن زیاد نے جوش بھرے انداز میں باقاعدہ میز پہ زور سے ہاتھ مارا معاذ کی پیشانی ناگواری کی شکنوں سے پر ہونے لگی۔

''بس اس سے آگے کچھ نہیں، میں کوئی فضول بات نہیں سنوں گا۔''

''سچائی اور حقیقت سے فرار انسان کو جلد بڑھاپے کا شکار کر دیتا ہے۔'' جہان کا انداز شرارتی تھا، معاذ نے بے حد ناراضی سے اسے دیکھا۔

''میرے معمولی مذاق کی پیا نے کتنی کڑی سزا دی تمہارے سامنے ہے اور کچھ بھی نہیں ہے بس ذرا محتاط ہو گیا ہوں یار!'' وہ عاجز ہو کر وضاحت پیش کرنے پہ مجبور ہوا۔

''اوہ محتاط، میں سمجھا پرہیز گار ہو گئے ہیں۔''

ابن زیاد کو سخت مایوسی ہوئی تھی گویا، ایسی ہی جملوں اور شوخیوں کے بیچ وہ شہر کی حسین اور خوبصورت سڑکوں پہ بے مقصد گاڑی دوڑاتے آوارہ گردی کرتے رہے اور جب رات کا ایک حصہ گزار کر واپس آئے تو پپا کی پراوڈ کا سارا پٹرول ختم ہو چکا تھا، گاڑی گھر سے چند قدم کے فاصلے پہ آ کر آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئی تو دھکا لگا کر پورٹیکو تک پہنچانے والے بھی ابن زیاد اور حسان وغیرہ ہی تھے، معاذ نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی تھی یہ کہہ کر لانگ ڈرائیو کا آئیڈیا اس کا نہیں انہی کا تھا۔

''اے اے محترمہ کدھر بھاگ رہی ہیں آپ؟'' نوریہ کو وہیں سے اتر کر نیچے گھر کا رخ کرتے دیکھ کر زیاد بلبلایا تھا۔

''جی!'' وہ حیران سی پلٹی۔

''واپس آؤ اور ہمارے لئے چائے بناؤ ابھی مزید معاذ بھائی کا سر کھائیں گے، موصوف دو سال کے لئے تو جا ہی رہے ہیں کیا پتہ یہ پروگرام لمبا ہو جائے کسی میم کے ہرے نیلے ڈیلوں یا سنہری گیسوؤں کا شکار ہو گئے تو بس ہم ترستے رہ جائیں گے ان کی شکل کو۔''

''خدا نہ کرے، اچھی بات منہ سے نکالیں زیاد بھائی! کوئی قبولیت کا وقت بھی ہوتا ہے۔'' اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ اتنے ہی بے ساختہ تھے، جتنا اندر سے اٹھنے والا احساس، ابن زیاد نے چونک کر اسے دیکھا پھر آہستگی سے مسکرایا۔

''اس کا مطلب تمہیں بھی پریناں سے ہمدردی ہے؟ وہ بھی انہیں دیکھے بنا۔''

''رشتے احساس کے ہوتے ہیں شکل صورت تو پہچان کا باعث بنا کرتا ہے۔'' وہ پتہ نہیں کیوں اداس ہو گئی تھی۔

''تمہارا ان سے ملنے کو دل کرتا ہے؟ میں نے بھی پپا سے کہا تھا ان سے ملنا چاہتا ہوں مگر مانے نہیں ہر بار اکیلے ہی جاتے ہیں وہاں، مما کو بھی ساتھ نہیں لے جاتے، شاید بھابھی خود ہم سے ملنا نہیں چاہتیں۔'' وہ الجھن اور تجسس کا شکار قیاس آرائیاں کر رہا تھا، نوریہ نے جواباً کچھ نہیں کہا اور گہرا سانس بھر کے زینب کے کمرے کی جانب بڑھ گئی، پھر ابن زیاد اور حسان نے ہی جہان اور معاذ کو ان کے کمروں سے نکالا تھا۔

''آج ہم رتجگا چاہتے ہیں۔'' یہ ان کی ڈیمانڈ تھی، جہان نے تو اعتراض نہیں کیا مگر معاذ چڑا تھا۔

''پہلے کم تھکایا ہے مجھے اب کوئی کسر باقی ہے؟ ابھی میں ہوں نا کچھ دن یہ پروگرام کسی اور دن کے لئے اٹھا رکھو۔''

''ہرگز نہیں آج ابھی اسی وقت۔'' ابن زیاد نے جس شدت جس مان اور محبت سے کہا معاذ کو اسی مان کو توڑنا مناسب نہیں لگا تھا، جبھی وہ گہرا سانس کھینچتا اس کے ساتھ ہال کمرے میں چلا آیا، جہاں ہیٹر آن تھا اور زینب ہلکے پھلکے لوازمات کے ساتھ چائے بنا لائی تھی۔

''تمہارے پیٹ ہیں یا عمر و عیار کی زنبیل جس میں کچھ بھی ڈالتے جاؤ گے فرق نہیں پڑے گا۔'' معاذ جو خود اپنی اسمارٹنس کے چکر میں ہمیشہ کھانے پینے کے معاملے میں کانشس رہا کرتا تھا انہیں پھر سے پلیٹیں بھرے دیکھ کر مذاق اڑانے لگا۔

''فکر آپ کریں اپنی باڈی آپ کی ایسی ہے کہ ذرا بے احتیاطی کی تو ریسلر صاحب کی توند نکل آئے گی ہم تو جتنا مرضی کھا لیں فرق نہیں پڑے گا۔'' جواب پھر زیاد کی طرف سے آیا تھا اور جس جلاپے میں آیا تھا اسے وہ اچھی طرح جانتا تھا جبھی کچھ کہے بغیر زور سے ہنس پڑا اور یہ ہنسی ہی زیاد کو خجالت سے دوچار کر گئی تھی۔

''میں نے سوچا ہے آج کی اس محفل کو ہم گیتوں سے سجا دیں، یادگار رات کے طور پہ، سب لوگ گانا سنائیں گے۔'' ابن زیاد نے فی الفور موضوع بدلا۔

''اور یہ کیا بات ہوئی ہمیں نہیں آتے گانے وانے۔'' سب سے زیادہ احتجاج لڑکیوں کی طرف سے ہوا تھا، جس کا زیاد نے فوراً ہی ٹکڑا توڑ جواب دیا، مختلف شادی بیاہ کی رسموں کے مواقع پہ ان کے گائے ہوئے گیتوں کا حوالہ دے کر۔

''یہ ضروری تو نہیں ہے کہ گانا ہی سنائیں۔'' زینب بسوری تھی، پھر بہت دیر یہ بحث چلتی رہی آخر اس بات پہ اتفاق ہوا جسے جو آتا ہے وہی سنا دیا جائے، آغاز حسان سے ہوا جس نے ''پری وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک پری'' گا کر اپنی جان مصیبت میں ڈال لی، ہر طرف سے اس پہ شوخ فقروں کی بوچھاڑ ہو گئی تھی۔

''کہیں تم اسی شاپ میں ٹکرانے والی لڑکی کے لئے تو نہیں گا رہے؟'' زیاد نے اسے گھورا تھا اور وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

''لاحول ولاقوۃ الا باللہ! کچھ خوف خدا کریں بھائی، ابھی میں بچہ ہوں۔'' وہ بدکا تھا، مگر اس کی جان نہیں چھوڑی گئی، وہ تو معاذ نے زیاد کو ڈانٹا تب معاملہ ٹھنڈا پڑا، حسان کے بعد حوریہ اور ماریہ نے اپنی پسند کے جنید اور ہارون کے گانے سنائے تو زیاد جو نوریہ کی باری کا منتظر تھا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، اس کا اشتیاق اور شوق کا عالم قابل دید تھا مگر نوریہ جان چھڑا رہی تھی۔

''مجھے تو اس وقت کچھ بھی یاد نہیں ہے ریئلی۔'' وہ معاذ کی موجودگی کے باعث بے حد نروس تھی۔

''یہ وعدہ خلافی اور دھاندلی ہے جو ہرگز نہیں چلے گی۔'' سب سے زیادہ احتجاج زیاد کی جانب سے ہوا اور پرزور اصرار بھی اور اسے خبر بھی نہ ہوئی یہ اس کا نوریہ کے لئے کتنا اہم خاص انداز ہے جس نے اس کے دل کا راز بہت غیر محسوس انداز میں معاذ کے ساتھ ساتھ جہان اور زینب تک منتقل کر دیا ہے زینب عجیب متضاد کیفیت کا شکار ہو گئی تھی، ادھر نوریہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے تھے، اس نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی اور معاذ کو دیکھا، بلیو جینز پہ وائیٹ کھدر کا نفیس کڑھائی والا کرتا جس کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے، ایک آستین کہنی تک فولڈ تھی، گھنیرے بال ہلکی نمی لئے اس کی کشادہ صبیح پیشانی پہ بے ترتیب بکھرے ہوئے تھے، سحر طراز بڑی بڑی خوابناک آنکھوں میں نیند کا خمار تھا، صوفے پہ ڈھیر سارے کشنز اپنے اطراف میں بکھیرے وہ ایک طرح سے نیم دراز تھا اس گھریلو حلیے میں بھی وہ اپنی ٹھٹھکا دینے والی شخصیت کے ساتھ اتنا خاص اتنا اٹریکٹو اور اچھا ہوا لگ رہا تھا کہ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی، ستم کوئی ایک نہیں تھا وہ کسی اور کا بنا دیا گیا تھا اور اب ایک طویل عرصہ بیچ میں جدائی کا در آنے والا تھا، یعنی نقصان در نقصان، اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو دلی کیفیات نے الفاظ کے پیراہن پہن لیا۔

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں
ضروری بات کہنی ہو کوئی وعدہ نبھانا ہو
اسے آواز دینی ہو اسے واپس بلانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام میں
مدد کرنی ہو اس کی یار کی ڈھارس بندھانا ہو
بہت دیرینہ رستوں پہ کسی سے ملنے جانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں.....!
بدلتے موسموں کی سیر میں دل کو لگانا ہو
کسی کو یاد رکھنا ہو کسی کو بھول جانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں.....!

کسی کو موت سے پہلے کسی دکھ سے بچانا ہو
حقیقت اور تھی اس کو جا کے بتانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں

وہ خاموش ہوئی تو فضا پہ چھایا اس کے لہجے کا سوز و حزن کا تاثر بھی جیسے چھناکے سے بکھر گیا۔

''آئندہ کے لئے سبق لو اور کسی بھی اچھے کام میں دیر مت کرنا ہرگز بھی۔'' ابن زیاد نے سرگوشی کی تھی مگر وہ جس بے خودی اور بے خبری کے ساتھ زیاں کے احساس سے دوچار تھی الفاظ اسکے پلے نہیں پڑ سکے تھے۔

''اب زینی کی باری ہے، فٹافٹ کرو، مجھے بھی اپنا دل ہلکا کرنا ہے۔'' ابن زیاد نے ایک افراتفری سی مچانا چاہی تو زینب نے منہ بنا لیا۔

''پہلے آپ ہی سنا دیں۔''

ابن زیاد کو یہ آئیڈیا بہت بھایا جبھی اجازت طلب نظروں سے حاضرین کو دیکھا اور کسی کو اعتراض اٹھاتے نہ دیکھ کر گلا کھنکار کر شوخی سے گنگنایا۔

دل گیا تم نے لیا ہم کیا کریں
جانے والی چیز کا غم کیا کریں
ہم نے مر کے ہجر میں پائی شفا
ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں
کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں
دم نکلتا ہے وہ ہمدم کیا کریں
دل نے سیکھا شکوہ بیگانگی
ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں
تند خو ہے کب سنے وہ دل کی بات
اور بھی برہم کو برہم کیا کریں
آئینہ ہے اور وہ ہیں دیکھیے
فیصلہ دونوں پہ باہم کیا کریں
کہتے ہیں اہل سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت ہے بری ہم کیا کریں

وہ باقاعدہ ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا، معاذ کی ہنسی نکل گئی۔

''ایک دوسرے سے سبق سیکھو تم وقت برباد مت کرو اور تم ذرا دھیرے چلو، بہت افاقہ ہوگا۔'' اس نے مخصوص ڈاکٹرانہ انداز میں مشورہ دیا تھا۔

''تھینکس فار ایڈوائز اب محترمہ زینی صاحبہ آپ شروع ہو جائیں۔'' زیاد نے پہلے معاذ پھر زینب کو مخاطب کیا، زینب جو کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر گہرا سانس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھرا۔

"دیکھیں بھئی مجھے بہت زیادہ شاعری وغیرہ یاد نہیں رہتی بہت ذہن کو کنگالا تو یہ ایک غزل کے چند اشعار یاد آ گئے اب یہ لازماً نہیں کہ تم لوگوں کی طرح حسب حال سناؤں۔" وہ جانے کسے جتلا رہی تھی، زیاد نے اسے ہاتھ سے ہی سنانے کا اشارہ کیا وہ جانے کیوں مسکرائی تھی اور یونہی بے سبب جہان کی جانب دیکھا جو کچھ سنجیدہ تھا اور سر جھکائے کسی سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

کہتے ہیں اسے شہر کے سب لوگ مسیحا
وہ شخص میرے درد سے انجان سا کیوں ہے
بے عدل ہی ہوتی رہی یہاں پیار کی تقسیم
اس ملک میں پیار کا فقدان سا کیوں ہے
اظہار کے بعد بھی وہ مجھ کو میسر نہیں تو پھر
سینے میں اس سے پیار کا طوفان سا کیوں ہے

ایک نگاہ ڈال لینے کے بعد وہ دانستہ جہان کو اگنور کر رہی تھی، پہلے وضاحت دینے کا مقصد ہی اس کو چونکانا اس کی توجہ حاصل کرنا تھا، جس میں اسے کامیابی بہر حال حاصل ہوئی تھی جہان کی نگاہ کا گاہے بگاہے اس کی جانب اٹھنا ایک اضطراب اور الجھن لئے اسے مسکراہٹ بخش رہا تھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے جا رہا ہوں۔"

وہ جیسے ہی چپ ہوئی، معاذ جمائیاں لیتا ہوا اٹھا تھا ابن زیاد نے ہڑبڑا کر اس کا ہاتھ دبوچ لیا، جبکہ اس اچانک اٹھ کھڑے ہونے والے ہنگامے پہ جہان جیسے کسی ٹرانس سے باہر آیا تب بھی انداز کھویا کھویا سا تھا۔

"ہرگز نہیں آپ کی باری آئی تو بہانے شروع ہو گئے، آپ کو یاد ہو تو آپ کے اعزاز میں ہی یہ محفل سجی تھی۔" ابن زیاد کا انداز صرف احتجاجی نہیں ہٹیلا اور غصیلا بھی تھا۔

"بلیومی یار میں اس وقت اتنا تھکا ہوا ہوں کہ تمہیں تھینکس کہنے کی بھی ہمت نہیں، کل کہہ دوں گا۔" وہ ایک اور جمائی لیتا ہوا بے زاری سے بولا، باقی سب خاموش تھے۔

"یہ تھینکس آپ ساری زندگی بھی نہ کہیں گے تو مجھے شکوہ نہیں ہوگا، آپ بس ہمیں کچھ بہت اچھا سا سنا دیں۔" ابن زیاد کا ایک ہی تقاضا جو ضد بننے جا رہا تھا۔

"یار میں اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہوں رئیلی۔" وہ اب کے جھنجھلایا تھا، مگر ابن زیاد پہ اثر ہونے والا نہیں تھا۔

"آپ بیٹھیں میں آپ کو اسٹرانگ چائے پلواتا ہوں، بہر حال ایسے آپ کی جان نہیں چھٹے گی، جاؤ نوریہ تم چائے بنا لاؤ۔" اس نے معاذ کو اپنے پہلو میں کھینچتے ہوئے نوریہ کو حکم دیا تو وہ بے دلی سے اٹھی تھی۔

"ان کی بیٹری چارج ہونے تک آپ کچھ سنائیں بھائی۔" ابن زیاد جہان کے سر ہوا تو وہ بوکھلا گیا تھا۔

"مم..... میں کیا سناؤں، مجھے کہاں کچھ آتا ہے۔"

"اب منتیں نہیں کروں گا میں، بڑے بڑے انکشاف ہوئے ہیں آپ کے بارے میں، میں فاش نہیں کرنا چاہتا بس مطالبہ پورا کر دیں۔" وہ باقاعدہ دھمکی پہ اتر آیا جہان اسے گھورتا ہوا ہنس پڑا تھا۔

"بکو مت۔"

"نہیں بکتا بس آپ سنائیں۔" وہ ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا تو جہان خاموش ہو کر جیسے خود کو تیار کرنے لگا۔

نہ میں پاس اس کو بلا سکا نہ میں دل کی بات سنا سکا
وہ ہنسی ہنسی میں ہی چل دیا نہ میں ہاتھ اس کو ہلا سکا
نہ ہے دشمنی کسی دن سے نہ ہے دوستی کسی رات سے
ہے بچا ہی کیا جو وہ لے گیا مجھے چھین کر میری ذات سے
یہ مقام ہی تھا عجیب سا کہ میں خود کو بھی نہ بچا سکا
نہ میں اس کو پاس بلا سکا نہ میں دل کی بات سنا سکا

اس کی آواز نے حقیقتاً سماں باندھ دیا تھا، زینب پوری آنکھیں وا کیے اس کے ایک خاص انداز میں ہلتے ہونٹوں کی جنبش کو دیکھتی رہی، وہ اب بھی محتاط تھا یا بے خبر تھا، وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا مگر وہ خود کو اس کی ذات اور آواز کے سحر میں جکڑا ہوا محسوس کرنے لگی، چاہے یہ احساس یک طرفہ ہی سہی مگر یہ سچ تھا وہ اس پل مکمل طور پہ اسے ہی سوچ رہی تھی۔

یہ بھی ٹھیک ہے وہ چلا گیا مجھے بند رستے پہ چھوڑ کر
یہ بھی ٹھیک ہے وہ نہ آئے گا کبھی بت انا کا توڑ کر
وہ جدا بھی ایسے ہوا کہ میں کوئی رسم تک نہ نبھا سکا
نہ پاس اس کو میں بلا سکا نہ وہ دل کی بات سنا سکا

اس کے خاموش ہونے سے بھی پہلے ابن زیاد اور معاذ نے زور دار تالیوں سے اسے بھرپور داد دی تھی معاذ حسن کی نیند اڑ گئی تھی اور وہ بہت خوشگوار حیرت میں مبتلا مسکرا کر جہان کو دیکھ رہا تھا۔

"تم اتنا اچھا گاتے ہو جے یہ میرے لئے انکشاف ہی ہے، ویلڈن یار!" اور جہان اتنی بھرپور تعریف پہ جھینپ گیا تھا۔

"میں پھر تم سے پوچھوں گا وہ کون ہیں محترمہ؟"

"یار یہ محض ایک غزل تھی۔" جہان گڑبڑانے لگا۔

"اگر اس میں تمہارے جذبوں کا رنگ نہ چھلکا ہوتا تو لازمی مان جاتے، آخری یہ پردہ داری کیوں؟" معاذ کو کریدلگ گئی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے تم بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔" جہان نے ہاتھوں کے پیالے میں چہرا چھپائے اپنی جانب متوجہ زینب پہ ایک نگاہ ڈال کر بھرپور تردید کی، تب ہی نوریہ چائے بنا لائی تھی، چائے کے دوران وہ لوگ اسی بحث کا شکار رہے جس سے جہان عاجز اور زینب لطف اندوز ہو رہی تھی، وہ دل سے خواہاں تھی جہان کے دل کا راز طشت از بام ہو مگر وہ چکنا گھڑا ثابت ہو رہا تھا پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بحث سے انہی لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔

''آپ تیار رہیں بھائی؟'' ابن زیاد ہار مان کر معاذ کی سمت متوجہ ہوا تو اسے جواباً شرارت سوجھ گئی تھی۔

''ہاں سونے کو۔''

''آپ کی نیند کی ایسی کی تیسی۔'' زیاد نے آنکھیں نکالیں تو وہ ہنستا چلا گیا۔

''بھائی آپ مکر نہیں سکتے ہیں۔'' ابن زیاد کے ساتھ زینب ماریہ حوریہ بھی مل گئیں۔

''ارے نئیں یار میں سناتا ہوں، راحت کا گانا بہت پسند آرہا ہے مجھے اتنی بار سنا کہ یاد ہو کر رہ گیا۔''

''راحت، واؤ اس کے تو سبھی گانے مزے کے ہوتے ہیں۔'' حوریہ چہکی۔

''خیر سبھی تو نہیں مگر یہ واقعی اچھا ہے۔'' معاذ نے نفی کی تھی پھر گلا کھنکار کر قدرے شوخی سے بولا۔

''آئی تھینک میرا گانا اور میری آواز اس محفل کی تمام رعنائی لوٹ لے گی۔'' اپنی تعریف پہ وہ خود ہی گردن اکڑا کر گویا خود کو داد دینے کے بعد باقاعدہ شروع ہوا تھا۔

سریلی اکھیوں والے سنا ہے
تیری اکھیوں سے بہتی ہیں
نیندیں اور نیندوں میں سپنے

''مما نے بتائی ہوگی یہ راز کی باتیں۔'' ابن زیاد، زینب کے کان میں گھسا اور ہنسنے لگا۔

وہ اکثر و بیشتر اسے سنتے رہتے تھے اور اس کی آواز کے جادو کے معترف بھی تھے مگر اب اس سے رات کے ان فسوں خیز لمحوں میں اس کی آواز کا سحر گویا کچھ اور بھی بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، وہ سب باقاعدہ جھومنے لگے، نوریہ ساکن بیٹھی تھی، مدہوش اور بے خبر سی۔

جانے تو کہاں ہے

''گرلز ہاسٹل! مجھ سے پوچھ لیں۔'' ابن زیاد پھر ٹکڑا لگایا اور منہ چھپا کر کھی کھی کرنے لگا، جبکہ وہ مگن انداز میں گا رہا تھا۔

جانے تو کہاں ہے اڑتی ہوا یہ تیرے پیروں کے نشاں دیکھے
ڈھونڈا ہے زمین پر جانا ہے فلک پہ سارے آسماں دیکھے

''اتنے جتن کی کیا ضرورت ہے کہا نا گرلز ہاسٹل کا رخ کریں۔'' ابن زیاد کو مسلسل شرارت سوجھ رہی تھی اب کے زینب نے اسے گھورا تھا۔

''چپ کریں بھائی!''

ابن زیاد نے دیکھا جہان بھی زیر لب مسلسل گنگنا رہا تھا اور خلاف توقع آج اپنی اس مخصوص قسم کی سنجیدگی کے حصار سے باہر تھا، وہ مسکرا دیا۔

وہ خاموش ہو گیا اور خشک ہو جانے والے گلے کو تر کرنے کی غرض سے گلاس میں پانی انڈیل کر منہ سے لگاتے نگاہ ان کی جانب اٹھی تو ایکدم سے کھلکھلا کر ہنس پڑا، وہ سبھی ابھی تک جیسے کسی

ٹرانس میں تھے، اس کی ہنسی پہ چونکے اور خفیف ہو کر خود بھی دانت نکالنے لگے۔

''دیکھا یہ تھا میری آواز کا چھایا ہوا سحر جس میں تم لوگ گرفتار ہو گئے تھے۔'' اسے گویا اپنی تعریفوں کا پھر موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

''رئیلی امیزنگ بھائی! آپ تو راحت سے بھی کہیں زیادہ اچھا گاتے ہیں اگر اس کے مقابلے پہ گائیں تو راحت کو قسم سے کوئی بھی نہ پوچھے گا آپ اس کی ویلیو ڈاؤن کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔'' ابن زیاد نے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تو زینب نے بھی تائید بھی سر ہلایا تھا۔

''اب اتنی بھی تعریفیں نہ کرو کہیں دماغ گھومے اور موصوف اسپیشلائیشن کو خیر آباد کہہ کر سنگنگ میں نام کمانے کی طبع آزمائی شروع کر دیں۔'' جہان کے ٹوکنے پہ معاذ نے اسے گھورا۔

''خیر اب ایسی بھی بات نہیں پاگل ہوں میں کہ گویا بن بیٹھوں مجھے یہ فیلڈ بالکل پسند نہیں۔'' ناک چڑھا کر کہتا وہ جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اب اجازت ہے جا سکتا ہوں سونے؟'' اس نے ابن زیاد کو اجازت طلب نظروں سے دیکھا تو ابن زیاد نے شان استغنا سے سر ہلا دیا وہ اسے گھورتا ہوا پلٹا تھا۔

''رات بہت ہو گئی ہے میرا خیال ہے تو دونوں اب یہاں ہی سو جاؤ۔'' زینب نے حوریہ اور نوریہ کو مخاطب کیا جو جانے کی تیاری میں تھیں۔

''نہیں مما اکیلی ہوں گی۔''

''اچھا جی آپ انہیں چھوڑ آئیں پھر۔''

''بھائی کیوں؟ میں مر گیا ہوں کیا؟ اس کام کو کر سکتا ہوں۔'' ابن زیاد نے کلس کر کہا اور اپنی خدمات کچھ ایسے انداز میں پیش کی کہ جہان کی ہنسی نکل گئی، ان تینوں کے جانے کے بعد جہان اپنا سیل فون اٹھائے سیدھا ہوا تو زینب کو سینے پہ ہاتھ لپیٹے اپنی سمت متوجہ پایا تھا جہان اس کی نگاہوں کے ان گنت سوالوں کو پا کر بے اختیار نظر چرا گیا۔

''آپ بہت خوش ہیں آج وجہ پوچھ سکتی ہوں۔'' اس کا خدشہ صحیح ثابت ہوا تھا وہ اسے گھیر چکی تھی۔

''خوشی کے لئے کسی وجہ کا ہونا ضروری تو نہیں۔''

''ضروری ہے، یہ الگ بات کہ آپ کسی کو بتانا نہ چاہیں۔'' وہ ناک چڑھا کر نخوت سے بولی۔

''اگر میں کہوں ایسا ہے تو.....؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا اور اس ایک لمحے کی اس کی اس نگاہ نے زینب کے اندر کی دنیا زیروزبر کر ڈالی تھی، مگر اس سے گہرا احساس توہین کا تھا جو اس کا چہرا سلگا گیا۔

''وہ ضرور کوئی ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں، مجھے بتائیں کون ہے وہ؟'' اس کے لہجے میں انداز میں ہٹ دھرمی تھی زور زبردستی تھی، اس استحقاق بھرے انداز نے جہان کے دل میں ہلچل سی مچا ڈالی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کس برتے پہ؟'' وہ پھر اس انا کے خول میں سمٹ کر سرد نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔
''میں نے کہا نا میں آپ کی ہیلپ کروں گی۔'' اس نے جیسے لالچ دیا، وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔
''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''
''کیا وہ آپ کو پسند نہیں کرتی، یا پھر چھوڑ کر چلی گئی ہے؟''
''تم اپنے قیاس اپنے پاس رکھو سمجھیں۔'' وہ ڈانٹ کر بولا اور دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے، یہ توہین تھی سراسر تو ہیں وہ اپنا جلتا چہرا لئے مٹھیاں بھینچے کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی یہاں تک کہ حوریہ نوریہ کو چھوڑ کر آتا ابن زیاد لائٹ آن دیکھ کر پھر وہاں آیا تھا اسے وہاں بت کی طرح ساکن دیکھ کر چونکا۔
''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ اپنے کمرے میں رات بہت ہوگئی ہے۔'' وہ ڈانٹ کر بولا تو زینب نے لائٹ آف کی تھی اور اپنے کمرے کی جانب جاتے اسے جتنی بھی گالیاں یاد تھیں اس نے کوئی دس بار انہیں جہان کے نام کیا تھا مگر دل میں لگی آگ پھر بھی نہیں بجھی تھی۔

☆☆☆

جب شام کے سائے ڈھلتے ہوں
کچھ پنچھی قطار میں اڑتے ہیں
کچھ رستہ کٹھن ہو ویسے بھی
کچھ دور افق پہ منزل ہو
اک پنچھی گھائل ہو جائے اور بے دم ہو کر گر جائے
تو رشتے ناطے پیارے سبھی
کب اس کی خاطر رکتے ہیں
اس دنیا کی ہے ریت یہی
جب ساتھ چلو تو ساتھ بہت
جو رک جاؤ تو تنہا ہو

وہ معمول سے کچھ زیادہ اداس تھی، اداسی کی وجہ جو بھی ہو اس کا دل پڑھائی میں بھی نہیں لگ رہا تھا، جبھی کتابیں بند کیں اور آ کے بالکنی میں کھڑ ہو کر سڑک پہ رواں ٹریفک دیکھنے لگی، یہ شام کا وقت تھا اور آسمان پہ بادل چھاتے جا رہے تھے، اس کے دائیں بائیں بھی کمرے تھے بلکہ بائیں جانب ڈائننگ ہال اور اس سے پرے کچن تھا کچن میں خانساماں کے یہ کھانا بنانے کا ٹائم تھا فضا میں ٹریفک کے شور لڑکیوں کی ملی جلی آوازوں کے ساتھ برتنوں کی کھنک بھی شامل تھی، چند دن تھے پھر سرما کی تعطیل شروع ہو جاتیں اس سوچ نے اسے کئی دنوں سے اپ سیٹ کیا ہوا تھا، اب ددا نہیں تھے، ملازمہ کو بھی حویلی سے فارغ کر کے شاید ہمیشہ کو لاک کر دیا گیا تھا، اب وہ کہاں جاتی؟ اتنا بڑا سوالیہ نشان تھا جس نے لحہ لحہ اس کا اضطراب بڑھایا تھا، اسے لاشعوری طور پہ پپا کے اگلے فیصلے کا انتظار تھا مگر پپا تو شاید اسے بھول ہی بیٹھے تھے، ایک ہفتہ کیا دوسرا ہفتہ بھی ہونے کو آ رہا تھا مگر وہ پھر لوٹ کر نہیں آئے تھے، اس کے پاس ان کا ہی نہیں گھر کا ان کے آفس کا بھی نمبر تھا مگر وہ

خود سے کانیکٹ کرنا نہیں چاہتی تھی، ددا کے ایک جذباتی فیصلے نے اس کی زندگی میں کتنے وسوسے کتنے سوالیہ نشان چھوڑ دیئے تھے، اس روز وہ ثنا کی ضد پہ اس کے لئے کپڑے خریدنے ساتھ گئی تھی مگر پہلے ہی مقام پہ اس کا سامنا غیر متوقع طور پہ معاذ حسن سے ہو گیا تھا، پینٹ کوٹ میں اپنی بے حد نمایاں ہوتی ہائیٹ اور غضب کی اسمارٹنس کے ساتھ پہلی مرتبہ اسے پوری طرح دیکھ کر اسے اندازہ ہوا تھا وہ کتنا شاندار اور امپریسو نظر آتا ہے، اس سامنے سے جیسے اس کے وہ تمام زخم تازہ کر دیئے تھے، وہ ہرگز بھی اس اذیت انگیز تاثر کو دیرپا نہیں کرنا چاہتی تھی، جبھی الٹے قدموں وہاں سے بھاگی تھی، ثنا اس کی اس حرکت پہ کتنا الجھی تھی اس سے۔
''پاگل تو نہیں ہو گئی ہو تم پری! ایکدم سے آخر تمہیں ہوا کیا؟ وہ بندہ جسے تم دیکھ کر بدکیں اگر اتنا گڈ لکنگ اور اسمارٹ نہ ہوتا تو میں سمجھتی تم ڈر گئی ہو، وجہ کیا ہے صاف کہو؟'' اور وہ اسے ٹال ٹال کر ہارنے لگی تھی۔
''رئیلی یار میں تو حیران رہ گئی، اف اتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ بندہ کم از کم میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا، میں تو سمجھی تھی تم ہی حسین ہو مگر اب مجھے اندازہ ہوا دنیا حسن سے بھری پڑی ہے۔''
وہ باقاعدہ اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھی، پریاں کا دل جل کر خاک ہوتا رہا تھا۔
''کتنی پریٹی تھی نا وہ لڑکی جو اس کے ساتھ کھڑی تھی، پتہ نہیں بیوی تھی یا کزن وغیرہ، تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ اس کی رائے لینے کھڑی ہو گئی، اس کا جھلاہٹ سے برا حال ہو گیا۔
''مجھے کیا پتہ، مجھ سے تو ایسے سوال کر رہی ہو جیسے میں ان کے پڑوس میں آباد ہوں نا۔''
''جس طرح تم اسے دیکھ کر بدکیں امکان تو اس سے بھی کچھ آگے کا ہی ہے۔'' ثنا کے جواب نے اسے خائف کر دیا تھا، جبھی اس نے ہونٹ سی لیے تھے، ثنا اس سے اگلے کئی دن بھی اسی موضوع کو بار بار چھیڑتی رہی اور وہ خاص طور پہ کان لپیٹ لیتی۔
''واؤ، کتنا اچھا موسم ہو گیا ہے نا ایکدم۔'' وہ سوچوں میں کچھ ایسی گم ہوئی تھی کب بارش شروع ہوئی، وہ جان ہی نہ پائی، اس نے گردن موڑ کر دیکھا کئی لڑکیاں اپنے کمروں سے نکل کر بالکونی میں آ کھڑی ہوئی تھیں اور بارش انجوائے کر رہی تھیں۔
''اگر میری گاڑی ہوتی تو ایسے موسم میں لانگ ڈرائیو میں چلی جاتی۔''
''یار صرف لانگ ڈرائیو کا خالی خولی مزا نہیں آتا ساتھ میں حسین سا ساتھی بھی تو ہونا چاہیے، وہ بھی صنف مخالف میں سے۔''
لڑکیوں کی مخصوص چہلیں شروع ہو چکی تھیں پریاں پلٹ کر کمرے میں آ گئی تو ثنا کو بستر میں گھسے چھینکتے پایا۔
''افوہ زکام۔''
''ہاں یار موسم کا اثر، اگر تمہارے پاس جوشاندہ ہے تو مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔''
''تھا تو میں دیکھتی ہوں، پین کلر بھی لے لینا کہیں طبیعت زیادہ نہ بگڑ جائے۔'' وہ اپنا بیگ کھنگال کر نصیحت کر رہی تھی، ثنا نے محض سر ہلا دیا، اس نے ثنا کو چائے کے ساتھ پین کلر دیں تو وہ بے حد ممنون ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''خدا تمہیں بہت ہینڈسم سا دولہا دے آمین۔'' اس کی آنکھوں میں شوخی تھی، مگر پریشاں کا چہرا دھواں دھواں ہو گیا تھا، کچھ کہے بنا وہ رخ پھیرے تیزی سے باہر نکل گئی، لڑکیوں نے بالکونی میں ایک طوفان اٹھایا ہوا تھا مگر وہ کمرے میں جانا نہیں چاہتی تھی جبھی ایک کونے میں سمٹ کر کھڑی ہو گئی۔

ثنا انجانے میں اس کے زخموں کے ٹانکے ادھیڑ گئی تھی وہ اسی کرب سے جانے کتنی دیر گزرتی رہی تھی جب ثنا جھنجھلائی ہوئی اس کا مسلسل بجتا سیل اٹھاتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی۔

''ایک تو تمہیں ایک جگہ پہ چین نہیں ہے یہ پکڑو تمہارا فون ہے۔'' پریشاں نے سیل فون تھاما تو اسی پل میوزک بند ہو گیا، اسکرین پہ تاریک ندی کا منظر تھا جس پہ بڑا سا ریسور ڈول رہا تھا اوپر مسڈ کال کے الفاظ چمک رہے تھے، اس نے بے دلی سے سیل سویٹر کی جیب میں ڈالا مگر اسی پل پھر بیل زور و شور سے بجنے لگی، وہ سخت کوفت کا شکار ہو گئی، کچھ دیر کی بے اعتنائی اور بے حسی کے مظاہرے کے بعد اس نے اکتائے ہوئے انداز میں سویٹر کی جیب مین ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا، کال پپا کی تھی وہ چونکہ ان کی طرف سے کچھ شاکی تھی جبھی منجمد نظروں سے اسکرین پہ بلنک کرتے ان کے نام کو گھورتی رہی، پھر گہرا سانس بھر کے کال پک کر لی تھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام بیٹے خیریت کہاں تھی آپ؟ میں تو پریشان ہو گیا تھا، مسلسل فون کر رہا ہوں۔''

''سوری میں باہر تھی۔'' اس نے مختصر جواب میں کام نپٹایا۔

''او کے، کیسی ہو آپ بیٹا!''

''فائن!'' ایک بار پھر مختصر جواب تھا دوسری جانب کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی۔

''طبیعت ٹھیک ہے بیٹا جانی!''

''جی!'' وہ ہنوز اکتاہٹ میں مبتلا تھی۔

''اور موڈ.....؟'' دوسری جانب وہ یقیناً کچھ کھٹک گئے تھے، وہ ذرا سنبھلی۔

''جی پپا! ٹھیک ہے سب۔''

''مگر مجھے کیوں لگ رہا ہے میری بیٹی مجھ سے کچھ خفا ہے۔'' اسے لگا وہ مسکرائے ہوں، وہ ایکدم خفت زدہ ہو گئی۔

''سوری بیٹے میں اپ سے غافل نہیں ہوا تھا بس دانستہ تجاہل برت رہا تھا خواہش تھی میری بیٹی خود مجھے یاد کرے مجھے پکارے مگر.....'' ان کی وضاحت ان کے شکوے نے اسے عرق ندامت میں ڈبو دیا، وہ کیا کچھ نہ سوچ چکی تھی۔

''سوری پپا ایکچوئلی میں اسٹڈی میں بزی تھی۔'' وہ یہی کہہ سکی۔

''میں ایک دو دنوں میں آپ کو لینے آؤں گا، یہ بتائیں آپ کو چھٹیاں کب ہو رہی ہیں ونٹر سیزن کی یہاں تو ایک سے بڑھ کر ایک مشتاق ہے آپ سے ملنے کو مگر میں نے منع کر دیا یہ کہہ کر کہ ہم اپنی بیٹی کو یہاں لے آئیں گے، آئی نو بیٹے آپ نے اس نئے تعلق اور رشتے کے متعلق وہاں کچھ شو نہیں کیا، جبھی میں نے کسی کو وہاں آنے کی اجازت نہیں دی۔''

''تھینکس پاپا مگر میں وہاں.....''

''ڈونٹ وری بیٹے مگر ان چند دنوں میں معاذ چلا جائے گا، اسٹڈی کے لئے انگلینڈ.....'' اور وہ اسی ایک بات میں اٹک گئی تھی، مزید ڈھنگ سے نہ کچھ کہہ سکی نہ سن سکی، پپا نے شاید اس کی غائب دماغی کو محسوس کر لیا تھا جبھی بات مختصر کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

(جا رہے ہیں باہر..... اور میں.....؟ میرے لئے کیا فیصلہ کیا، کیا میں ساری عمر یونہی خالی ہاتھ رہوں گی؟) کتنی دیر تک وہ گم صم کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

بہت تکلیف دیتا ہے کسی کو الوداع کہنا
دکھائی کچھ نہیں دیتا سنائی کچھ نہیں دیتا
فقط کچھ کپکپاتے لفظ جو ہونٹوں پر ٹھہر جائیں
ابھرتی ڈوبتی دھڑکن اسے آواز دیتی ہے
کوئی اپنا کہ جس کا نام اپنے دل پہ لکھا ہو
کہ جس کے واسطے دل سے دعائیں ہی نکلتی ہوں
بہت تکلیف دیتا ہے اس کو الوداع کہنا
جسے دل میں بسایا ہو بڑے ہی مان سے جس کو
کبھی اپنا بنایا ہو
بہت تکلیف دیتا ہے اس کو الوداع کہنا

وہ زینب کو اسی نظم کی عملی تفسیر نظر آ رہی تھی، تمام تر بہادری اور لاتعلقی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود وہ جانے کتنی مرتبہ چپکے چپکے روئی تھی کہ آنکھیں اس گریہ وزاری کی چغلی کھا رہی تھیں، آج معاذ کی فلائیٹ تھی اور وہ صبح سے بہانے بہانے جانے کتنے چکر لگا چکی تھی شاہ ہاؤس کے۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' معاذ حسن کے سوال نے اسے بوکھلا دیا۔

''جج..... جی..... جی مجھے کیا ہونا ہے۔'' وہ خواہ مخواہ ہنسی اس طرح کہ اسے ہنسی تو کہا ہی نہ جا سکتا تھا۔

''لگتا ہے کوئی اہم شے کھو گئی ہے، بے قراری سی نظر آتی ہے تمہاری آنکھوں میں۔'' ابن زیاد بھی اسے غور سے دیکھ رہا تھا، وہ لرز اٹھی اب تو ہرگز بھی عیاں ہونا نہیں چاہتی تھی جبھی الٹا سیدھا جواب دے کر وہاں سے بھاگ لی تھی۔

''مما سب کچھ دھیان سے رکھیے گا، میری کوئی چیز یہاں نہ رہ جائے۔'' معاذ نے مما کو مخاطب کیا تھا، مگر شرارت ابن زیاد کو سوجھ گئی تھی۔

''سب سے اہم چیز تو یہیں چھوڑے جا رہے ہیں بھائی۔''

''کیا..... کیا؟ جلدی بولو مما ابھی بیگ میں رکھ دیں گی۔'' وہ شیو بنا رہا تھا یونہی مصروف رہ کر بولا تو زیاد کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''وہ بیگ میں رکھنے والی چیز نہیں ہے میں بھابھی کی بات کر رہا ہوں۔'' معاذ کی پیشانی پہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برہمی اور ناگواری کا تاثر ابھرا البتہ کچھ کہنے کی بجائے اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

"اتنے لمبے عرصے کے لئے جا رہے ہیں، کوئی میسج نہیں دیں گے ان کے لئے؟" وہ شرارت کو طول دے رہا تھا معاذ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"سمجھ دار کو اشارہ کافی ہوتا ہے، اگر میں نے ان ایک ڈیڑھ ماہ میں اسے ملنا گوارا نہیں کیا تو اس کا مطلب اس کی میرے نزدیک ذرا برابر بھی اہمیت نہیں ہے، اگر کبھی تمہاری اس سے ملاقات ہو جائے تو اسے کہہ دینا میرا انتظار لاحاصل ہوگا، بہتر ہوگا وہ اپنے لئے کوئی مناسب فیصلہ کر لے۔" اس نے خود پرسکون رکھتے ہوئے بھی اپنے آس پاس جتنے بھی لوگ تھے انہیں گہرے صدمے اور اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا، سب سے زیادہ تکلیف مما کو ہوئی تھی۔

"آپ اتنے بے حس تو کبھی نہیں تھے معاذ بیٹے! جب اپنے پپا کو معاف کر دیا ہے تو وہ تو سرے سے بے قصور ہے۔"

"مجھے آپ کی بات سے ہرگز اختلاف نہیں ہے مما، مگر میں اس سے کسی قسم کی ہمدردی دکھا کر عمر بھر کی مصیبت کا روگ گلے میں ڈالنے کا ہرگز قائل نہیں ہوں۔" اس نے دوٹوک اور قطعی انداز میں جتلایا تو مما کی آنکھیں چھلک گئی تھیں۔

"آپ مجھے بہت دکھ دے رہے ہو بیٹے بہت زیادہ۔" ان کے آنسو دیکھ کر وہ پگھلا تھا اور ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔

"مجھے معاف کر دیں مما آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں، پپا کی اس دھونس زبردستی نے میرے اندر بہت سارا غصہ بغض اور نفرت کو بھر دیا ہے میں بے بس ہوں مما!" وہ بہت لاچاری سے کہہ رہا تھا، مما کو خاموش ہونا پڑا اور جب وہ سب سے مل کر ڈیپارچ لاؤنج کی سمت بڑھ رہا تھا جانے کس خیال کے تحت جہان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جے میں نے تم سے کہا تھا نا میں تمہارے دل کی بات کو پالوں گا۔"

"کیا مطلب؟" جہان کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"تم مجھے ہمیشہ بہت عزیز رہے ہو جے مگر جب تم زینی کو اپنے ساتھ بہت ساری خوشیاں دو گے تو یہ محبت اور بھی گہری ہو جائے گی، بیسٹ آف لک مجھے خوشی ہے کہ پپا کا فیصلہ صرف ان کا نہیں تمہارے اپنے دل کا بھی فیصلہ ہے۔" اس کے لبوں پہ بہت دل آویز مسکراہٹ تھی، مگر جہان سن کھڑا تھا۔

"شادی کی جلدی مچانے کی ضرورت نہیں میری واپسی تک اس کام کو رکنا چاہیے اس لئے بھی کہ صرف زینی کے لئے ہی نہیں میرے دل میں اپنے سب سے پیارے دوست کے حوالے سے بھی بہت ارمان ہیں۔" وہ اس کے بال بکھیر کر ہنسا اور پھر پلٹ کر قدم بڑھاتا دور ہوتا چلا گیا، جہان ہنوز شاکڈ تھا۔

☆☆☆

کوئی تو ہوتا میں جس کے دل کی کتاب بنتا
میں جس کی چاہت کا خواب بنتا

میں ہجر کے موسم کی لمبی راتوں میں یاد بن کے عذاب بنتا
کوئی تو ہوتا جو میری خواہش میں اٹھ کے
راتوں کو خوب روتا
دکھوں کی چادر لپیٹ کر ہجوم میں دنیا سے دور ہوتا
میں روٹھ جاتا تو منانا مجھ کو کہ چاہے میرا قصور ہوتا
کوئی تو ہوتا میں جس کے اتنا قریب ہوتا
نہ پاس کوئی رقیب ہوتا میں تنہا اس کا حبیب ہوتا
یہ سلسلہ بھی عجیب ہوتا
کوئی تو ہوتا

اس نے لاشعوری طور پہ اس نظم کو لکھا تھا اور اس کیفیت سے نکل کر جب الفاظ پہ غور کیا تو ٹپ ٹپ کتنے آنسو بہتے چلے گئے، اسکا دل اتنا بھرایا تھا کہ حد نہیں خوش فہمی کا انت تھا کوئی وہ چاہتی تھی جانے سے قبل وہ ایک بار اس کے پاس آتا، اس سے ملتا ہاں یہ وہ خواہش تھی جس سے اس نے خود ہمیشہ نگاہ چرائی تھی، وہ ایسی ہی انا پرست تھی مگر کہاں تھی انا پرست اس بندے کی اتنی کڑی سخت سست سن کر بھی وہ ہر رات اس کی وجہ سے اپنا تکیہ بھگویا کرتی تھی اس کی بے حسی لاتعلقی بے نیازی پہ، مگر کیا ہوا تھا کیا ملا تھا، وہ چلا گیا تھا، اس پہ اس کی اوقات بہت اچھی طرح سے واضح کر کے اس کے روم روم میں جیسے ناقدری بے مائیگی اور توہین کے احساس نے ہبول اگا دیئے تھے، آج وہ خود سے ہار گئی تھی بلکہ اپنی اس لاشعوری خواہش سے بھی شرمندہ ہو گئی تھی، اس امید سے خفت زدہ تھی جو اس نے باندھ لی تھی، آج چھٹیاں ہو گئی تھیں لڑکیاں جوش و خروش سے اپنے گھروں کو جا رہی تھیں ثنا بھی جا چکی تھی، وہ کہاں جاتی اس کا تو کوئی بھی ٹھکانہ نہیں رہا تھا، بے دلی مایوسی اور دکھ کے احساس نے اسے اتنا نڈھال کیا کہ وہ آ کے بستر پہ لیٹ گئی۔

"پرنیاں حسیب میم پوچھ رہی ہیں آپ کے گھر سے ابھی تک کوئی آپ کو لینے کیوں نہیں آیا؟" وارڈن کی ملازمہ اس کے سامنے کھڑی تھی، وہ ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"مجھے نہیں پتہ۔"

"آپ کال کر کے پوچھیں نا۔" وہ ذرا جھنجھلائی تھی۔

"نمبر بند ہے۔" اس نے جان چھڑا لی اور کروٹ بدل کر لیٹ گی، ابھی لیٹے ہوئے پانچ منٹ ہی ہوئے تھے جب وہ پھر سر پہ آ سوار ہوئی۔

"اب اگر کوئی مجھے لینے نہیں آ رہا تو کیا وارڈن مجھے میرے سامان سمیت سڑک پہ بٹھا دیں گی؟" وہ اتنا جھلائی کہ چیخ پڑی، ملازمہ مسکرا دی۔

"نہیں جی آپ غلط سمجھیں، آپ کے انکل آ گئے ہیں آپ کو لینے۔" اس اطلاع نے بجائے پرسکون کرنے کے اس کے طیش کو بڑھا دیا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور پیروں میں سلیپر اڑستی راہداری عبور کر کے سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی اور وزیٹنگ روم میں آ گئی۔

"السلام علیکم! سوری بیٹے میں کچھ لیٹ ہو گیا آپ کو پریشانی تو ہوئی ہوگی۔" پپا کا انداز بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حد معذرت خواہانہ تھا، وہ ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔

"آپ نے اپنی تیاری کر لی؟"

"کہاں کی؟" وہ تحی سے استفہامی لہجے میں بولی تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بیٹے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ آپ شاہ ہاؤس....."

"مگر مجھے وہاں نہیں جانا، جس شخص کی موجودگی میں، میں وہاں نہیں جا سکتی جبکہ اسی کے ساتھ میرا اصل تعلق بھی ہے تو اس کے بعد وہاں جانے کا جواز بالکل ختم ہو جاتا ہے، مجھے اپنی تحقیر کسی صورت بھی گوارا نہیں۔"

جانے کب کب کا لاوا تھا جو بہہ نکلا تھا اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا وہ کیا کہہ چکی ہے، اس پل وہ شدید قسم کی شکست سے دوچار تھی دل گرفتگی بیزاری اور بے مائیگی کا احساس اس کا دماغ ماؤف کر چکا تھا، ہر شے کو تہس نہس کرنے کی وہ جنونی خواہش جو پچھلے دو دنوں سے اس کا دماغ خراب کیے تھی اس وقت اسے پوری طرح سلگا چکی تھی، پپا تو اپنی جگہ پہ ہل کر رہ گئے تھے، جب لاوا نکلا تو خفت اور شرمندگی کے احساس نے گویا اسے زمین میں گاڑھ دیا، بس ایک دھند تھی جو دماغ سے ہٹ گئی تھی، منظر صاف ہوا تو وہ مر جانے والی حالت سے دوچار ہوتی الٹے قدموں پلٹ کر بھاگی، پپا بھی ہوش میں آ گئے تھے۔

"پرنیاں..... پرنیاں بیٹے!" وہ اس کے پیچھے لپکے اور اسے دروازے پہ ہی جا لیا، انہوں نے بہت نرمی اور رسانیت سے اس کا بازو پکڑا تھا، اس کا وجود طوفان میں آئے پتے کی مانند لرزیدہ تھا، ان سے بازو چھڑا کر وہ وہیں دیوار کے سہارے زمین پہ بیٹھی اور گھٹنوں میں چہرا چھپائے گھٹ گھٹ کر روتی چلی گئی، پپا کچھ کہے بغیر اس کا سر تھپکتے رہے تھے، پھر کوٹ کی جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"اپنا چہرا صاف کریں بیٹا!" اس نے حکم کی تعمیل کی مگر نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھنے کی تاب اس میں نہیں تھی، شرمندگی اور خفت سے اس کا چہرا ہی نہیں آنکھیں بھی جل رہی تھیں۔

"اٹھیں چلتے ہیں۔" انہوں نے سہارا دے کر اٹھایا وہ متذبذب تھی۔

"جائیں شاباش اپنا بیگ لے کر آئیں۔" اس نے ہونٹ بھینچے اور سر جھکائے چلی گئی۔

"شیر گل تم آج بلکہ اسی وقت اپنی بیوی کے ساتھ فارم ہاؤس چلے جاؤ، اشرف کو میں فون کر کے پہلے ہی گیسٹ ہاؤس کی صفائی کا کہہ چکا ہوں، شام تک تم بھی پہنچ جانا نہیں تم مکمل تیاری کے ساتھ آنا اب تم وہیں رہو گے۔" پرنیاں اپنے بیگ سمیت آئی تو پپا فون پہ مصروف تھے۔

"ہاں بہت خاص مہمان ہے، میرے دوست کی بیٹی ہے، وہیں رہے گی، ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا تمہارا اور تمہاری بیوی کی ذمہ داری ہے او کے اللہ حافظ۔" پرنیاں جو چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی ان سے نگاہیں چار ہونے پہ فی الفور سر جھکا لیا۔

"اپنی بیٹی کی انا مجھے خود بھی بہت عزیز ہے، اب آپ اسی وقت شاہ ہاؤس آئیں گی جب وہ نالائق آپ کو تمام عزت و احترام کے ساتھ خود لے کر آئے گا۔" انہوں نے نزدیک آ کر نہایت مشفقانہ انداز میں اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا تو اس کی آنکھیں پھر سے بھیگتی چلی گئیں۔

(اور ایسا شاید کبھی نہیں ہو گا۔)

"آئی ایم سوری پپا! میں ایسی نہیں ہوں کچھ دیر پہلے جو میں نے بکواس کی وہ، وہ پتہ نہیں کیسے منہ سے نکل گئی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"میں اپنی بیٹی کو جانتا ہوں سو ڈونٹ وری۔"

"میں شاہ ہاؤس جانے پہ بھی تیار ہوں پپا، مجھے صرف ایک رشتہ یاد ہے اور وہ یہ کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

"یہ تو آپ نے مجھے ہمیشہ خوش رہنے والی بات کہہ دی۔" وہ ہنسنے لگے تو پرنیاں بھی بھاری دل سے مسکرا دی تھی اور جب وہ سبزے میں گھرے فارم ہاؤس پہ اسے چھوڑ کے جا رہے تھے تو انہوں نے اس سے ایک بات کہی تھی۔

"شاہ ہاؤس کا ہر فرد آپ سے بہت محبت کرتا ہے بیٹے اور آپ کی وہاں آمد کا بہت خواہش مند بھی ہے وہ سب لوگ آپ کو نہ صرف اسی حوالے سے دیکھیں گے بلکہ مخاطب بھی کریں گے اور میں نہیں چاہتا میری بیٹی بار بار ہرٹ اور ڈپریس ہو، یہ شیر گل بہت نیک طبیعت اور شریف انسان ہے، اس کی بیوی اور بیٹی سے بھی آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی، پھر میں خود بھی اپنی بیٹی کے پاس چکر لگاتا رہوں گا۔"

اور وہ ان کی محبت اور شفقت سے اتنی ممنون اور مشکور ہوئی تھی کہ کچھ کہے بغیر بس نم آنکھوں سے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور جھک کر ایک عقیدت بھرا بوسہ ان کے ہاتھ پہ ثبت کر دیا تھا۔

☆☆☆

دلوں میں پھر سے نئی چاہتیں سجا بیٹھے
گلے ملے تو سبھی رنجشیں بھلا بیٹھے
وہ جس کو پیار کا مفہوم تک نہیں معلوم
اس کے در پہ ہی کیوں جان و دل لٹا بیٹھے
خبر بھی تھی کہ ہوائیں وفا نہیں کرتیں
انہی کے دوش پہ پھر کیوں دیئے جلا بیٹھے
یہ نین قرب میں بے اختیار روتے ہیں
جو بات دل نے چھپائی وہی بتا بیٹھے
جو پتھروں کے حوالے سے معتبر ہے بہت
ہم اس شہر میں شیشے کا گھر بنا بیٹھے

وہ پپا کے کمرے سے نکلا تو بہت مضطرب تھا، پریشانی کی بات یہ نہیں تھی کہ لاہور والی فیکٹری نقصان میں جا رہی تھی یا اس کے مینیجر نے اب ہیر پھیر کرنا شروع کر دیا تھا، پپا نے اس سے پچھلے آدھے گھنٹے سے اسی موضوع کو ڈسکس کیا تھا اور مسلسل اس سے اس کا حل پوچھتے رہے تھے اور وہ انہیں کوئی ڈھنگ کا جواب نہیں دے پایا تھا تو وجہ پھر زینب ہی تھی، معاذ حسن نے جاتے سے جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات اس سے کہی تھی وہ ایسی نہیں تھی کہ وہ ملول رہتا بلکہ اس کے دل کی کلی صحیح معنوں میں ائیر پورٹ سے واپسی تک کھل گئی تھی، راز کا کیا تھا یہ تو کبھی نہ کبھی کھلنا تھا معاذ پہ کھل گیا تو مطلب راز ہی رہنا تھا، البتہ یہ ڈھارس ضرور مل گئی تھی کہ اب زینب کہیں اور جانے والی نہیں تھی، معاذ اسکی خاطر بڑے سے بڑا ایکشن لینے کو بھی تیار ہو جاتا، دو دن پہلے جب معاذ کی شادی یعنی رخصتی کے موضوع پہ بات ہوتے ہوتے ایکدم جہاں کی طرف پلٹ گئی تھی تب پاپا جان نے کھلے اور صاف لفظوں میں کہا تھا، معاذ کی واپسی پہ زینب اور جہان کی بھی شادی معاذ کے ساتھ ہی کر دیں گے، جہان کا اطمینان کچھ اور بڑھا تھا مگر آج شام جب وہ آفس سے لوٹا تب زینب کو اس نے ٹیرس پہ ٹہلتے اور فون پہ بات کرتے پایا تھا، وہ وہی تھا جو اس روز ہوٹل میں بھی اس کے ساتھ تھا اور جسے اپنے طور پر زینب نے اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کر لیا تھا، وہ اس سے منسوب تھی وہ جانتا تھا مگر زینب آگاہ نہیں تھی، زینب کی سوچ اور فیصلے نے اس کے اندر جو اکھاڑ پچھاڑ کی تھی اس سے قطع نظر اس نے سوچا تھا کیا وہ اس صورت میں زینب کو قبول کر سکتا ہے جبکہ وہ اسے نہیں کسی اور کو سب کو سمجھتی ہے اور اس کی چاہت مند ہے۔

دل کا جواب جو تھا وہ حیران کن نہیں تھا، دل نادان تھا اس کے اندر جو دکھ اترا تھا وہ اتنا گہرا تھا کہ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، یہ اضطراب اس کے سر میں شدید ٹیسوں کی صورت ابھرا تھا، پپا نے اسے فی الحال آرام کا مشورہ دیا تھا مگر شاید وہ بھی اس کے نصیب میں نہیں تھا جو زینب کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے زینب نے اسے پکار لیا تھا۔

''جے!'' وہ رکا ضرور تھا البتہ پلٹ کر دیکھنے کی اس کی ہمت نہیں تھی۔

''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے، پلیز مجھے اپنا تھوڑا سا وقت دے دیں۔'' وہ ملتجی سی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''میری طبیعت کچھ بہتر نہیں ہے زینب کیا ہم صبح بات نہیں کر سکتے؟'' وہ اس سے نگاہیں چار کیے بنا بہت عاجزی سے بولا تھا۔

''مجھے پتہ ہے آپ مجھ سے کترا رہے ہیں، مگر میرے پاس وقت بالکل نہیں ہے جے بہت اہم بات ہے، ڈونٹ وری ہم ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر بات کریں گے۔'' اس نے اس کے گریز کو پتہ نہیں کن معنوں میں لیا تھا جو اپنے انداز میں تسلی دی، جہان کے پاس جیسے مزید کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا تھا، زینب اس کی تقلید میں لاؤنج تک آئی تھی۔

''ہیٹر آن کر دوں؟'' جہان نے لائیٹس جلائیں اور صوفے پہ بیٹھ رہا تھا جب زینب کے استفسار پہ لمحہ بھر کو متوجہ ہوا، پنک سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے سلکی بالوں کو ڈھیلے جوڑے کی شکل میں لپیٹے وہ گلاب کی تر و تازہ اور شگفتہ کلی کی طرح ان چھوئی اور دل آویز لگ رہی تھی، مگر شاید وہ اس کا نصیب نہیں تھی، اس کی سوچ نے اس کا دل بے حد بوجھل کر دیا تھا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، تم بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟'' وہ کسی حد تک آگاہ تھا مگر شاید اس کے منہ سے سن کر خود اپنے حوصلے کو آزمانا چاہ رہا تھا۔

''میری ایک فرینڈ ہے شلا لے اس کی سسٹر کی شادی ہے، مجھے وہاں جانا ہے آپ پلیز مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاپا سے اجازت لے دیں۔'' جہان نے اس کے مطالبے پہ بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا پھر الجھن آمیز انداز میں بولا تھا۔

''اس میں میری سفارش کی کیا ضرورت ہے؟ چاچو منع تھوڑی کریں گے۔''

''آپ سمجھے نہیں وہ آؤٹ آف سٹی ہوتی ہے، ویلی میں۔'' اس کی وضاحت پہ جہان نے گہرا سانس بھر لیا۔

''کتنے دنوں کے لئے جانا چاہتی ہو؟ اور کیا بہت ضروری ہے، چاچو ان باتوں کو پسند نہیں کرتے۔''

''اسی لئے تو آپ سے کہا ہے، آپ قائل کریں گے تو مان جائیں گے، کم از کم ایک ہفتہ تو رہوں گی۔''

''ایک ہفتہ؟'' وہ کچھ پریشان نظر آنے لگا۔

''شادی تو دو دنوں میں ختم ہو جاتی ہے۔''

''مگر مجھے وہ علاقہ دیکھنا ہے، بہت خوبصورت جگہ ہے وہ جے پلیز!'' وہ بے حد ملتجیانہ انداز میں کہہ کر اسے دیکھنے لگی۔

''او کے کوشش کروں گا۔''

''کوشش نہیں جے مجھے ہر حال میں اجازت چاہیے، یہ میری شدید خواہش ہے پلیز!'' جہان نے نگاہ بھر کے اسے دیکھا وہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، جہان بھلا ان نگاہوں کی آس توڑ سکتا تھا، اب اسے کسی بھی طریقے سے سہی یہ کام کرنا تھا۔

☆☆☆

سنو ایسا نہیں کرتے
کہ جس دل میں بھی رہتے ہوں
اسے توڑا نہیں کرتے
بنا جس کے نہ جی پائیں
اسے چھوڑا نہیں کرتے
سنو کچھ دیر رک جاؤ
کوئی اعتبار کر لیں گے
جو خواب دیکھے ہیں
انہیں تعبیر کر لیں گے
بنا تیرے یہ جیون ہم
کہو کیسے بتائیں گے
قسم سے ٹوٹ جائیں گے
سنو جب یاد آؤ گے
بہت خود کو رلائیں گے

تمہیں کیسے بھلائیں گے
سنو جب درد ہو گا تو
تڑپ کر مر ہی جائیں گے
تمہیں نہ بھول پائیں گے

وہ ناشتے کے لئے ٹیبل پہ آئی تو مسز آفریدی آفس جا چکی تھیں، اس کی پہلی نگاہ ٹیبل پہ پڑے ریڈ روزز کے فریش بکے پہ پڑی تھی جس کے اندر وشنگ کارڈ رکھا پہلی نظر میں دیکھا جا سکتا تھا، اس نے احتیاط سے کارڈ کھینچا اور مسکراہٹ ضبط کرتے بکے اٹھا کر ناک کے قریب لے جا کر سونگھا اور نظریں کارڈ پہ لکھی نظم پہ ٹکا دیں، اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی، رات مسز آفریدی نے پھر اس سے اپنی وہی خواہش ظاہر کی تھیں جواب میں اس نے بھی ان سے ویسی ہی مایوسی کی باتیں کی تھیں اس کا مطلب مما نے ایک بار پھر اسے منا لیا تھا۔

''بے بی آپ ناشتے میں کیا لیں گی؟ کالج جانا ہے تو ڈرائیور سے گاڑی کا کہہ دوں؟'' ملازمہ نے اندر کر اسے مخاطب کیا۔

''ہاں کالج جاؤں گی اور یہ پھول مما نے کب منگوائے؟'' اس کا اب بھی پورا دھیان کارڈ پہ لکھی نظم میں تھا۔

سنو جب درد ہو گا تو
تڑپ کر مر ہی جائیں گے
تمہیں نہ بھول پائیں گے

''مما آئی وش خدا آپ کو بہت لمبی عمر عطا فرمائے۔'' اس کے دل سے دعا نکلی تھی۔

''یہ بیگم صاحبہ نے نہیں منگوایا بے بی! یہ ابھی کچھ دیر پہلے کوریئر والا دے کر گیا ہے۔'' ملازمہ کے جواب نے اسے ششدر کر دیا تھا۔

''کس نے بھیجا ہے؟''

''پتہ نہیں بے بی کارڈ پہ نام نہیں لکھا؟'' ملازمہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا تو ژالے ازسرِ نو کارڈ اٹھا کر الٹنے پلٹنے لگی۔

''نہیں کہیں نہیں ہے۔''

''بے بی آپ کا فون ہے۔'' اس سے پہلے کہ ملازمہ جواب دیتی حسنہ کارڈلیس اٹھائے چلی آئی، حسنہ ژالے کی خاص ملازمہ تھی۔

''کون ہے؟'' ژالے نے کچھ الجھ کر حسنہ کو دیکھا تھا۔

''پتہ نہیں جی کہہ رہی تھیں آپ سے بات کرنی ہے۔'' حسنہ کے جواب پہ اس نے کچھ کہے بغیر کارڈلیس لے لیا۔

''ہیلو! ہیلو کون؟''

''معذرت کے ساتھ ہیلو کے منگیتر ہیں'' میں آپ کی کسی بات کا یقین کروں؟ بائی دا وے آپ ہیں کون؟'' اس نے کس قدر خفگی سے جواب دیا تھا، دوسری جانب کچھ دیر کو سناٹا چھا گیا پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھرپور نسوانی قہقہہ بہت دیر تک گونجتا رہا، وہ ذرا کوفت کا شکار ہوئی۔

"مجھے یقین تھا تم صرف خوبصورت ہی نہیں ذہین اور بہت قابل بھی ہو گی۔" ادھر سے بہت وثوق سے کہا گیا ژالے کی پیشانی پہ بل پڑے تھے۔

"اتنا جانتی ہیں مجھے تو میں آپ سے انجان کیوں ہوں؟"

"یہ بھی حالات کی ستم ظریفی ہے میری جان! ورنہ تمہارا مجھ سے جو قریبی تعلق اور رشتہ ہے کسی اور سے نہیں ہے، پھول پسند آئے؟"

"وہ آپ نے بھیجے ہیں؟ مگر آپ ہیں کون؟" وہ اب کے بری طرح سے جھلا گئی تھی۔

"ژالے میں نیلما بات کر رہی ہوں تمہاری....."

"کیوں فون کیا ہے؟ اور تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ مجھ سے اس قسم کے رابطے کرو۔" وہ پہلے سناٹوں میں گھری تھی پھر جیسے آتش فشاں لاوے کی طرح سے پھٹ پڑی۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں ژالے۔"

"مگر میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی سنا تم نے؟ آئندہ کبھی مجھ سے کانٹیکٹ نہ کرنا۔"

"تم مجھ سے نفرت نہیں کر سکتیں ژالے میرا تم سے جو رشتہ ہے وہ نفرت کا متقاضی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"مجھے اس احساس اس تعلق سے بھی گھن آتی ہے جو میرا تمہارا ساتھ ہے، سن لیا تم نے۔" وہ حلق کے بل چیخی اور رابطہ منقطع کر دیا، اس کا پورا وجود جیسے مفلوج ہو گیا تھا، آنکھوں میں سرخی کے ساتھ بے تحاشا نمی پھیل گئی تھی، کچھ دیر وہ دانت بھینچے بیٹھی رہی پھر پھول اٹھا کر طیش کے عالم میں دور پھینک دیئے تھے اور خود ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر زار و قطار روتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"جے!" وہ آفس سے تھکا ماندا لوٹا تھا گھر آنے کے بعد ابھی فریش ہو کے واش روم سے نکلا ہی تھا جب زینب اس کے کمرے میں چلی آئی تھی وہ ٹھنڈا سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"میرے کام کا کیا بنا؟" اس نے بغیر کسی تمہید کے مقصد کی بات کی تھی۔

"سوری زینی میں اتنا بزی رہا کہ بات کرنا یاد نہیں رہا۔" وہ واقعی شرمندہ تھا۔

"ایسی کون سی مصروفیات ہیں۔" وہ خفا نظر آنے لگی۔

"کچھ آفیشل پرابلم ہیں۔" تولیے سے گیلے بال خشک کرتا ہوا وہ لئے دیئے انداز میں بولا۔

"کب بات کریں گے؟ اور میں آپ کو بتا رہی ہوں، مجھے لازمی جانا ہے، شادی میں صرف دو دن ہیں۔"

"میں کل بات کروں گا انشاءاللہ۔"

"ابھی کر لیں نا، پپا آ گئے ہیں آفس سے۔"

"مناسب نہیں لگتا زینب! وہ تھکے ہوں گے۔"

"آپ نے کوئی کام تو نہیں کرانا ان سے، بات ہی کرنی ہے نا، آپ شاید خود نہیں چاہتے۔"

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے،

قرآن مجید کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے' لہٰذا ایسی صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حد عقیدت سے محفوظ رکھیں۔

وہ عادت کے مطابق فوراً بدگمان اور بے لحاظ ہونے لگی۔

"کیا نہیں چاہتا؟" جہان نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔

"یہی کہ میں وہاں جاؤں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی، بدگمانی کی حد تھی یعنی۔

"میں ایسا کیوں چاہوں گا زینب!" وہ عاجز سا ہوا۔

"تو پھر آپ ابھی ان سے اجازت لے کر دیں مجھے۔" وہ بسوری تو جہان کو اٹھنا پڑا تھا، پپا سے بات کرنے پہ اسے اندازہ ہوا کہ وہ اسے بھیجنے پہ آمادہ نہیں مگر چونکہ وہ سفارش لے کر گیا تھا جبھی انہیں ناچار ماننا پڑا مگر انہوں نے دو شرطیں ساتھ کر دی تھیں، جنہیں سن کر زینب کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

"کسی کو ساتھ لے کر جانے کا کیا مقصد ہے، پپا کو مجھ پہ ٹرسٹ نہیں ہے؟ اور ایک ہفتہ کوئی زیادہ مدت تو نہیں تھی جو انہوں نے چار دن کا کہہ دیا۔" وہ کلس رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی زینب! اگر مقصد انجوائے منٹ ہے تو آپ چار دن کیا چار گھنٹوں میں بھی کر سکتے ہیں اور رہی بات ٹرسٹ کی تو ایسی بات نہیں ہوتی، چاچو کی اس بات کا مقصد احتیاط ہے، انجانے لوگوں پہ آنکھیں بند کر کے کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے۔" وہ حتی الوسیع نرمی سے بات کر رہا تھا کجاوہ ہتھے سے اکھڑ جائے، اب بھی اس کے نقوش تنے تنے سے تھے۔

"او کے فائن، میں مان لیتی ہوں یہ بات اور چار دن میں واپس آ جاؤں گی مگر کسی کا دم چھلا میں ساتھ لگا کر نہیں لے جانے والی، ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے دنیا میں صرف ہم ہی شریف اور قابل بھروسہ لوگ نہیں رہ گئے ہیں۔" وہ تحمل سے بات کرتے کرتے آخر میں پھر بھڑک گئی تھی۔

"یہ سب مجھے نہیں پتہ جو چاچو نے مجھے کہا میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔" جہان کو اس کی بات سن کر غصہ آیا تھا مگر ضبط کر گیا مگر زینب نے ایسا کچھ نہیں سیکھا تھا کبھی بھی جبھی کچھ اور بھڑک گئی۔

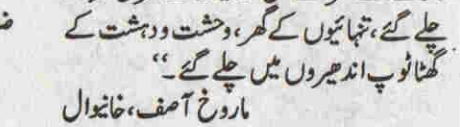
"اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ آپ ان سے جو بھی کہتے ہیں وہ اسے ہر صورت مانتے ہیں، آپ ان سے کہیں کہ میں وہاں اکیلی جانا چاہتی ہوں۔" اس مطالبے نے جہان کے چہرے پہ ناگواری بکھیر دی۔

"سوری میں ایسی فضول باتیں نہیں منوایا کرتا۔" اب کے وہ بھی برہمی سے بولا تھا، تب وہ ایکدم ڈھیلی پڑ گئی۔

"جے پلیز پلیز! مائی سیک!" وہ اس کا ہاتھ اچانک اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اتنی لجاجت سے بولی تھی کہ جہان چکرا کر رہ گیا۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

"آگ سے بچو۔"

یہ بات کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رخ مبارک پھیر لیا، دوسری مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات کہی اور رخ مبارک پھیر لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات کہہ کر تیسری بار بھی رخ مبارک اس طرح پھیرا جس طرح آدمی کسی ناخوشگوار چیز کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"آگ سے بچو اللہ کی راہ میں صدقہ کرو، خواہ آدھی کھجور ہی سہی، ہاں جس کا ہاتھ خالی ہو وہ اچھی بات کہہ کر بھی آگ سے بچنے کی کوشش کرے۔" (بخاری عن عدی بن حاتم)

شگفتہ رحیم فیصل آباد

لباس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"کپڑوں کو بوسیدہ کرو، کھردرا لباس پہنو، چست رہو اور غیر مسلموں کے لباس نہ پہنو۔"

حمیرا رضا، ساہیوال

دنیا اور آخرت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ اکرامؓ کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔

"تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے (دل کے) اندھے پن کو دور کر دے اور اس کی (عبرت کی) آنکھیں کھول دے، (جو یہ چاہتا ہو، وہ غور سے سن لے کہ) جو شخص دنیا میں جتنی رغبت کرتا ہے اور جیسی لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے، اس کے بقدر حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے اور جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو مختصر کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اسے بغیر سیکھے علم عطا فرماتا ہے اور بغیر کسی کے بتائے راستہ دکھاتا ہے۔"

ماریہ عثمان، سرگودھا

نصیحت

حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو نصیحت فرمائی کہ!

"بیٹا پرانے کھنڈرات میں جایا کرو، بوسیدہ عمارتوں کو دیکھا کرو، شکستہ گنبدوں کو دیکھا کرو، ٹوٹے ہوئے میناروں کو دیکھا کرو اور پھر ان سے پوچھا کرو۔"

"کہاں چلے گئے یہاں کے رہنے والے؟ کبھی تو یہاں پر رونق محفلیں تھیں، خوشیوں کی لہریں تھی، آج وہ سب کہاں چلے گئے۔" بیٹا تجھے اس کے اندر سے خاموش آواز آئے گی کہ وہ

دھوکے کے گھر سے نکل کر ہمیشہ کے گھر کی طرف چلے گئے، تنہائیوں کے گھر، وحشت و دہشت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چلے گئے۔"

ماروخ آصف، خانیوال

اللہ کے غلام

حضرت عثمان غنیؓ کے غلام سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے پیچھے سوار تھا کہ بیت المال کے مویشی خانے کے قریب پہنچے، اس دن بڑی شدید گرمی تھی اور بہت گرم ہوائیں چل رہی تھیں، ہم نے اچانک ایک شخص کو دیکھا، جو تہ بند باندھے ہوئے اور ایک چادر اوڑھے ہوئے تھا، وہ اپنا سر اس چادر میں چھپائے ہوئے تھا اور اونٹ کو ہانکتا لا رہا تھا، اس نے اونٹ کو مویشی خانے میں داخل کیا، حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا۔

"یہ کون ہے؟" ہم چل کر جب مویشی خانے کے قریب آئے تو یہ عمر بن خطابؓ تھے۔

"یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا؟" حضرت عثمان غنیؓ نے عرض کیا۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"مجھ سے زیادہ اللہ کا غلام کون ہوگا؟"

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

وقت

وقت ایک ایسا بھنور ہے جو ہم جیسے انسانوں کو نگلنے کے لئے گردش میں رہتا ہے، ہمارے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ اس کی کشش سے نکلنے کے لئے ہاتھ، پاؤں مارتے رہیں اور زندہ رہنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے رہیں، لیکن اس کے باوجود وقت کی کچھ ساعتیں، کچھ لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ گزرے ہوئے دنوں کی ذات کی عمارت کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اپنی شکستہ ذات کی شبیہہ نظر آتی ہے اور اپنا عکس دیکھ کر یہ احساس ہوتا کہ ابھی زندہ رہنا ضروری ہے۔

وفا عبدالرحمان، روالپنڈی

جمہوریت

افلاطون کی شہرت جب یونان سے باہر نکلی تو ایک پڑوسی ملک نے اسے اپنے دربار میں بلا کر اس کی کتاب "جمہوریت" کی بے حد تعریف کی اور فرمائش کی کہ افلاطون اس کے ملک کے لئے بھی کوئی ایسا خاکہ تیار کرے اور ملک چلانے کے گر بتائے۔

افلاطون نے شاہی فرمان کے مطابق مہمان بن کر کام شروع کر دیا۔

پانچ ماہ بعد بادشاہ نے عظیم فلسفی کو دربار میں بلوایا اور پوچھا۔

"تم نے ہمارے ملک کے لئے جمہوری و دستوری خاکہ تیار کیا ہے یا نہیں؟"

افلاطون نے عرض کی۔

"خاکہ تو میں نے تیار کر لیا ہے مگر اس میں جہاں پناہ کہیں نظر نہیں آتے۔"

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

بیویات

☆ دنیا کی خوش و خرم خواتین ان خوش و خرم اقوام کی طرح ہوتی ہیں جن کی کوئی ہسٹری نہ ہو۔

☆ بعض خواتین اپنے غلط اعتقادات کے باعث سخت ترین تکلیف اٹھاتی ہیں، خصوصاً وہ جن کا ایمان ہوتا ہے کہ ایک نمبر کم کا سینڈل پہن کر صبح سے شام تک کسی تقریب میں شرکت کر سکتی ہیں۔

☆ اکثر بڑے آدمیوں کو اپنی زندگی میں دو عورتوں کی ضرورت پیش آتی ہے، ایک سیکریٹری جو ڈکٹیشن لے سکے، ایک بیوی جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈکیشن دے سکے۔

☆ طلاق کا مطلب ہے کہ دو افراد کے درمیان جمہوریت کامیاب نہیں رہ سکی۔

☆ لڑکیاں، لڑکوں کی طرح شادی کو جوا نہیں سمجھتیں ان کے نزدیک پہلے سے طے شدہ خطرے کا نام شادی ہے۔

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

دعا

خدا کرے کہ نیا سال تیرے دامن میں
وہ سارے پھول کھلا دے
کہ جن کی خوشبو نے
تیرے خیال میں
شمعیں جلا رکھی ہیں

فضہ بخاری، رحیم یار خان

باتوں سے خوشبو آئے

☆ جڑیں سلامت ہوں تو ٹنڈ منڈ درختوں پر بھی موسم بدلتے ہی پھول آجاتے ہیں۔

☆ جو لوگ آپ سے اختلافات رکھتے ہیں، ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں، پریشان تو ان لوگوں کے بارے میں ہوں جو آپ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہ بتانے کی جرأت ان میں نہیں ہوتی۔

حنا زبیری احمد، بہاولپور

شکایت

ریلوے کے گارڈ نے اسٹیشن ماسٹر کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"سر! ایک دیہاتی ہماری پسنجر ٹرین کے بارے میں شکایت لے کر آیا ہے۔"

"اس بے وقوف کی گائے، بھینس یا بکری ٹرین کے نیچے آکر مر گئی ہوگی اور اب وہ ریلوے کے محکمے سے کچھ ہرجانہ وصول کرنے کے چکر میں ہوگا، اس گدھے کو بتا دو کہ ریلوے کا محکمہ اس قسم کے حادثوں پر ہرجانہ ادا نہیں کرتا، غلطی ان بے وقوفوں کی اپنی ہوتی ہے، گائے بھینسوں کو آوارہ کتوں کی طرح کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور جب کوئی گائے یا بھینس ماری جاتی ہے تو وہ ہرجانہ مانگنے آجاتے ہیں۔"

ممکن تھا کہ ان کی تقریر جاری رہتی مگر گارڈ ان کی بات کاٹ کر بولا۔

"سر! یہ بات نہیں ہے، مسئلہ کچھ اور ہے، دیہاتی کا کہنا ہے کہ ہماری ٹرین اس کے کھیتوں کے قریب سے گزرتی ہے تو مسافر اتر کر اس کی گائے، بھینسوں کا دودھ نکال کر پھر ٹرین میں سوار ہو جاتے ہیں، وہ درخواست کر رہا ہے کہ ٹرین کی رفتار کچھ بڑھائی جائے۔"

اُم رباب، ساہیوال

حیرت انگیز

ستائیس اگست 1883ء میں انڈونیشیا کے ایک جزیرے "کراکاٹوا" میں شدید زلزلے کی وجہ سے چھتیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے، آدھا جزیرہ فضا میں اڑ گیا اور اس کی جگہ ایک ہزار فٹ گہرا سمندر بن گیا، زلزلے کی مٹی فضا میں بیس میل اونچی اڑی، "مہیا میرو" آتش فشاں پھٹنے کی آواز تقریباً دو ہزار میل دور آسٹریلیا میں سنی گئی، فضا میں گرد تین سال تک موجود رہی، اس آفت کی وجہ سے نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا کے کئی حصوں میں سورج چھپا رہا، اس جزیرے میں اتنی تباہی سے بچنے والا جان دار صرف ایک بندر یا تھی۔

نعمیہ بخاری، اٹک

چھاؤں جیسی باتیں

☆ ہم نے سمندروں میں مچھلی کی طرح تیرنا اور فضاؤں میں پرندوں کی طرح اڑنا سیکھ لیا مگر

آج تک ہمیں زمین پر انسانوں کی طرح رہنا نہیں آیا۔

☆ ضمیر کی عدالت میں ضرور جایئے کیونکہ وہاں غلط فیصلے نہیں ہوتے اور نہ ہی وکیلوں کی فیس بھرنی پڑے گی۔

☆ جو لوگ کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ کر دکھاتے ہیں اور جو کچھ نہیں کر سکتے، وہ نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔

☆ جب ہم اللہ سے مانگتے ہیں تو بے حساب مانگتے ہیں لیکن جب عبادت کا وقت آئے تو نوافل بھی گن گن کر ادا کرتے ہیں۔

☆ خیرات دیا کریں تاکہ کبھی آپ کے بچے بھیک نہ مانگیں۔

☆ غربت انسان کو اس کی پہچان کراتی ہے۔

☆ ظلم بغاوت کو جنم دیتا ہے یا پھر احتجاجی موت کو۔

ثمرین زاہرہ، خان پور

بدعادت

کالج سے واپسی پر ایک لڑکی نے اپنے والد سے کہا۔

"ڈیڈی! آپ میرے کلاس فیلو سے ملیں گے تو یقیناً اسے پسند کریں گے، وہ بہت اسمارٹ اور ذہین ہے۔"

باپ نے پوچھا۔

"کیا اس کے پاس زمین، جائیداد اور دولت ہے؟"

لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"اوہ ڈیڈی! آپ مردوں میں یہی بری عادت ہے، وہ بھی آپ کے بارے میں یہی کچھ پوچھ رہا تھا۔"

نمرہ سعید، اوکاڑہ

ضرورت

ایک صاحب ایک ڈاکٹر کے پاس گئے تو ان دونوں میں عمر کے موضوع پر گفتگو چل پڑی۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ ساٹھ برس کی عمر ہو جانے کے بعد بھی تمہاری صحت بے حد اچھی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میں نے یہ کب کہا کہ میں ساٹھ برس کا ہوں۔" آدمی نے کہا۔

"میری عمر تو اسی سال ہو رہی ہے۔"

"اوہ!" ڈاکٹر نے حیرت سے اسے دیکھا پھر بولا۔

"پھر تو تمہارے والد کافی طویل عمر تک زندہ رہے ہوں گے؟"

"میں نے کب کہا ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے، وہ زندہ ہیں اور ان کی عمر ایک سو دو سال ہے۔"

"اُف میرے خدا! اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے دادا کتنا عرصہ جیے تھے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ مر چکے ہیں، وہ اس وقت ایک سو چوبیس سال کے ہیں اور شادی کرنے جا رہے ہیں۔"

"اُف اللہ! ایک سو چوبیس سال کی عمر میں انہیں شادی کی کون سی ضرورت آن پڑی ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ انہیں کوئی ضرورت آن پڑی ہے؟"

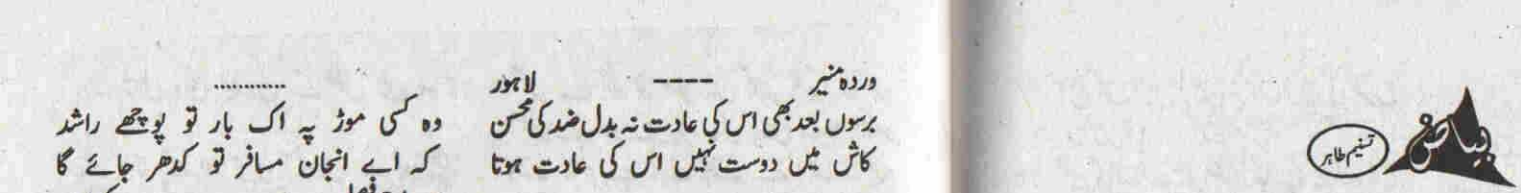
طاہرہ رحمان، بہاولنگر

نئے سال کی دعا

خدا کرے کہ نیا سال تیرے دامن میں
وہ سارے پھول کھلا دے
کہ جن کی خوشبو نے
ترے خیال میں شمعیں جلائے رکھی تھیں۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

یونہی ختم ہجر کا باب ہو ، نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی کسی شب مجھے تو آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں

.....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے سال
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

.....

آ کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آ کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
سب کچھ ہے میرے شہر میں اک تیری کمی ہے

طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم اک زندگی کا سال ہوا
کتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا

.....

ہمیشہ اک یہی تصویر رہ جاتی ہے آنکھوں میں
یہ پہلا ہجر ہے اور ایسا منظر کب بدلتا ہے
کسی کو سال نو کی مبارکباد کیا دی جائے
کیلنڈر کے بدلنے سے مقدر کب بدلتا ہے

.....

یہ سال بھی اداس رہا روٹھ کر گیا
تم سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا

عمرانہ علی ---- حاصل پور

ملتی ہے برسوں میں بلندی
گرنے میں پل بھر لگتا ہے

.....

آگہی کا عذاب باقی ہے
کھل گئی آنکھ خواب باقی ہے
وقت تتلی تھا اڑ گیا کب کا
ڈائری میں گلاب باقی ہے

.....

تیری یاد اور برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گی تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں اک دسمبر اکیلے

عظمیٰ جبیں ----

لیہ

سردیاں بارش ہوا چائے کا کپ
وہ یاد آ رہا ہو شام ہو
یا الٰہی ! ایسے لمحے سے بچا
وہ کبھی مجھ سے خفا ہو شام ہو

.....

موسم کرب انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصل یار بھی جھوٹ
موت تیری طلب بھی لغزش لب
زندگی تیرا اعتبار بھی جھوٹ

.....

کیوں اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

وردہ منیر ---- لاہور

برسوں بعد بھی اس کی عادت نہ بدل ضد کی محسن
کاش میں دوست نہیں اس کی عادت ہوتا

.....

ہمیشہ تازہ دم اس کے محلے تک پہنچتا ہوں
تھکن اس وقت ہوتی ہے وہ جب گھر پر نہیں ملتا

.....

مجھے لکھ کر کہیں محفوظ کر لو محسن
تمہاری باتوں سے نکلتا جا رہا ہوں

ثمرہ شیرازی ---- چوکی

پاؤں پھیلائے تو نہ دیکھی چادر ہم نے
تجھ کو چاہا تو پھر اوقات سے بڑھ کر چاہا
زیست آسان بھی ہو سکتی تھی لیکن ہم نے
تیری چاہت کو ہر ایک بات سے بڑھ کر چاہا

.....

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

.....

میرے صبر پر کوئی اجر کیا مری دوپہر پر یہ ابر کیوں
مجھے اوڑھنے دے اذیتیں میری عادتیں نہ خراب کر
یہ جلوس فصل بہار ہے تہی دست یار سجا اسے
کوئی اشک پھر سے شرر بنا کوئی زخم پھر گلاب کر

حمفعہ حماد ---- کراچی

آرزو ارمان چاہت مدعا کچھ بھی نہیں
تھا بہت کچھ پاس لیکن اب رہا کچھ بھی نہیں
کیسی کیسی قیمتی چیزوں سے اٹھا ہے حجاب
دوستی دلجوئی ہمدردی وفا کچھ بھی نہیں

.....

اس شب کتنا ٹوٹ کے روئے چاند ہوا اور میں
تینوں ہی اک ساتھ اجڑے تھے چاند ہوا اور میں
سارے خواب عذاب ہوئے اور سب خیال زوال
کس برتے پر سپنے بنتے چاند ہوا اور میں

.....

وہ کسی موڑ پہ اک بار تو پوچھے راشد
کہ اے انجان مسافر تو کدھر جائے گا

مصباح فیصل ---- کوہاٹ

کچھ تمنا کچھ طلب کچھ مدعا ہوتا نہیں
ختم پھر بھی گفتگو کا سلسلہ ہوتا نہیں
خود کو اتنا محسوس کر لیتا ہوں تیری یاد میں
تو ہی تو ہوتا ہے کوئی دوسرا ہوتا نہیں

.....

طنز کرتے ہیں جو لوگ ان کو دکھانے کے لئے
لوٹ آؤ نا مرے یار زمانے کے لئے

.....

اخلاص کی جاگیر کو ہم اہل محبت
تقسیم تو کر دیتے ہیں بیچا نہیں کرتے

عائشہ شہباز ---- لاہور

جن شاموں میں تمہیں بھولنا چاہوں
وہی راتیں عذاب ہوتی ہیں
اپنی یادوں کے سلسلے روکو
میری نیندیں خراب ہوتی ہیں

.....

انکار ہی سہی خوشی اس بات کی ہوئی
چپکے سے میرے کان میں کچھ تو کہا مجھے

.....

ہم نے ہر دکھ کو محبت کی عنایت سمجھا
ہم کوئی تم تھے کہ زمانے سے شکایت کرتے

نسرین خورشید ---- جہلم

جانے اس شخص کو کیسا یہ ہنر آتا ہے
رات ہوتی ہے تو پلکوں پر اتر آتا ہے
میں اسے اپنے خیالوں سے نکالوں کیسے
وہ میری سوچ کے ہر رستے میں نظر آتا ہے

.....

اس کو نیندوں کے نگر میں نہ بساؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورنہ شامل وہی نیندوں کے خلل میں ہو گا

.....

مجھے کانٹا چبھے اور تیری آنکھوں سے لہو ٹپکے
تعلق ہو تو ایسا ہو محبت ہو تو ایسی ہو
صائمہ مظہر ---- حیدرآباد

کچھ طبیعت ہی ملی تھی ایسی
چین سے جینے کی صورت نہ ہوئی

.....

آسیب کی مانند مری ذات میں عابد
بیٹھا ہے کوئی چھپ کے نکلتا ہی نہیں ہے

.....

زندگی ایک حسین جبر ہے تفریح نہیں
بے ضرورت بھی یہ احسان اٹھانا ہو گا
آپ کے میٹھے تکلم سے عیاں ہے بالکل
آپ نے پھر کوئی احسان چڑھانا ہو گا
ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

ہم سے نہیں رشتہ بھی ہم سے نہیں ملتا بھی
ہے پاس وہ بیٹھا بھی دھوکا ہو تو ایسا ہو
اس درد میں کیا گیا ہے رسوائی بھی لذت بھی
کانٹا ہو تو ایسا ہو چبھتا ہو تو ایسا ہو

.....

سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھنا ہے
زمیں پہ بھی وہ فلک کا مزاج رکھتا ہے
خفا سہی وہ سخاوت سرشت جب بھی ملے
بھرم انا کا محبت کا لاج رکھتا ہے

.....

مغرور ہی سہی مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
روٹھا ہوا تھا ہنس تو پڑا مجھ کو دیکھ کر
مجھ کو تو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا
شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ

مڑ کے پیچھے کی طرف راہ میں دیکھا نہ کرو
گھر سے نکلو تو سفر میں کہیں ٹھہرا نہ کرو
مسکراتے ہوئے ہر حال میں جینا سیکھو
وقت ظالم ہے بہت وقت سے الجھا نہ کرو

.....

بس اس خیال سے آنسو چھپا لئے ہم نے
اداس رہ کے کسی کو اداس کیا کرنا

.....

اب کہ برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے سال
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں
صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ

بن کے میرا ہم قدم تو ساتھ چل
کچھ تو ہو تنہائی کم تو ساتھ چل
یوں تو ہیں کتنے ہی ہمارے مگر
ہیں سفر میں دوست کم تو ساتھ چل

.....

اپنے کرب کو چھپا کر ہنسنا مشکل ہوتا ہے
دھیمی دھیمی آگ میں جلنا مشکل ہوتا ہے
یوں تو ضبط بہت ہے ہم کو لیکن کیا بتلائیں
آنکھ تک آئے آنسو پینا مشکل ہوتا ہے

.....

زندگی کو زندگی تو ہم نے سمجھا ہی نہ تھا
ہم تو سمجھے تھے ہنسی کا کھیل ہے یہ زندگی
ٹھوکریں دنیا کی کھائیں تو ہمیں آئی سمجھ
زندگی کہتے ہیں کسی کو اور کیا ہے زندگی
دانیا سحر ---- ملتان

جو تم نے بخشے ان ہی رتجگوں پر غور کرو
پھر اس کے بعد میرے حوصلوں پر غور کرو
سفر کا سب سے کٹھن موڑ اور میں تنہا
بچھڑنے والے میری وحشتوں پہ غور کرو

.....

جس کے ملنے کی نہیں ہوتی دور تلک امید کوئی
ان کے کھو جانے کا خدشہ بھی بہت ہوتا ہے

.....

ملے اک بار بچوں یا پرندوں کو حکومت
کوئی ایسا طریقہ شہر ہوں خوشحال سارے
بچا کر بھی کہاں لے جائیں گے ہم
یہیں رہ جائیں گے ہفتے مہینے سال سارے
حیدر رضا ---- جھنگ

وہ بچپنے کی شرارتیں وہ جوریت جیسی تھی خواہشیں
وہ شرارتیں وہ خواہشیں ماہ و سال دن میں بدل گئے

.....

پھول کھلنے کا جو موسم میرے دل میں اترا
تیرے بخشے ہوئے زخم عجب یاد آئے
یہ خنک رت یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل کی خواہش ہے کہ محسن اب کوئی یاد آئے

.....

منظر بدل گئے پس منظر بدل گئے
حالات اپنے شہر کے یکسر بدل گئے
سورج کے ڈوبنے پہ نہ حیراں ہوئے کبھی
اب سوچتے ہیں کتنے کیلنڈر بدل گئے
فاعزہ عبدالمنان ---- کراچی

مگر اک لمحہ مجھے رہتی ہے تازہ اک شکایت
کبھی تجھ سے کبھی خود سے کبھی اس زندگی سے
وہ بے کیفی کا عالم ہے کہ دل یہ چاہتا ہے
کہیں روپوش ہو جاؤں اچانک خامشی سے

.....

آنکھوں کی طرح تھک گئے پھیلے ہوئے بازو
وہ میرا پتا بھول گیا اب کے برس بھی

.....

ہر آنگن خوشیاں لے کر آئے نیا سال
ہنستے چہرے روشن لمحے نیا خیال
مٹا کے رنج و غم ماضی کے سب ملال
تابندہ کر دے ہر دل کا حال
عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ

خنک خنک سی مسکراہٹ کے ساتھ سال نو کہنے والے
مان لے مجھ سے زیادہ خود کو جانتا تو بھی نہیں

.....

کسی تذبذب میں ہے نئے سال کی دہلیز پر
جو کھویا ہے اس کا غم نہ کر جو پانا ہے اس کا عہد کر
نہیں کچھ حاصل محرومیوں کے شمار سے
گزرے غموں کو بھول کر نئی خوشیاں تلاش کر

.....

میں بھی ہوں اگر خاموش آج تو ہنسا تو بھی نہیں
مجھ سے بچھڑ کے کسی اور سے ملا تو بھی نہیں
صائمہ سلیم ---- گجرات

ہجر کے لمحات جب دل پہ تحریر ہو جاتے ہیں
انسان پتھر لہجے تصویر ہو جاتے ہیں
خوابوں کی دنیا میں عجیب ہیں بہت عجیب
کچھ خواب تحلیل کچھ تعبیر ہو جاتے ہیں

.....

اپنی زندگی کو جواب دینا تھا اس کے پہلے سوال کا
میں یہ دیکھتا ہوں کہ جنوری بھی گزر گیا نئے سال کا
تو یقین کر تو یقین کر وہ رائیگاں ہے وہ رائیگاں
میری زندگی سے نکل گیا ہے جو لمحہ اس کے خیال کا

.....

اک خزن ہے اک ملال بھی
کہنے کو ہے دوستو نیا سال بھی
اک چپ سی لگی ہے لبوں پہ مقفل کی صورت
کوئی توڑے آ کے اس قفس کا حال بھی
نازیہ جمال ---- چکوال

طوفان کر رہا تھا میرے شوق کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجبوری

"کیا تم نے اس شادی کرنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے؟"

"ہاں بھئی مجبوری ہے۔"

"کیسے؟"

"وہ اتنی موٹی ہو گئی ہے کہ کوشش کے باوجود اس کی انگلی سے وہ قیمتی انگوٹھی نہیں نکلی جو میں نے اسے منگنی کے موقع پر پہنائی تھی۔"

عمرانہ علی، حاصل پور

کیسا ہے

خلانورد سے سوال کیا گیا۔

"جس وقت آپ چاند تک جانے والے مصنوعی سیارے میں سوار ہوئے تو آپ کے دل میں کیا خیال تھا۔"

خلانورد مسکرایا اور بولا۔

"مجھے تو یہ فکر ستا رہی تھی کہ اس سیارے کو خلا میں لے جانے والے راکٹ میں جو اشیاء استعمال کی گئی ہیں، وہ سب سے کم رقم کا ٹینڈر داخل کرنے والے ٹھیکے داروں نے مہیا کی تھیں۔"

عظمیٰ جبیں، لیہ

تحقیق

ایک پستہ قد تاجر انکم ٹیکس کے دفتر میں بڑی دیر سے گھور رہا تھا، ایک ایک کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا، ایک جگہ کسی نے پوچھا۔

"جناب آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

تاجر نے بے نیازی سے کندھے سکیڑتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تو صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ آخر میں کون لوگوں کے لئے دن بھر کام کرتا ہوں۔"

وردہ منیر، لاہور

مشورہ

ایک شرابی کی گاڑی پنکچر ہو گئی، اس نے ٹائر بدلنے کے لئے اسکرو نکال کر ایک جگہ رکھے تھے، اتفاق سے سب کے سب نالے میں گر گئے، سامنے ہی پاگل خانہ تھا، شرابی پاگل خانے میں گھس گیا اور ایک پاگل سے اسکرو مانگنے لگا، پاگل نے اس سے کہا۔

"آپ ایسا کیجئے باقی تین ٹائروں کے ایک ایک اسکرو نکال لیجئے اور چوتھے میں لگا دیجئے۔"

یہ سن کر شرابی کو بڑی حیرت ہوئی اور اس نے پوچھا۔

"ارے ہو تم پاگل ہو، پھر اتنی اچھی ترکیب تمہیں کیسے سوجھی؟" اس پر پاگل نے جواب دیا۔

"میں پاگل ہوں، شرابی نہیں ہوں۔"

ثمرہ شیرازی، چتوکی

اس طرح بھی ہوتا ہے

مہمان نے میزبان سے التجا کی۔

"جناب آج مجھے صبح چار بجے ضرور جگا دیجئے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر گاڑی چھوٹ جائے۔" اس پر میزبان نے فوراً کہا۔

"جی میں ضرور جگا دوں گا، اگر میں نے آج صبح آپ کو جگا کر گاڑی میں سوار نہیں کروایا تو میری بیوی آپ کے ساتھ مجھے بھی گھر سے نکال دے گی۔"

ضعہ حماد، کراچی

یکسوئی

پاگل خانے میں ایک پاگل دیوار سے کان لگائے بہت دیر سے کھڑا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سن رہا ہے، یہ سب کچھ ڈاکٹر بیٹھا دیکھ رہا تھا، جب بہت دیر تک وہ اسی حالت میں کھڑا رہا تو ڈاکٹر نے اس سے پوچھنے کی کوشش کی، پاگل نے "شش" کر کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا، ڈاکٹر نے سوچا دیکھیں تو سہی آخر کیا بات ہے، ہو سکتا ہے اس میں سے کوئی آواز وغیرہ آ رہی ہو، یہ سوچ کر وہ بھی دیوار سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا اور..... پانچ منٹ بعد وہ ہٹا اور پاگل سے کہنے لگا۔

"تم کیا سن رہے ہو؟ مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔" پاگل نے کہا۔

"اے پاگل! میں ایک گھنٹے سے یہاں کان لگائے کھڑا ہوں، جب مجھے کچھ سنائی نہیں دیا تو بھلا پانچ منٹ میں تجھے کیا سنائی دے گا۔"

مصباح فیصل، کوہاٹ

تعارف

ایک صاحب اپنے کتے کو لئے تفریح کے لئے نکلے، ان صاحب کے ایک دوست نے کہا۔

"اس گدھے کے ساتھ کہاں جا رہے ہو؟"

ان صاحب نے جواب دیا۔

"یہ گدھا نظر آ رہا ہے آپ کو؟" دوست نے فوراً کہا۔

"جی میں آپ سے نہیں کتے سے مخاطب ہوں۔"

عائشہ شہباز، لاہور

التجا

ایک معروف ڈاکٹر پہلے سے وقت مقرر کیے بغیر کسی مریض کو نہیں دیکھتا تھا، ایک نوجوان نے چار بار ٹیلی فون کیا، لیکن ہر بار ڈاکٹر نے یہ ہی جواب دیا پہلے میری سیکرٹری سے مل کر وقت مقرر کر لیجئے۔

پانچویں بار جب اسے یہ ہی جواب ملا تو اس نے التجا بھرے لہجے میں کہا۔

"اب تو ڈاکٹر صاحب مجھے آپ ہی سے ملنا ہے، آپ کی سیکرٹری کے ساتھ وقت طے کر کے تو میں چار شادیاں گزار چکا ہوں۔"

نسرین خورشید، جہلم

گھر کو آگ لگ گئی

ایک آدمی دوسرے کو بتا رہا تھا۔

"میرے کارخانے میں آگ لگ گئی، میں تباہ برباد ہو گیا، میرا کارخانہ جل کر راکھ ہو گیا۔"

دوسرے نے پوچھا۔

"تمہارے کارخانے میں کیا بنتا تھا؟"

جواب ملا۔

"آگ بجھانے کا سامان۔"

صائمہ مظہر، حیدر آباد

خوف

ایک آدمی پر بیوی کو گولی مارنے کے جرم میں مقدمہ چلا۔

جج نے پوچھا۔

"تم نے اپنی بیوی کو گولی کیوں ماری؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شوہر نے کہا۔

''جی میں نشانہ کہیں اور لگا رہا تھا، بیوی خود میرے سامنے آ گئی۔'' جج نے کہا۔

''چلو مانا کہ وہ خود تمہاری پستول کے سامنے آ گئی، لیکن تم نے دوسری گولی کیوں چلائی؟'' جواب ملا۔

''اس لئے کہ وہ پہلی گولی سے مری نہیں تھی۔''

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

شان بے نیازی

ایک شخص فٹ پاتھ پر لیٹے ہوئے فقیروں کے قریب سے گزرا تو دیکھا ایک فقیر کا منہ بند ہے، لیکن ایک روپیہ پچیس پیسے کی آواز برابر آ رہی ہے، اس نے قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فقیر نے یہ آواز ٹیپ میں بھر رکھی تھی۔

حیرت پر قابو پاتے ہوئے جب وہ اور آگے بڑھا تو ایک فقیر نے اپنے قریب بورڈ لگا رکھا تھا جس پر لکھا تھا۔

''یہاں روٹی بسکٹ اور چیک بھی لئے جاتے ہیں۔''

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

مجبوری

ایک صاحب سردی کی رات میں گاڑی چلا رہے تھے، دھند کی وجہ سے سامنے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اچانک ان کو گاڑی کے سامنے ایک لال بتی نظر آئی، انہوں نے اسی کے پیچھے گاڑی دوڑانی شروع کی۔

تھوڑی دیر بعد اگلی گاڑی رک گئی، انہوں نے خوب ہارن بجانا شروع کیا، جب سامنے والی گاڑی نہیں چلی تو وہ اپنی گاڑی سے نیچے اترے اور اگلی گاڑی والے سے کہنے لگے۔

''گاڑی روک کیوں رکھی ہے، چلاتے کیوں نہیں؟'' جواب ملا۔

''بھیا میں نے تو گاڑی اپنے گیرج میں پارک کر دی ہے۔''

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

مشورہ مفت

کرایہ دار نے مالک مکان سے کہا۔

''آپ کے گھر کی چھت ٹپکتی ہے، اسی لئے مرغیاں بھیگ رہی ہیں۔''

مالک مکان نے کہا۔

''پھر آپ موسم کا خیال کرتے ہوئے کچھ دنوں کے لئے مرغیوں کی بجائے بطخیں کیوں نہیں پال لیتے؟''

رانیا سحر، ملتان

مایوسی

ایک خاتون ٹیلی فون پر اپنی سہیلی سے باتیں کر رہی تھیں۔

''میں نے گھر پر بعض دوستوں کو بلایا تھا، بڑی تفریح رہی، تمہیں فون کیا تو پتا چلا کہ تم نہ جانے کہاں گئی ہو، میرے میاں شکار کو گئے ہوئے تھے، شیر کے شکار کو۔''

''اچھا۔'' سہیلی نے کہا۔

''تمہارے میاں شیر کا شکار کھیلنے گئے تھے؟ کیسا رہا شکار؟''

''بس ٹھیک ہی رہا۔'' خاتون نے مایوسیانہ لہجے میں کہا۔

''وہ زندہ واپس آ گئے۔''

حیدر رضا، جھنگ

خواہش

کسی ملک کے وزیر خزانہ بے تکلف احباب کے حلقے میں چہک رہے تھے۔

''بچپن کا زمانہ بھی کیا زمانہ ہوتا ہے، ان

دونوں میری تمنا تھی کہ بڑا ہو کر ڈاکو بنوں گا۔''

''مبارک ہو۔'' کسی ستم ظریف نے کہا۔

''مراد پوری ہوئی۔''

فاعذہ عبدالمنان، کراچی

ہزاروں خواہشیں ایسی

ایک عورت کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر ان کی سہیلی نے پوچھا۔

''ان تمام برسوں میں کیا آپ کو کبھی شوہر سے طلاق لینے کا خیال آیا؟''

اس عورت نے جواب دیا۔

''نہیں، صرف قتل کرنے کا۔''

عتیقہ منیر، سیالکوٹ

سچ

عدالت میں وکیل نے گواہ سے کہا۔

''تم بہت ہوشیار اور چالاک معلوم ہوتے ہو۔'' گواہ نے کہا۔

''میں بھی آپ کی تعریف میں یہ ہی بات کہہ سکتا تھا، لیکن کیا کروں میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جو کچھ بھی کہوں گا سچ کہوں گا۔''

صائمہ سلیم، گجرات

انتقام

ایک خاتون کو اس بات پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ بس میں اس کا خاوند جان بوجھ کر ایک خوب صورت لڑکی کے قریب کھڑا ہے، اچانک وہ لڑکی مڑی اور اس شخص کو ایک تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''لڑکیوں کے چٹکیاں لینے کا مزا۔''

جب دونوں شوہر اور بیوی بس سے اترے تو شوہر نے کہا۔

''میں جانتی ہوں چٹکی دراصل میں نے لی تھی۔''

نازیہ جمال، چکوال

میک اپ

معروف ہوٹل میں چیمبر آف کامرس کی پارٹی تھی، حمدان بزنس مین نے پوچھا۔

''خواتین کی عمر مردوں سے زیادہ کیسے ہو جاتی ہے؟'' ایک رنگ بنانے والے ادارے کے سربراہ مسٹر کاشف بولے۔

''خواتین کے چہرے کا رنگ انہیں لمبی عمر عطا کرتا ہے، ہمارا خیال ہے کہ جن عمارتوں کے رنگ و روغن کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، ان عمارتوں کی عمر بھی لمبی ہوتی ہے۔''

کمن رضا، چیچہ وطنی

غلطی

''کیا پریکٹس کے دوران آپ نے کبھی کوئی ناقابل فراموش غلطی کی ہے؟''

ایک مشہور معروف سرجن حیدر شاہ کے دوست حسن نے بے تکلفانہ انداز میں سوال کیا۔

''جی ہاں، صرف ایک دفعہ میرے دوست۔'' حیدر شاہ نے بتایا۔

''کیا وہ بہت خطرناک غلطی تھی؟'' حسن نے پوچھا۔

''جی ہاں، بے حد خطرناک۔'' حیدر شاہ نے بتایا۔

''یار کیسے؟'' حسن نے مزید پوچھا۔

''ایک شخص میرے پاس آپریشن کے لئے آیا، میں نے آپریشن کر دیا اور ایک ہزار روپیہ فیس وصول کر لی۔'' ڈاکٹر حیدر شاہ نے بات ختم کر دی۔

''یہ کیا غلطی ہوئی یار حیدر؟'' حسن نے مزید استفسار کیا۔

''نہیں حسن یار! مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپے تھے۔'' ڈاکٹر حیدر شاہ نے مزید وضاحت کی۔ ☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک نظم
"آس"

جاناں
میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا دیتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات اک بھولی بسری ہوئی دعا بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے
ہیں
یوں میں نے
اب کے سال بھی جاناں
سبز رتوں کا پہلا پھول
ایک تیری خاطر
شاخ شجر سے توڑ کے اپنی زرد کتاب میں لا کھا
ہے

شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے ایک غزل

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم زندگی کا ایک سال ہوا
آج زندگی کو عروج ملا
آج لمحات کو زوال ہوا
سوچ کی جھیل میں گرا پتھر
بے سبب منتشر خیال ہوا
یاد کرکے وصال کے لمحے
دل یہ پاگل بہت نڈھال ہوا
اتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا
لوگ دیکھے بہت مگر اب تک
کوئی تیری کہاں مثال ہوا
کوئی جا کر ذرا اسے کہہ دے
ہجر میں کیا ہمارا حال ہوا

حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک نظم
"اب کہ برس کچھ ایسا کرنا"

اب کے سال کچھ ایسا کرنا
اپنے پچھلے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
پچھلی یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کا
اک اک موڑ احاطہ کرنا
ساری صحبتیں حاضر رکھنا
ساری شامیں پاس بلانا
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا

کرتو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
پھر تو تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کہ سال تم ایسا کرنا

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے ایک نظم
"آ لگا جنگل در و دیوار سے"

آ اور میرے وجود میں اتر
آ میں تمہاری آنکھیں، تمہارے ہونٹ
تمہارے رخسار اور تمہاری پیشانی چوموں
تمہاری ٹھوڑی پہ بوسہ دوں
تمہیں کاجل لگاؤں
تمہارے بال سنواروں
اور تمہاری مانگ میں ستارے بھر دوں
اور تمہارے شانوں پہ سر رکھ کر
بچھڑے لوگوں
اور بیتے ہوئے لمحوں کو یاد کروں
اور ٹوٹ کے چاروں طرف بکھرے
آئینوں کی کرچیاں چن چن کر
تمہیں اپنی زخمی پوریں دکھاؤں
اے رات
آ اور میرے وجود میں اتر
اور میری ہتھیلیوں پہ آئینہ آئینہ
اپنا تمام روپ پھیلا دے

اروخ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
اب جیون رستہ دلدل ہوگا
جب چاند تنہا پاگل ہوگا
اور من میرا بے کل ہوگا
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب برف گری پہاڑوں پر
جب یخ بستہ ہوائیں سرخی پھیلائیں
صبیح رخساروں پر
جب لمحے ہنسے بہاروں پر
جب بادِ صبا ٹھہری کہساروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب آنکھوں میں رات گزرے گی
اور خواہش زمیں پہ بکھرے گی
جب رنگ نہ ٹھہرے نظاروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب خوشیاں ساری چن لو گے
جب دسمبر کے دن گن لو گے
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
اب آؤ کہ برف گر گئی ہے
رخسار بھی سرخ اور چاند بھی پاگل ہے
آؤ کہ من بے کل ہے
آؤ کہ نظارے خالی ہیں
آؤ کہ نقش ادھورے ہیں
آؤ کہ عکس نہ پورے ہیں
آؤ کہ دسمبر آخر ہے
تم آ جاؤ
تم کہتے تھے کہ آؤ گے

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک غزل

کوئی سنگ رہ بھی چمک اٹھا تو ستارہ سحری کہا
مری رات بھی تیرے نام تھی اسے کسی نے تیرہ شبی کہا
مجھے جانتا بھی کوئی نہ تھا، مرے بے نیاز تیرے سوا
نہ شکست دل نہ شکست جاں کی تیری خوشی کو خوشی کہا
کوئی یاد آ بھی گئی تو کیا، کوئی زخم کھل بھی اٹھا تو کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو صبا قریب سے ہو چلی اسے منتوں کی گھڑی کہا
بھری دوپہر میں جو پاس تھی وہ تیرے خیال کی چھاؤں تھی
کبھی شاخ گل سے مثال دی، کبھی اس کو سرو سہی کہا
کہیں سنگ دہ کہیں سنگ در کہ میں پتھروں کے نگر میں ہوں
یہ نہیں کہ دل کو خبر نہ تھی، یہ بتا کہ منہ سے کبھی کہا

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک غزل

اسے تو کھو ہی چکے پھر خیال کیا اس کا
یہ فکر کیسی کہ اب ہو گا حال کیا اس کا
وہ ایک شخص جسے خود ہی چھوڑ بیٹھے تھے
گھلائے دیتا ہے دل کو ملال کیا اس کا
تمہاری آنکھوں میں چھلکیں ندامتیں کیسے
جواب بننے لگا ہے سوال کیا اس کا
تمہارے اپنے ارادوں میں کوئی جھول تھا
کہو کہ ملنا تھا ایسا محال کیا اس کا
وہ نفرتوں کے بھنور میں بھی مسکرا کے ملا
اب اس سے بڑھ کر بھلا ہو کمال کیا اس کا
اب اس طرح بھی نہ یادوں کی کرچیاں چبھنے
یہ تھا فراق سے بہتر وصال کیا اس کا
یہ سوچ کر نہ ملے پھر اسے کبھی خالد
کہ جانے ہو گا ندامت سے حال کیا اس کا

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

ارادہ جو بھی کرتا ہوں بالآخر توڑ دیتا ہوں
میں اپنے آپ کو مشکل میں تنہا چھوڑ دیتا ہوں
ہنر اب آ گیا مجھ کو وفاؤں کے پرکھنے کا
دکھاوے کی ہر اک چاہت میں واپس موڑ دیتا ہوں
نجانے ضد ہے یہ کیسی انا میں اور محبت میں
تعلق توڑتا ہے تو میں تعلق جوڑ دیتا ہوں
میں اکثر یوں شب غم میں اذیت خود کو دیتا ہوں
پھپھولے اپنے دل کے اپنے ہاتھوں پھوڑ دیتا ہوں
وہ لمحے تیری قربت کے مجھے جب یاد آتے ہیں
پھر اپنے صبر کا دامن بھی میں اکثر چھوڑ دیتا ہوں
الجھتی ہے جب کہانی وفاؤں اور جفاؤں کی
کمال ضبط سے میں پھر اک نیا موڑ دیتا ہوں

زاہدہ اظہر: کی ڈائری سے ایک غزل

یہ سال بھی اداس رہا روٹھ کر گیا
تجھ سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا
عمر رواں خزاں کی ہوا سے بھی تیز تھی
ہر لمحہ برگ زرد کی صورت بکھر گیا
کب سے گھرا ہوا ہوں بگولوں کے درمیاں
صحرا بھی میرے گھر کے درو بام ہو گیا
دل میں چبھتے چبھتے وہموں کے بوجھ سے
وہ خوف تھا کہ رات میں سوتے میں ڈر گیا
وہ بات معتبر تھی وہ سر سے گزر گئی
جو حرف سرسری تھا وہ دل میں اتر گیا
ہم عکس خون دل میں لٹاتے پھرے مگر
وہ شخص آنسوؤں کی دھنک میں نکھر گیا
محسن یہ رنگ و روپ یہ رونق بجا مگر
میں زندہ کیا رہوں کہ میرا جی تو بھر گیا

فضہ بخاری: کی ڈائری سے ایک نظم

"دسمبر"

مہینوں کی پرانی شال اوڑھے
جھیل کے پرانے کنارے پر کھڑا
سیٹی بجا کر چاند کو نیچے بلا رہا ہے
جنوری کے بدن پر
ماتمی تنہائیاں پینٹ کر رہی ہیں
اور نیچے پہاڑی گاؤں میں
نئے برس کا جشن تھا

حنا زبیر احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

گل زباں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہاری ہاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
درخت پہ جو بھی چوڑیوں سے ڈالا

اس اک نشاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
سلگ رہی ہیں ذہن میں قبائیں لفظوں کی
مگر زبان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہارے آنے پہ سورج کے ہاتھ چمکیں گے
مرے مکاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
تیری جدائی کے پل سے ہوا ہے عشق حنوط
کہ اس جہاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
وہ مجھ کو سونپ گیا فرصتیں دسمبر کی
درخت جاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
ہمارے لب تو دعائیں جلائے رکھتے ہیں
پر آسماں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

اُم رباب: کی ڈائری سے ایک نظم

کھیل دھوپ چھاؤں کا
صحن صبح نو میں ہے
وہ قدیم راستے
شہر وہ خیال کے
حسن جن کا دور ہے
تھا سفر میں یار سا
ان کی ایک جھلک بھی ہے
سامنے کی دید میں
آج کے اقرار میں
آنے والے دور کے
خوش نما غبار ہیں
ان کی اک مہک بھی ہے
چاہتوں کے سال میں
جلسہ وصال سی
آج کی بہار میں

نعیمہ بخاری: کی ڈائری سے ایک نظم

چلو اس خواب کو ہم ترک کر دیں
اور آنکھوں کو یہ سمجھا دیں
کہ ہر تصویر میں ہلکا گلابی رنگ چاہنے سے نہیں
آتا
بہت سے نقاش ازل ایسے بناتا ہے
کہ جن کا حاشہ گہرا سیہ
اور نقش ہلکا سرمئی رہتا ہے
اور جن پر کسی بھی زاویے سے چاند اترے
یہ کبھی روشن نہیں ہوتے
خدا کچھ کام آدھی رات کو کرتا ہے
جب اس کے پیالے میں
سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا
یہ خاکہ بھی
کسی ایسی ہی ساعت میں بنا ہو گا
ہماری آنکھ میں جو خواب اترا تھا
بہت خوش رنگ لگتا تھا
مگر اس کے دمکنے میں
کئی آنکھیں لہو ہوتیں
کتابوں اور پھولوں سے سجے جس گھر کے
آنگن میں
ہم اپنے آپ کو کھلتے ہوئے محسوس کرتے ہیں
وہاں اک اور گھر بنیاد سے یوں سر اٹھاتا ہے
کہ ہم اندر سے ہل جاتے
مگر چپ چاپ رہتے تھے
یہ چپ دیمک کی صورت ہم کو اک دن چاٹ جاتی
تمہارے دکھ سے میں واقف ہوں
اور اپنے مقدر کی لکیروں کی بھی محروم ہوں
ہمارے بس میں رنگوں کو چناؤ ہے
نہ خط کا
سو اس تصویر کو تحلیل کر دیں
ہم اپنا کینوس تبدیل کر دیں

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



CAPRICORN

برج جدی

سیارہ زحل

23 دسمبر تا 20 جنوری

نام کے پہلے حروف

ج۔خ۔گ

نام کا پہلا حرف		گ۔خ۔ن
نشان		بکرا
عنصر		خاک
مبارک دن		ہفتہ
خوش بختی کا ہندسہ		8

دوسرے برج سے تعلقات

بہترین		ثور، سنبلہ
بہتر		قوس، قوت
غیر جانب دار		جوزا، میزان
غیر یقینی		حمل، ثور

جدی افراد کی علامت بکرا ہے بعض اوقات پہاڑی بکرا اور بعض اوقات بحری بکرا، پہاڑی بکرا عموماً ایک چٹان پر دکھایا جاتا ہے جو کہ بلندی پر تن تنہا اپنا توازن برقرار رکھے ہوئے ہوتا ہے، بحری بکرا نصف بکرا اور نصف مچھلی ہوتی ہے اور آگے بڑھنے اور گہرائی سے محسوس کرنے کی نمائندگی کرتا ہے، ان کی قدیم علامت گینڈا تھی، گینڈے کا اکلوتا سینگ جدی افراد کی اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے واحد سوچ کی علامت ہے، وہ ارتکاز توجہ کی شدید قوت رکھتے ہیں اور وہ کسی ایسی ریس کو نہیں چھوڑتے جو ان کے لئے اہمیت رکھتی ہو، دنیا کی دوڑ میں وہ خرگوش کی بجائے کچھوے کی چال چلتے ہیں اور سب بہتر جانتے ہیں کہ آخر کار مقابلہ کس نے جیتا تھا۔

وہ اپنے مقاصد کے بارے میں مستقل مزاجی سے کام لیتے ہیں اگرچہ وہ اپنے طریقوں کو حالات کے مطابق بروئے کار لاتے ہیں، وہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں اور موقع ملنے پر اس سے فائدہ اٹھانا بھی جانتے ہیں اگرچہ وہ جلد فیصلہ کرنے میں وقت محسوس کرتے ہیں۔

ان کی تہہ در تہہ نفسیات کے اندر بڑے بڑے منصوبے چھپے ہوتے ہیں، وہ اسٹیبلشمنٹ میں داخل ہیں کر کروڑوں روپے کمانے کے تصورات رکھتے ہیں، وہ اکثر تصور کرتے ہیں کہ

پیس (Pace) میں ان کے نام کا بھی سائن بورڈ لگا ہو، وہ جن لوگوں کا احترام کرتے ہیں وہی لوگ ان کے مقاصد کو تسلیم بھی کرتے ہیں، گھریلو زندگی میں بھی وہ اپنے جیون ساتھی کو کچھ نہ کچھ کرنے پر اکساتے رہتے ہیں۔

بحران پر قابو پانے کی صلاحیت، وفادار

جدی افراد میں بحرانوں پر قابو پانے کی صلاحیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، ان کے کسی دوست کو کسی ایمرجنسی کا سامنا ہو تو وہ فوراً حرکت میں آجاتے ہیں، انہیں مرد بحران کہا جاسکتا ہے، مشکل کے وقت ان کا دماغ بڑی تیزی سے کام کرتا ہے، بحران پر قابو پانے میں ان سے بہتر اور کوئی شخص بمشکل ہی ملے گا، وہ صورتحال کو کنٹرول میں لے آتے ہیں۔

وہ مشکل حالات کا چیلنج قبول کرنا پسند کرتے ہیں اور خم ٹھونک کر میدان عمل میں کود پڑتے ہیں اور اپنی خوش اسلوبی سے ریت میں پھول کھلانے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں، وہ ہر اس صورتحال میں لطف اندوز ہوتے ہیں جس میں ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو تسلیم کیا جائے۔

احساس ذمہ داری، وقف برائے دوستاں

جدی افراد سرتاپا وفادار ہوتے ہیں، وہ خود کو دوسروں بالخصوص دوستوں کے لئے وقف کئے رکھتے ہیں، وہ ایک فرض شناس ماتحت ملازم اور ایک ذمہ دار انسان ہوتے ہیں، وہ ایک واضح نصب العین رکھتے ہیں اور اس کے لئے دن رات تگ و دو کرتے ہیں، وہ دل کے بہت اچھے ہوتے ہیں اور کسی کے خلاف میل نہیں رکھتے، وہ اپنی ذات سے بھی اس قدر مخلص ہوتے ہیں جس قدر دوسروں کے ساتھ شاید ثور سے زیادہ کتابی کھاتے سنبھالنے، حساب کتاب رکھنے، نیز دولت اور جائیداد کی حفاظت کرنے والا سوائے جدی کے پورے دائرہ البروج میں اور کوئی نہ ملے، وہ اپنے پیسے کو نہایت احتیاط سے ضرورت کی اشیاء پر لگاتے ہیں اور خریداری کے وقت مول تول کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، وہ اپنی کوششوں کی تعریف سننا بھی پسند کرتے ہیں اور اس طرح اپنی شناخت قائم کرتے ہیں۔

مجموعہ تضادات

کون سوچ سکتا ہے کہ جدی افراد اپنی خود انحصاری کے جامع انداز کے باوجود مجموعہ تضادات ہوں گے۔

دراصل وہ اتنے ہی جذباتی ہوتے ہیں جتنے کہ تنقیدی اور محتاط ہوتے ہیں، وہ جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ دبے ہوئے بھی ہوتے ہیں، وہ اپنے مواقع کے بارے میں امید پرست ہوتے ہیں لیکن سوائے اس حالت کے جب وہ دباؤ کا شکار ہوں، تب وہ انسانی فطرت کے بارے میں یاس پرستی کا شکار ہوتے ہیں، وہ بہت بلند خیالات کے مالک ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی ذات کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار بھی ہوتے ہیں، وہ بیک وقت فیاض اور کنجوس ہوتے ہیں، وہ خود کفالت کا رجحان رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ آڑے وقت میں اپنے جیون ساتھی سے بھی تعاون کی توقع کرتے ہیں، وہ محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر ڈالتے ہیں لیکن انہیں سچی محبت کی تلاش میں پوری عمر لگ جاتی ہے۔

جذباتی، تنقیدی

جدی افراد نئے علاقوں میں بڑے آہستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روی سے چلتے ہیں اور ریہرسل کے بغیر کبھی نئے دوستوں کے ساتھ لمبے چوڑے وعدے نہیں کرتے، لیکن وہ جب بھی محبت کرنے پر آتے ہیں تو ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور اپنا سب کچھ اپنے محبوب کو سونپ دیتے ہیں، ایک بار ان کے جذبات کا پنڈورا باکس کھل جائے تو وہ کسی قسم کی حدود و قیود کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، بدقسمتی سے ان کی محبت کے ساتھ ساتھ ان کی تنقیدی کی عادت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

وہ عہد و پیمان سے ہچکچاہٹ کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ وہ عموماً مسترد کئے جانے سے خوفزدہ ہوتے ہیں، تاہم وہ تمام جوابات تلاش کرنے اور تمام خطروں کا حساب لگانے کے بعد ہی تعلق جوڑتے ہیں، وہ اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آیا ان کی محبت سماجی وقار، حسی تسکین اور خاندانی منظوری کے حوالوں سے کیا اہمیت رکھتی ہے، نیز یہ بعض اوقات وہ اسی شش و پنج میں اتنا وقت ضائع کر دیتے ہیں کہ آیا ہوا موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے، وہ دوسروں میں بے اعتباری پیدا کرنے کا باعث بھی بنتے ہیں بالخصوص ان لوگوں میں جن میں صبر و تحمل کی کمی ہوتی ہے، انہیں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ زندگی میں کسی چیز کی مکمل ضمانت نہیں دی جا سکتی حتیٰ کہ بڑے مختصر عرصہ کے لئے بھی نہیں۔

جنسی امنگیں، کمزوریاں

جدی افراد کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں مجروح ہونے کا مستقل خوف لاحق رہتا ہے، اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب میں کتنی کثرت سے غلطیاں نکالتے رہتے ہیں، ان کی یہ دلیل بھی ہو سکتی ہے کہ جب تک ان کا محبوب ان کے ساتھ تمام معلومات میں ہم آہنگی اختیار نہیں کرتا اس وقت تک وہ اپنی محبت کے بھرپور اظہار سے گریز کریں گے، جب وہ اپنی قسم توڑتے ہیں اور محبت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں تو وہ خود کو کمزور محسوس کرتے ہیں اور ان کا آرام و سکون ختم ہو کر رہ جاتا ہے، اس وقت ان کی ذات کا دوسرا پہلو بھر کر سامنے آتا ہے، بادشاہوں جیسے با ضابطہ انداز کے اندر سے ایک کمزور سا بچہ سامنے آتا ہے جس کے لئے اپنی خوشی پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔

اگر وہ محبت کرنے پر آئیں تو پھر کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھتے چنانچہ وہ اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے تھوڑا توقف کرتے ہیں حتیٰ کہ دوسرے شخص کے بارے میں تقریباً یقین دہانی حاصل کر لیتے ہیں۔

مادہ پرست

جدی افراد دولت کی کشش اور اس کی چکاچوند کے جال کے خلاف ہمہ وقت اپنی ذات کے ساتھ برسرپیکار رہتے ہیں، وہ دولت اور مقام کے متمنی ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے چاہے اور جمع کرنے کے مذہبی نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے احساس جرم کا بھی شکار ہوتے ہیں، وہ وقتاً فوقتاً اعلیٰ لباس، ہیرے جواہرات، گاڑی بنگلہ اور کسی پرفضا پہاڑی مقام پر گھر بنانے کی خواہش کرتے رہتے ہیں، وہ اپنے اردگرد مادہ پرستی کے تحفظ کا جال بچھائے رکھنا چاہتے ہیں۔

جدی افراد کے مادہ پرستانہ رجحانات کا خطرہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی نمو کو داؤ پر لگا کر اپنی صلاحیتیں سونے اور چمک دمک کے حصول میں صرف کر ڈالیں، وہ تحفظ کو واحد حقیقت کے طور پر تسلیم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

دنیا اور زندگی تبدیلی اور لچک کا ایک پراسیس ہے، جدی افراد اس دور میں بھی اس قدیم خیال کے حامل ہو سکتے ہیں کہ کائنات اور دنیا اپنے اندر محض جامد مادہ رکھتی ہیں، جدی افراد کو یاد رکھنا چاہیے کہ آئن سٹائن نے اس بارے میں ایک بالکل جدید نظریہ پیش کیا ہے، جدی افراد کو چاہیے کہ زندگی اور اپنی ذات کی روانی کے بارے میں آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی طرح تعلق ڈھونڈیں، مادہ پرستی کی دنیا میں اس قدر نہ کھو جائیں کہ ہر وقت دو اور دو چار کرنے کے چکر میں رہیں اور اسی چکر میں اپنا آپ بھی فراموش کر ڈالیں۔

اخلاقیات، سخت اصول

جدی افراد اخلاقیات کے مضبوط احساس کے ساتھ جنم لیتے ہیں، ان کے اخلاقی اصول بڑے سخت قسم کے ہوتے ہیں جن میں ذرہ برابر لچک نہیں ہوتی، وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ غلط اور درست کا امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور برائی میں سے اچھائی کی چھان بین کرنا ان کا خاصہ ہے اور اس میں انہیں ناکامی نہیں ہوتی، حتیٰ کہ بچپن میں بھی وہ اپنے کھلونوں کو مختلف درجات میں تقسیم کرتے ہیں، ناپ تول کر بات کرتے ہیں اور ایک بے ترتیب انداز زندگی پر ایک واضح، شفاف اور تکرار آمیز گھریلو معمول کو ترجیح دیتے ہیں۔

وہ اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو کہ کم از کم ایک ہفتہ پہلے اپنا روزمرہ کا شیڈول ترتیب دیتے ہیں، وہ اپنی غیر معمولی عادتوں میں تبدیلی لانا اور انہیں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا بہت کم عمل میں لاتے ہیں، ان کے نزدیک ہر وہ چیز غیر عمولی ہے جسے وہ قبول نہ کریں۔

ماضی اور روایات میں کھونا

جدی افراد کسی کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا کہ ماضی کا، وہ ماضی کو شان و شوکت سے بھرپور اور حال و مستقبل کی نسبت زیادہ چمکتا دمکتا محسوس کرتے ہیں۔

وہ اکثر پائیداری، ہدایت، تحفظ اور اصل کو پسند کرتے ہیں، زندگی کی ہر شے کو اپنے نظریات کے ساتھ لگا رکھنے کے لئے نوادرات کو ترجیح دیتے ہیں، وہ مضبوط قسم کا فرنیچر پسند کرتے ہیں، وہ کسی شے کے برانڈ نام کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، وہ صرف اور صرف بہترین کی خواہش رکھتے ہیں کیونکہ اس سے پائیداری اور سماجی وقار کی نشاندہی ہوتی ہے۔

وہ خاندانی اقدار کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے والدین کی نسبت اپنے شجرہ نسب کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں، وہ اپنے بچوں بھائیوں اور بہنوں کو پرانے زمانے کے آداب اور اخلاقیات ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ہر جگہ اپنا ہاتھ اوپر رکھنا چاہتے ہیں اور اپنے حق کی آواز بلند کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں جس پر ان کا کامل یقین بھی ہوتا ہے۔

کئی طرح اپنے متضاد برج سرطان سے مشابہت ہیں جو کہ ان کی طرح مادہ پرست، تصوراتی اور رسوم کا پابند ہوتا ہے، وہ گارنٹی شدہ مستقل تعلقات قائم کرنا پسند کرتے ہیں، تاہم وہ نیکی اور بدی کی سخت اور خود ساختہ تعریفوں کے قائل ہوتے ہیں۔

عدم تحفظ، خود اعتماد، شاہانہ

جدی افراد ایک مسحور کن معما ہوتے ہیں، وہ اس بارے میں قابل اعتماد ہوتے ہیں کہ وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کے ساتھ ہے اور وہ ایسا سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ مضبوط اور کمپیٹنٹ (Competent) ہوتے ہیں، وہ اپنی منزل کا شعور رکھتے ہیں اور اپنی منزل کو پانے کے لئے دن رات محنت کرتے ہیں۔

جب محبت کی بات ہوتی ہے تو محبت کے معاملہ میں وہ عدم تحفظ کا شکار ہوتے ہیں، وہ تعلقات قائم کرنے میں شرمیلے پن کا رجحان رکھتے ہیں، انہیں اپنی گرفت میں لینے کا طریقہ یہ ہے کہ انتہائی محبت اور شفقت کا اظہار کیا جائے پھر بھی وہ مکمل طور پر اسیر نہیں ہوتے، ان کی مثال سیپ میں بند موتی کی سی ہوتی ہے جسے کوئی ماہر ہی دریافت کرسکتا ہے۔

انتخاب پسند، منتشر

جدی افراد کے عدم تحفظ پر مبنی اعتماد کی عجیب و غریب قسم ان کی زندگی میں بہت سے ڈراموں کو جنم دیتی ہے وہ بحرانوں، نقصان اور عروج و زوال سے خوب آشنا ہوتے ہیں، وہ انتہائی انتخاب پسند ہوتے ہیں لیکن دوسروں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے ضمن میں وہ حقیقت پسندی سے کام نہیں لیتے ہیں اور اکثر غلط افراد کا انتخاب کر لیتے ہیں، وہ حاجت مندوں بھولے بھٹکوں اور ضعیف افراد کی مدد کرنے میں اپنی توانائی صرف کر ڈالتے ہیں، ان کا پیدائشی اعتماد انہیں بار بار ہر شاہراہ پر چلنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے، وہ معیار کی بجائے مقدار کو ترجیح دینے کا رجحان رکھتے ہیں، بعض اوقات جب وہ دباؤ یا نفرت کا شکار ہوں تو وہ اپنا شاہی رکھ رکھاؤ فراموش کر ڈالتے ہیں لیکن کوئی بھی نیا واقعہ نہیں راستہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور وہ ایک بار پھر سر اٹھا کر شاہانہ امتیاز کے ساتھ چلتے نظر آتے ہیں، لیکن اپنے گھر کی آرائش و زیبائش کے بارے میں اپنے دوستوں سے مشورہ مانگتے نظر آئیں گے، اس طرح بچوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں وہ خود کوئی فیصلہ کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔

محتاط، خطرات سے گریز

پہاڑی بکرا مضبوطی سے قدم جماتا ہے لیکن محتاط بھی ہوتا ہے، جدی افراد بخوبی جانتے ہیں کہ بلا سوچے سمجھے اٹھایا جانے والا ایک قدم انہیں بہت نیچے لا کر پھینک سکتا ہے، جدی افراد اکثر ضربات اور تاخیر کا شکار ہوتے رہتے ہیں، وہ اس پر غور و فکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بڑی احتیاط سے قدم جماتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، وہ پیراکی میں مہارت رکھنے کے باوجود بہت کم پانی میں کودتے ہیں۔

جدی افراد میں اپنی زندگی کی سمت متعین کرنے کے لئے عمل شعور اور مہارت ہوتی ہے لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے باوجود مستقبل پر قابو نہیں پا سکتے لہٰذا اپنی محتاط پسندی کا ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کریں، انہیں چاہیے کہ بالخصوص انسانی تعلقات کے حوالے سے کچھ نپے تلے خطرات مول لیں اور سکور گننے کی کوشش مت کریں، ان کے حاکم سیارے زحل کا قانون آفاقی انصاف ہے اور جدی افراد اس سے محروم نہ رہیں گے۔

عملی، حقیقت پسند

جدی افراد عمل افراد ہوتے ہیں جو کہ اپنے قلیل المیاد یا طویل المیاد اہداف کو بہت کم نظر انداز کرتے ہیں، وہ صورتحال کے نفع و نقصان کا تخمینہ لگانے میں ماہر ہوتے ہیں۔

وہ اپنے محبوب کی ساتھ تعلقات میں اس قدر حقیقت پسندی کا اظہار کرتے ہیں جس قدر اپنی کمپنی کے ساتھ وہ بھرپور تیاری کے ساتھ آتے ہیں اور کوئی چانس نہیں لیتے، وہ کوئی بھی عمل کرنے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لینے کے عادی ہوتے ہیں۔

وہ اپنی حمایت میں جس ثبوت کو ٹھوس اور مبنی بر حقیقت سمجھتے ہیں، اسے اپنے وجدان کے حق میں استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنی تمام تر سرگرمیوں کو عملی حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے دیکھنے کی خواہش مند ہوتے ہیں، اگر وہ پودے اگاتے ہوں تو وہ بخوبی جانتے ہوں گے کہ ہر پودے کو زیادہ سے زیادہ نشوونما کے لئے سورج کی روشنی اور دیگر تعذیہ کی کتنی مقدار میں ضرورت ہوتی ہے کیونکہ بالآخر منافع (اور لطف و مسرت) کا دارومدار پودے کی صحت پر ہے، اگر وہ ایڈمنسٹر ہوں تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ ایسے پراجیکٹ پر کام کریں جو زمینی وسائل کو عملی استعمال میں لائیں۔

تنظیمی صلاحیت، طویل یادداشت

جدی افراد اپنی نجی زندگی کی نسبت اپنی کاروباری زندگی میں زیادہ منظم ہوتے ہیں، وہ اپنے اکاؤنٹ میں اضافہ پر نظر رکھتے ہیں لیکن ان کا بیڈروم نوادرات کی کسی دوکان کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے، وہ چیزوں کو اپنے دفاع میں محفوظ رکھتے ہیں یعنی ان کی یادداشت قابل رشک ہوتی ہے، ان سے پوچھا جائے کہ پچھلے سال فلاں پودے کی قلمیں کہاں لگائی گئی تھیں تو وہ باغ میں عین اسی مربع فٹ کی نشاندہی کر دیں گے جہاں وہ قلمیں لگائی گئی تھیں۔

وہ معلومات اکٹھی کرتے ہیں اور جزئیات کے معاملہ بھی ہاتھی جیسی یادداشت کے مالک ہوتے ہیں، وہ سوئی دھاگے جیسی معمولی، بے کار اشیاء بھی سنبھال کر رکھتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت فوری دستیاب ہو سکیں، وہ کسی حد تک ایک ذخیرہ اندوز ہوتے ہیں جن کے پاس بھانت بھانت کی اشیاء جمع ہوتی ہیں لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ اشیاء جمع کرنے والے اور ذخیرہ اندوز میں کیا فرق ہوتا ہے۔

استعداد کار اور وفاداری کے لحاظ سے وہ بہترین والدین یا نرسری سکول ٹیچر ثابت ہوتے ہیں، بچے ان کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں اور وہ فوراً سے پیشتر انہیں کھیلوں اور دیگر سرگرمیوں کے لئے تیار کر لیتے ہیں، وہ ہر چیز اور ہر شخص کی تنظیم یا کم از کم جس کی وہ چاہیں کر سکتے ہیں، اگر لوگ ان کے لگے بندھے معمولات کو پسند نہیں کرتے تو وہ ان کی مہارت کے ضرور قائل ہوتے ہیں۔

ان کی یادداشت جو کہ اگرچہ ان کے لئے رحمت ہوتی ہے، بعض اوقات ان کے لئے دکھ اور پریشانی کا باعث بھی بن سکتی ہے کیونکہ وہ چھوٹی سی بدمزگی کو بھی بہت کم بھولتے ہیں اور تنقید کو تو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

طنز و مزاح کے شائق

مزاح ان کی زندگی میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، وہ اسے اپنی جارحیت پسندی کے اظہار کے طور پر استعمال میں لاتے ہیں، وہ اپنے غصے کو بہت کم تسلیم کرتے ہیں، بلکہ کسی لطیفہ کے ذریعہ اپنی نفرت اور غصہ کے اخراج کا پیغام دیتے ہیں، بے شک بعض لطائف دوسروں کی ذات کو مجروح کرنے کا سبب بنتے ہیں لیکن یہ ان کا مسئلہ ہوتا ہے۔

جدی افراد میں ایک شاندار کامیڈین کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روح چھپی ہوتی ہے، وہ ٹائمنگ کے بارے میں ایک جامع اور بھرپور شعور رکھتے ہیں، وہ سٹیج پر بھی اسی طرح چہکتے ہیں جس طرح کبھی کبھار بغیر ناظرین کے، وہ سیاسی طنز کو پسند کرتے ہیں اور اس کا اظہار کارٹونز کی شکل میں کرتے ہیں۔

موڈی، منتشر

مزاح کے باوجود جدی افراد موڈی ہوتے ہیں، وہ اس قدر اچانک موڈ بنا لیتے ہیں، وہ بڑے سکون سے ٹی وی دیکھتے دیکھتے اچانک بگولے کی مانند کمرے سے باہر نکل جاتے ہیں، غم کے دورے اور چیخ و پکار ان کے لئے کوئی بات نہیں ہوتی، اکثر ان کے موڈ کی تبدیلی کی کوئی وضاحت پیش نہیں کی جا سکتی لیکن وہ زندگی میں زیادہ تر حقیقی اور دوٹوک انداز اختیار کرتے ہیں۔

ان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ خوش کیونکر رہا جائے، انہیں یہ سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، غم ان کی روح کی گہرائیوں میں پنہاں ہوتا ہے، وہ طویل دورانیہ کی ڈپریشن اور تشکیک ذات میں مبتلا ہونے کا رجحان رکھتے ہیں، والدین کی سخت سرزنش، استاد کی تنقید، کسی دوست کا کھو جانا یا ناکامی کا خوف ان کے ڈپریشن میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

جدی عورت

برج جدی پر سیارہ زحل حکومت کرتا ہے، زحل روایتی طور پر فرض، ذمہ داری اور تاخیر سے تعلق رکھتا ہے، یہ ایک پراسرار سیارہ تصور کیا جاتا ہے، چونکہ جدی کا حکمران سیارہ حکومت اور انصاف کی خصوصیات رکھتا ہے اس لئے جدی عورت خود بھی غیر متعصب اور منصف مزاج ہوتی ہے، جدی عورت اپنے قول و فعل میں تناسب کی بناء پر پھل پاتی ہے، مثبت ہونے کی صورت میں وہ دنیا کی ہر چوٹی سر کر سکتی ہے جبکہ منفی ہونے کی صورت میں اسے اپنے آگے ایک طویل جانگسل جدوجہد کی توقع کرنی پڑتی ہے۔

جدی عورت عموماً سنجیدہ اور تنہا خواب دیکھنے والی عورت ہوتی ہے، دولت اور عزت اس کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے، وہ عموماً تحفظ، نظم و ضبط، آئیڈیل مرد اور خوبصورت بچوں کی شیدائی ہوتی ہے، وہ سرپرائز سے بھرپور ہوتی ہے اور تنہائی کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔

جب جدی عورت مرد کی محبت میں مبتلا ہوتی ہے تو وہ ایک شہزادی کی طرح باوقار نظر آتی ہے مگر بیڈروم میں اپنے مرد کی کنیز بننا پسند کرتی ہے، وہ شاندار زندگی اور محبت کے راستے کو ہموار کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے، وہ اپنے محبوب کی ٹیبل پر اپنی تیار کردہ ہلکی پھلکی اشیاء رکھنا پسند کرتی ہے اور اس طرح اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

جدی عورت رومان پرست ہوتی ہے اور اپنی عمر سے بڑے افراد کو پسند کرنے کا رجحان رکھتی ہے، وہ ایسے مرد کو پسند کرتی ہے جو ایک معزز شہری اور اپنے فیلڈ میں سرگرم عمل ہو لیکن تعلقات کے فروغ کے لئے صرف سماجی مقام ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک باوفا اور جذباتی قسم کے محبوب کو تلاش میں ہوتی ہے جو قوت برداشت کا مالک بھی ہو اور اس کے ساتھ محبت کو ایک چیلنج سمجھ کر قبول کر دی۔

وہ اکثر ایک بزنس مین یا مشہور شاعر یا مصور کے بارے میں سوچتی ہے جو اسے اپنی دولت اور شہرت کی بناء پر وقار اور تحفظ دے سکے۔

☆☆☆



نہ گھر ملا نہ گھر والا

وینا ملک نے ہر وہ حربہ آزمایا جس کے ذریعے وہ بھارت میں مستقل رہائش حاصل کر سکے، بگ باس سیزن فور کے دوران اشمعت کو گھر والا مان کے اس کی خدمت کرتی رہی، بگ باس سے باہر نکلی تو اشمعت ہاؤس میں گھسنے کی ہر ممکن کوشش کی، جسے اشمعت کی فیملی نے ناکام بنا دیا، اسی دوران وہ چند دن کے لئے پاکستان آئیں کئی تنازعات کو فٹافٹ نمٹانے کے بعد پھر ممبئی آئیں تو سوچا اتنے پیسے ہو گئے ہیں کہ ممبئی میں ایک گھر خرید لیا جائے، مگر افسوس کے گھر والے کی طرح خالی گھر بھی نہ ملا، آج کل وینا کی بھارتی سرگرمیاں بے حد بڑھ چکی ہیں اور وہ فلموں کے سوا ہر وہ کام کر رہی ہے جس کے ذریعے پیسے ہی پیسے بن رہے ہیں، لیکن بھارت میں رہنے والا مسئلہ ہنوز سر پر تھا اس کا حل وینا نے یوں نکالا کے ایک سات سالہ لاوارث "پائل" نامی بچی کو گود میں لینے کا اعلان کیا، خوب جذباتی قسم کی گفتگو کی، میڈیا کے سامنے اس موقع پر، گھر والا اور گھر نہ ملنے کے بعد بھارت میں رہنے کا یہ طریقہ کامیاب ہو سکتا ہے وینا کا، اب بھارتی حکومت اتنی بھی ظالم نہیں کہ سات سالہ "پائل" کی ماں کو ملک بدر کر دے۔ ذہانت ہو تو وینا جیسی۔

کوئی تو ہو گا؟

ریما کی شادی میں اس کے والد ویزہ نہ ملنے کے باعث شریک نہ ہو سکے، لیکن ساتھی



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اداکاروں میں صرف میرا تھی، جس نے اپنے سبھی پروگرامز کو پس پشت ڈالتے ہوئے ریما کی شادی میں شرکت کا فیصلہ ایمرجنسی میں کیا، دوستی تم..... دشمنی بھی تم سے..... جیسے تعلق کے ساتھ میرا کی شادی میں جانے اور امریکہ جامد آمد کے اخراجات کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی چکرا کر رہ جائے، اب میرا خالی ہاتھ تو گئی نہیں ہوگی، اپنا بھرم بنانے کو کوئی اونچے لیول کا تحفہ دیا ہوگا، چنانچہ ریما کی شادی خود ریما کو اتنی مہنگی نہیں پڑی ہوگی جتنی کہ میرا کو پڑی، اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ وہ کون سا حاتم طائی ہے جس نے میرا کے اس دوستانہ ٹرپ کو اسپانسر کیا ہے، کیونکہ اس بات پر تو کوئی بھی شرط لگا کر کہہ سکتا ہے کہ میرا کی یہ دوستانہ کارروائی، صرف اور صرف میرا کی اپنی جیب خاص سے ہوئی نہیں ہوگی۔

دیر آید درست آید

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ پاکستانی اداکاروں میں سب سے زیادہ پڑھا، لکھا، ٹیلنٹڈ اور تجربہ کار شان ہے۔

ایسے شخص کے ہوتے ہوئے فلم انڈسٹری کا زوال سوچ سے باہر ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص بھی اپنی ذات میں انجمن ہوسکتا ہے اور یہ ایک ہی شخص ہوتا ہے جو پورے کارواں کو لے کر آگے بڑھتا ہے، دیر سے ہی سہی لیکن شان کو فلم انڈسٹری کی سربراہی کا خیال آ ہی گیا اور وہ ایک نئی ٹکور ٹیم کے ساتھ انڈسٹری کو پھر سے نئے سرے سے شروع کرنے کی پلاننگ میں مصروف ہے، ہم صرف یہی کہیں گے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے، لہٰذا اب وقت ضائع کرنے کی گنجائش نہیں اس لئے شان کو جو کرنا ہے وہ اب کر گزرے، اللہ



کرے شان کی، کی جانے والی کوششوں سے اچھے نتائج سامنے آئیں اور ہماری فلم انڈسٹری جو آخری سانسیں لے رہی ہے اس میں پھر سے جان پڑ جائے اور ہمارے سینما گھروں میں ہمسایہ ممالک کی بجائے ہماری اپنی فلموں کے پوسٹر نظر آئیں۔

کیا دو گے؟

23 نومبر کو وحید مراد کی 28 برسی تھی، چاہنے والے آج بھی وحید مراد کے گن گاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام نجی چینل چاکلیٹ ہیرو کو کسی نہ کسی انداز میں خراج تحسین پیش کرتے رہتے ہیں، ایسے ہی ایک سلسلے میں جب ایک چینل نے نشو بیگم سے وحید مراد کے بارے میں کچھ لب کشائی کرنے کو کہا تو نشو جی نے آگے سے فوراً کہا کہ کتنا معاوضہ ملے گا،

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی---- کراچی

س: کنوئیں میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟

ج: جب کنوئیں پھٹ جائے۔

س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: اس لیے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔

س: سرکڑاہی میں کب ہوتا ہے؟

ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

میاں میر احمد انجم ---- فیصل آباد

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟

ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔

س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟

ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔

س: شعر کا جواب دیں۔

کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تھا تجھے اپنے خدا سے

ج: میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں' بتاؤ؟

ج: کسی ہمراز سے۔

س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟

ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو؟

س: اس نے کہا 'یہ دل آپ کا ہوا' کیا یہ سچ ہے؟

ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم.....؟

س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟

ج: ارادے.....؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے؟

س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟

ج: جو تم پکا سکو گی۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟

ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لیے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔

س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟

ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔

س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟

ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔

س: اگر سب انسان ایک سے ہوتے تو.....؟

ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

معکون شاہ ---- لاہور

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟

ج: خیال۔

س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں' کیا کروں؟

ج: ٹافیاں اور گولیاں اپنے پاس رکھا کرو۔

س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟

ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو' میں کہتی ہوں تو تو پاگل ہے؟

ج: کبھی کبھی پاگلوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

نازیہ عمر ---- پشاور

س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے کیا کر رہے ہیں آپ؟

ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لیے کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

س: سوچ کر بتائیے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟

ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے ہیں کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

س: ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ دوسروں سے منفرد نظر آئے؟

ج: اس لیے تو لوگ مونچھوں اور بالوں سے کام لیتے ہیں۔

س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارکباد دے ہی دوں؟

ج: دو لفظوں کے لیے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔

س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟

ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔

س: سچی دوستی کی پہچان بتائیے؟

ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟

ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھو لو تا کہ کہیں اور کام آ جائے۔

س: آپ بڑے 'وہ' ہیں؟

ج: 'وہ' کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔

س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟

ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔

س: اگر آپ کے دل میں پھول کھلنے لگیں؟

ج: گوبھی کے پھول سے ڈر لگتا ہے۔

نازیہ ثمن ---- جھنگ

س: سچ سچ بتائیے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟

ج: حنائی محفل میں براجمان ہوں۔

س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟

ج: محبت ہر روپ میں بھلی لگتی ہے۔

س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟

ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری؟

س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟

ج: ایسی باتیں پوچھا نہیں کرتے۔

نعیمہ رانا ---- ملتان

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟

ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔

س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟

ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟

ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوا لیا کریں۔

س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟

ج: تم وہی ہو جو تم ہو

عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا

س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔

ج: ابھی دنیا میں پاگل باقی ہیں۔

س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟

ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

☆☆☆

گولڈن ٹماٹو سوپ

اشیاء

ٹماٹر	آدھا کلو
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچہ
ثابت سیاہ مرچ	سات عدد
چاٹ مصالحہ	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

ٹماٹر کاٹ کر ایک ساس پین میں ڈالیں، ساتھ ہی سیاہ مرچ ثابت گرم مصالحہ اور نمک ڈال کر ایک کلو پانی میں ملائیں اور ساس پین کا ڈھکن لگا کر پکائیں، جب ٹماٹر نرم پڑ جائیں تو اس سارے آمیزے کو جوسر میں ڈال کر مکس کریں اور پھر چھنی سے چھان کر اس میں چینی اور چاٹ مصالحہ ملائیں اور ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں اور آپ اگر اسے گرم گرم بھی نوش کرنا چاہتے ہیں تو گرم سوپ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مشروم سوپ

اشیاء

چکن یخنی	چار کپ
سفید مشروم	چار عدد
نمک، سیاہ مرچ	حسب ضرورت
بکرے کا مغز	آدھا کپ
پیاز (باریک پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
مکھن	آدھا کپ

ترکیب

مکھن کو فرائی پین میں گرم کریں پھر اس میں پسا ہوا اور براؤن کیا ہوا پیاز ملا کر ساتھ ہی مغز ڈال دیں اور اس کو فرائی کریں، مغز فرائی ہو جائے تو چکن یخنی ڈال دیں اور جب یہ ابلنے پر آئے تو اس میں مشروم ڈال دیں، دس منٹ بعد اس میں نمک اور سیاہ مرچ پسی ہوئی چھڑک کر نوش فرمائیں۔

مٹر کارن سوپ

اشیاء

مٹر کے دانے	آدھا کلو
یخنی	ایک کپ
سیاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

ایک ساس پین میں مٹر کے دانے تھوڑے سے پانی میں ابالیں، مٹر ابل جائیں تو ان کو نکال کر پیس لیں، پسے ہوئے آمیزے پر ایک کھانے کا چمچہ سرکہ ڈال دیں، ساس پین میں یخنی ڈالیں، جب یخنی ابلنے لگے تو اس میں نمک، سیاہ مرچ، سویا ساس اور کارن فلور (مکئی کا آٹا) ڈال کر پکائیں، دس منٹ بعد پسے ہوئے مٹر بھی ملا دیں، آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو نوش کریں۔

چکن بریڈ سوپ

اشیاء

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکن	آدھا کلو
نمک	ایک چائے کا چمچہ
بل روٹی	دو سلائس
یاز	دو عدد
یاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
رکیب	

چکن کو ڈیڑھ لیٹر پانی میں چولہے پر
ڑھائیں، اس میں نمک، پیاز اور سیاہ مرچ پسی
وئی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب پانی تین
وَ کے برابر رہ جائے تو ڈبل روٹی کے ٹکڑے
ر کے اس میں ملا دیں، پانچ منٹ مزید پکائیں
ر پھر گرم گرم پیش کریں، یہ بہت غذائیت بخش
وپ ہے۔

دون ٹون سوپ

شیاء	
ف قیمہ	آدھا کلو
لک (ابلی پسی ہوئی)	ایک کپ
رے پیاز (کترے ہوئے)	دو عدد
ہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
	دو کھانے کے چمچے
ن بروتھ	چار کپ
را	ایک کپ
رہ	ڈیڑھ کپ
ت	ایک چائے کا چمچہ
کیب	

میدے میں انڈا پھینٹ کر ڈال دیں اور
ے میدے کے ساتھ مکس کریں، اس میں دو
انے کے چمچے ڈال کر خوب پھینٹیں اور روٹی
نے والے بورڈ پر اس کو ڈال کر گوندھیں، یہاں
ک کہ میدے اور انڈے کا آمیزہ نرم ہو جائے،
آمیزے کو دس منٹ تک سیٹ ہونے دیں
اس کے تین تین انچ چوکور ٹکڑے کاٹ لیں،

ایک فرائی پین میں پیاز، نمک اور قیمہ ڈال کر اس کا پانی خشک کریں، جب قیمہ کا پانی خشک ہو جائے تو اس کا ایک ایک چمچہ بھر کر میدے کے کٹے ہوئے چوکور ٹکڑے کے اوپر ڈال دیں اور اس کو سموسے کی طرح بند کر کے کناروں کو اچھی طرح دبا دیں اور ان سموسوں کے ابلتے ہوئے پانی میں پندرہ منٹ تک رہنے دیں اور پھر نکال کر کسی گرم ٹرے میں رکھ دی، یخنی کو ساس پین میں ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں، ابلی ہوئی اور پسی ہوئی پالک کو اس میں شامل کر دیں اور مزید دس منٹ تک پکائیں، سوپ تیار ہونے پر آئے تو سموسوں کو اس میں ڈال دیں، نوش کرتے وقت اپنی مرضی کا مصالحہ چھڑک سکتے ہیں۔

ٹماٹو اینڈ سیلڈ سوپ

اشیاء	
گائے کا گوشت	ایک پاؤ
ٹماٹر	چار عدد
نمک، سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
چکن یخنی	چار کپ
سلاد	ایک گٹھی
ترکیب	

گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور اسے بغیر پانی ملائے دھیمی آنچ پر پکنے دیں، جب گوشت کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں چھ پیالی پانی شامل کر دیں اور دو گھنٹے دھیمی آنچ پر پکائیں، پکتے ہوئے گوشت میں ٹماٹر اور سلاد باریک کاٹ کر شامل کر دیں، جب پانی صرف دو پیالی رہ جائے تو یخنی ملا دیں اور پانچ منٹ تک مزید پکائیں، سوپ کی پیالے میں سوپ نکال کر مصالحہ چھڑکیں اور پیش کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم! السلام علیکم پاک وطن کی سر زمین۔

جنوری 2012ء کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، بہت سے حزن ملال مسرتوں، کامیابیوں اور آرزوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ایک اور سال اختتام پذیر ہوا، وقت کا دریا بہتا جا رہا ہے، کرۂ ارض پر بسنے والوں نے ایک اور سال کی مسافت طے کر لی۔

گھڑیاں، دن، ہفتے، مہینے پر لگا کر سالوں کی منزل سے گزرتے چلے جاتے ہیں اور قافلہ حیات رواں دواں رہتا ہے، نئی منزلوں کو پانے کی کوشش مزید خواہشات ابن آدم کو دوڑائے رکھتی ہے اور اسی تگ و دو میں انسان یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے کیا پھسلتا جا رہا ہے، زندگی کتنی بھی طویل ہو، پیچھے مڑ کر دیکھو تو ایک خواب کی مانند لگتی ہے اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں کچھ بھی مستقل نہیں ہے، جبکہ یہ طے ہے کہ اختتام اٹل ہے اور مہلت جو دی گئی ہے اس کا حساب بھی۔

یاد رکھیے ایک بامقصد زندگی اور اچھے اعمال ہی روشنی ہے ورنہ تو انسان ہے ہی خسارے میں، آیئے نئے سال کی آمد پر ایک پیمان ہم اپنے ساتھ کریں کہ اس سال اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی کچھ کرنا ہے اور پھر سال کے اختتام پر اپنا احتساب کریں کہ اس وعدے کو نبھانے میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے۔

نئے سال کی آمد پر ہماری ساری دعائیں آپ کے نام۔

خدا کرے یہ سال ہم سب کے لئے خوشیاں لائے، میں نے، آپ نے، ہم سب نے جو خواب دیکھے ہیں انہیں روشن تعبیریں نصیب ہوں، ہمارے پاک وطن کو خوشحالی اور استحکام حاصل ہو آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہاں ہم ایک وضاحت کرتے چلیں ہمیں ہر ماہ بے شمار خطوط ای میلو ملتی ہیں جن میں حنا کی تحریروں پر تعریف اور تنقید دونوں ہی شامل ہوتی ہیں، ہر خط یا ای میل کا جواب دینا ہمارے لئے مشکل ہے اس لئے ہم ہر ماہ کوشش کرتے ہیں کہ ان خطوط کو شامل کیا جائے جو آپ سب کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں ہمارے تمام قارئین ہمارے لئے محترم ہیں ہم آپ لوگوں کی رائے سے حنا کی تحریروں کو ترتیب دیتے ہیں، آپ کی تنقید ہمیں راہنمائی ملتی ہے آپ اور ہم حنا کو بہتر سے بہترین بنانے کی کوشش کرتے ہیں، آپ سب کی محبتوں کے ہم تہہ دل سے ممنون ہیں اپنی چاہتوں، محبتوں سے ہمیں یونہی نوازتے رہیے گا ہمیشہ۔

یہ پہلا خط ہماری ہر دلعزیز مصنفہ فوزیہ غزل کا سیتھو پور سے ملا ہے، وہ لکھتی ہیں۔

سال کا آخری حنا ملا ٹائٹل اچھا تھا مستقل سلسلوں پہ نگاہ دوڑاتے ہوئے سب سے پہلے مدیحہ تبسم کو پڑھا بہت اچھے انداز میں اور خاصے فلمی ٹچ کے ساتھ کرداروں کو سمیٹتی کہانی کو اختتامی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکن	آدھا کلو
نمک	ایک چائے کا چمچہ
ڈبل روٹی	دو سلائس
پیاز	دو عدد
سیاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

چکن کو ڈیڑھ لیٹر پانی میں چولہے پر چڑھائیں، اس میں نمک، پیاز اور سیاہ مرچ پسی ہوئی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب پانی تین پاؤ کے برابر رہ جائے تو ڈبل روٹی کے ٹکڑے کر کے اس میں ملا دیں، پانچ منٹ مزید پکائیں اور پھر گرم گرم پیش کریں، یہ بہت غذائیت بخش سوپ ہے۔

وون ٹون سوپ

اشیاء

بیف قیمہ	آدھا کلو
پالک (ابلی پسی ہوئی)	ایک کپ
ہرے پیاز (کترے ہوئے)	دو عدد
سیاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
پانی	دو کھانے کے چمچے
چکن بروتھ	چار کپ
انڈا	ایک کپ
میدہ	ڈیڑھ کپ
نمک	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

میدے میں انڈا پھینٹ کر ڈال دیں اور اسے میدے کے ساتھ مکس کریں، اس میں دو کھانے کے چمچے ڈال کر خوب پھینٹیں اور روٹی بیلنے والے بورڈ پر اس کو ڈال کر گوندھیں، یہاں تک کہ میدے اور انڈے کا آمیزہ نرم ہو جائے، اس آمیزے کو دس منٹ تک سیٹ ہونے دیں اور اس کے تین تین انچ چوکور ٹکڑے کاٹ لیں، ایک فرائی پین میں پیاز، نمک اور قیمہ ڈال کر اس کا پانی خشک کریں، جب قیمہ کا پانی خشک ہو جائے تو اس کا ایک ایک چمچہ بھر کر میدے کے کٹے ہوئے چوکور ٹکڑے کے اوپر ڈال دیں اور اس کو سموسے کی طرح بند کر کے کناروں کو اچھی طرح دبا دیں اور ان سموسوں کے ابلتے ہوئے پانی میں پندرہ منٹ تک رہنے دیں اور پھر نکال کر کسی گرم ٹرے میں رکھ دیں، یخنی کو ساس پین میں ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں، ابلی ہوئی اور پسی ہوئی پالک کو اس میں شامل کر دیں اور مزید دس منٹ تک پکائیں، سوپ تیار ہونے پر آئے تو سموسوں کو اس میں ڈال دیں، نوش کرتے وقت اپنی مرضی کا مصالحہ چھڑک سکتے ہیں۔

ٹماٹو اینڈ سیلڈ سوپ

اشیاء

گائے کا گوشت	ایک پاؤ
ٹماٹر	چار عدد
نمک، سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
چکن یخنی	چار کپ
سلاد	ایک گٹھی

ترکیب

گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور اسے بغیر پانی ملائے دھیمی آنچ پر پکنے دیں، جب گوشت کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں چھ پیالی پانی شامل کر دیں اور دو گھنٹے دھیمی آنچ پر پکائیں، پکتے ہوئے گوشت میں ٹماٹر اور سلاد باریک کاٹ کر شامل کر دیں، جب پانی صرف دو پیالی رہ جائے تو یخنی ملا دیں اور پانچ منٹ تک مزید پکائیں، سوپ کی پیالے میں سوپ نکال کر مصالحہ چھڑکیں اور پیش کریں۔

☆☆☆

کس جہاں کے یہ ستارے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم! السلام علیکم پاک وطن کی سر زمین۔

جنوری 2012ء کے ستارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، بہت سے حزن ملال مسرتوں، کامیابیوں اور آرزوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ایک اور سال اختتام پذیر ہوا، وقت کا دریا بہتا جا رہا ہے، کرۂ ارض پر بسنے والوں نے ایک اور سال کی مسافت طے کر لی۔

گھڑیاں، دن، ہفتے، مہینے پر لگا کر سالوں کی منزل سے گزرتے چلے جاتے ہیں اور قافلہ حیات رواں دواں رہتا ہے، نئی منزلوں کو پانے کی کوشش مزید خواہشات ابن آدم کو دوڑائے رکھتی ہے اور اسی تگ و دو میں انسان یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے کیا پھسلتا جا رہا ہے، زندگی کتنی بھی طویل ہو، پیچھے مڑ کر دیکھو تو ایک خواب کی مانند لگتی ہے اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں کچھ بھی مستقل نہیں ہے، جبکہ یہ طے ہے کہ اختتام اٹل ہے اور مہلت جو دی گئی ہے اس کا حساب بھی۔

یاد رکھیے ایک بامقصد زندگی اور اچھے اعمال ہی روشنی ہے ورنہ تو انسان ہے ہی خسارے میں، آیئے نئے سال کی آمد پر ایک پیمان ہم اپنے ساتھ کریں کہ اس سال اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی کچھ کرنا ہے اور پھر سال کے اختتام پر اپنا احتساب کریں کہ اس وعدے کو نبھانے میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے۔

نئے سال کی آمد پر ہماری ساری دعائیں آپ کے نام۔

خدا کرے یہ سال ہم سب کے لئے خوشیاں لائے، میں نے، آپ نے، ہم سب نے جو خواب دیکھے ہیں انہیں روشن تعبیریں نصیب ہوں، ہمارے پاک وطن کو خوشحالی اور استحکام حاصل ہو آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہاں ہم ایک وضاحت کرتے چلیں ہمیں ہر ماہ بے شمار خطوط ای میلز ملتی ہیں جن میں حنا کی تحریروں پر تعریف اور تنقید دونوں ہی شامل ہوتی ہیں، ہر خط یا ای میل کا جواب دینا ہمارے لئے مشکل ہے اس لئے ہم ہر ماہ کوشش کرتے ہیں کہ ان خطوط کو شامل کیا جائے جو آپ سب کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں ہمارے تمام قارئین ہمارے لئے محترم ہیں ہم آپ لوگوں کی رائے سے حنا کی تحریروں کو ترتیب دیتے ہیں، آپ کی تنقید ہمیں راہنمائی ملتی ہے آپ اور ہم حنا کو بہتر سے بہترین بنانے کی کوشش کرتے ہیں، آپ سب کی محبتوں کے ہم تہہ دل سے ممنون ہیں اپنی چاہتوں، محبتوں سے ہمیں یونہی نوازتے رہیے گا ہمیشہ۔

یہ پہلا خط ہماری ہر دلعزیز مصنفہ فوزیہ غزل کا سیتھو پور سے ملا ہے، وہ لکھتی ہیں۔

سال کا آخری حنا ملا ٹائٹل اچھا تھا مستقل سلسلوں پہ نگاہ دوڑاتے ہوئے سب سے پہلے بدیعہ تبسم کو پڑھا بہت اچھے انداز میں اور خاصے فلمی ٹچ کے ساتھ کرداروں کو سمیٹتی کہانی کو اختتامی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مراحل میں لا رہی ہیں۔

سندس جبیں تمہیں میں بہت مس کر رہی تھی عرصہ بعد آئیں کہاں غائب تھیں اچھا لکھتی ہو لکھتی رہا کرو۔

مبشرہ ناز، وفی پہ تحریر لائیں چونکہ یہ رسم متروک نہیں ہو سکی تو اس کے اسباب و عوامل زیر بحث رہیں گے، میں اسی موضوع پہ اپنا تھیسس اور ریسرچ ورک کر رہی ہوں اور میری اگلی تحریر بہت چونکا دینے والے واقعات اور تلخ حقائق سے بھرپور ہوگی، مبشرہ تم مختصر لکھتی ہو ہمیشہ ذرا طویل تحریر لکھا کرو کیونکہ تمہارا موضوع ہمیشہ طوالت کا متقاضی ہوتا ہے، باقی انداز تحریر اچھا ہے اللہ تمہیں کامیاب رکھے آمین۔

صبا احمد تمہاری پرکھ ہو بہو میری آنکھوں دیکھی سامنے بیتی کہانی ہے، بس تھوڑا فرق ہے کہ تمہاری ہیروئن بھٹکنے کے موڑ پہ تھی اور وہ لڑکی اپنے شوہر کی محبت سے ہار گئی تھی بنا بھٹکے۔

''محبت جیون دے'' بہت ڈرامیٹک سٹوری ایسے لگ رہا تھا جیسے کیبل پہ کوئی ڈرامہ چل رہا ہے حقیقی عنصر بالکل ناپید تھا اگر صرف افسانہ ہوتا تو زیادہ بہتر تھا خیر، ہمارا نہ ماننا یہ صرف رائے ہے، ''تم آخری جزیرہ ہو'' اُم مریم سچوئیشن واقعات حالات کردار کھل گئے ہیں رفتار و انداز تحریر تمہارا بہت اچھوتا ہے دلچسپی مزید آگے چل کر بڑھے گی اور پلیز زینب کو بولڈ ذرا کم دکھاؤ کہ حنا کم عمر لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں ان میرڈ عورت کا اتنا بولڈ ہونا کچھ ہضم نہیں ہوا باقی اپنے کرداروں کی نفسیات تم خود بہتر سمجھتی ہو۔

اور آخر میں سب رائٹرز قارئین اور ادارے کے تمام پڑھنے لکھنے والوں کو نیا اسلامی و عیسوی سال مبارک ہو اللہ ہم سب مسلمانوں کو خیر و عافیت سے رکھے اور ہمارے ملک کو نظر بد سے بچائے آمین۔

فوزیہ جی آپ کیسی ہیں، آپ نے لکھا کہ آپ بے حد خوش ہیں، ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی، رب العزت آپ کو مزید خوشیوں سے نوازے آمین، آپ کی رائے آپ کی محبتیں ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہیں، تعریف اور تنقید آپ کا حق ہے اس میں برا کیوں ماننا، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عفاف ابراھیم: لاہور سے لکھتی ہیں۔

ٹائٹل بہت ہی اچھا لگا، پچھلے کچھ ماہ سے حنا کے ٹائٹل بہت ہی اچھے آ رہے ہیں اور یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ حنا روز بروز بہتری کی طرف گامزن ہے۔

پورے شمارے پر مختصر نظر ڈال کر دوڑ لگائی، مدیحہ تبسم کے ناولٹ کی طرف، واہ مدیحہ جی! آپ نے تو کمال کر دیا اتنی زبردست تحریر اس کی تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں مدیحہ جی، آپ کیسے لکھ لیتی ہیں اتنا اچھا اور عمدہ۔

حسان کے اپنے والد کے ساتھ ملن نے ہماری آنکھوں کو بھی نم کر دیا اور اس ناولٹ کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے، دل چاہتا ہے ہاتھ چوم لو مدیحہ تبسم کے جن ہاتھوں سے ''محبتوں میں حساب کیسا'' تحریر کیا اور مدیحہ سے درخواست ہے کہ اس ناولٹ کے بعد غائب نہ ہو جائیں۔

پلیز فوزیہ آپی، مدیحہ تبسم سے سلسلے وار ناول ضرور لکھوائیں۔

''وہ ستارہ صبح امید کا'' کی پچھلی چند اقسام جمود کا شکار لگ رہی تھی لیکن اس قسط میں کہانی آگے بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی، سندس جبیں اس مرتبہ بالکل بھی متاثر نہ کر سکیں۔

''محبت جیون دے'' ہما عامر کا مکمل ناول بہت پسند آیا، افسانے سب ہی بہت اچھے تھے خاص طور پر مبشرہ ناز اور نضارت نصر کے افسانے تو بہت ہی اچھے تھے اور سعدیہ عابد نے بھی متاثر کیا، ثمینہ شیخ کے افسانے سے ملتا جلتا مکمل ناول میں پہلے بھی پڑھ چکی ہوں۔

میری ڈائری سے نازیہ جمال کا انتخاب پسند ''رنگ حنا'' میں افشاں اشرف کے جال نے بہت ہنسایا۔

میں شکر گزار ہوں سیما انصار کی انہوں نے اس خوبصورت بزم میں مجھے خوش آمدید کہا اور فوزیہ آپی کی بھی انہوں نے اس محفل میں مجھے جگہ دی حنا ویسے تو ہر لحاظ سے مکمل ہوتا ہے لیکن فوزیہ آپی سے درخواست ہے کہ حنا میں ''بیوٹی ٹپس'' کے لئے ایک صفحہ مختص کریں اور آپی رائٹرز سے انٹرویو والا سلسلہ بھی شروع کریں تاکہ ہم ان کے بارے میں جان سکیں۔

اور سب سے پہلے فوزیہ آپی ہم آپ کے بارے میں جاننا چاہیں گے کہ حنا کو اتنی خوبصورتی سے ترتیب دینے والی خود کیسی ہیں، فوزیہ آپی حنا کے دسترخوان میں ہم بھی کسی ڈش کی ترکیب بھیج سکتے ہیں؟

عفاف ابراہیم خوش رہیں، آپ کے نام کے معنی ''پاک دامن'' بہت خوبصورت ہیں، دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے جلد پوری کریں گے انشا اللہ، مصنفین سے انٹرویو بھی جلد شروع کر رہے ہیں، میں کیسی ہوں تو ایسا کرو کہ کسی روز آفس آ جاؤ، مل بھی لیں گے گپ شپ بھی ہوگی، میں کیسی ہوں یہ بھی پتا چل جائے گا آپ کو؟ کیا خیال ہے؟ کب آ رہی ہیں پھر آپ ہم سے ملنے؟ ہم منتظر ہیں، اس میں مشکل تو کچھ نہیں آپ بھی لاہور کی باسی ہیں اور ہمارا آفس بھی اسی شہر میں ہے چلو اب جلدی سے بتاؤ، اپنی محبتوں میں یاد رکھنا، آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہنا شکریہ۔

زباریہ شیخ: ڈی جی خان سے لکھتی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ حسب توقع لیٹ ملا ٹائٹل بے حد خوبصورت تھا، تحریم زبیری اپنی مسحور کن مسکراہٹ اور چمکتی آنکھوں سے حنا کے سرورق کو چار تو کیا آٹھ چاند لگا رہی تھیں، ہم نے اشتہاروں کے صفحات کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے سب سے پہلے اللہ کی ثناء اور پھر اس کے محبوب کی تعریف سے سرشار ہو کر پیارے نبی کی پیاری باتوں میں گم ہو گئے، سبحان اللہ ماشاءاللہ اس نیک کاوش پر ہم دلی طور پر سید اختر ناز کے شکر گزار ہیں کہ ان کی بدولت ہمیں اپنے پیارے آقا کی پیاری عادات کمالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے، شادیوں کے موسم میں انشاء جی میں ''شادی کارڈ'' کے ساتھ جلوہ گر تھے، فوزیہ غزل دل تھام کر بیٹھیں کہ اب آپ کی تحریر میں جا پہنچے ہیں، ایک بات تو طے ہے کہ فوزیہ جی کا انداز تحریر بے حد اچھا ہے، خصوصاً دوسرے مذاہب کے بارے میں معلومات جامع ہیں، اب تو ناول بے حد دلچسپ ہو گیا ہے خصوصاً ماریہ اور سعدیہ والا حصہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید بہتر لکھنے کی توفیق عطا کرے آمین، اُم مریم کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' بھی بڑی خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے، اُم مریم جی آپ کے ناول کا عنوان بے حد خوبصورت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مزید اچھا لکھنے کی صلاحیت عطا کرے آمین، مکمل ناول میں کافی عرصے بعد سندس جبیں نظر آئیں، لیکن افسوس کے ساتھ کہ وہ ناول کم آپ بیتی زیادہ لگ رہا تھا، سندس جی آپ نے بے حد مایوس کیا لگ ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں رہا تھا کہ یہ آپ کی تحریر ہے یا کسی اور کی تحریر پر آپ کا نام شائع ہو گیا ہے، دوسرا مکمل ناول ہما عامر کا تھا، وہ بھی کچھ خاص نہیں تھا، ناولٹ میں مدیحہ تبسم تو ہیں ہی سرفہرست، مدیحہ جی آپ کے تحریر محبتوں، چاہتوں سے گندھی ہوتی ہیں، آپ یقین کریں صالح کے لئے ہم نے بھی بے حد دعائیں مانگی کہ اسے گھر کی چھاؤں مل جائے، حد ہو گی ہماری دیوانگی کی بھی، جانتے بھی تھے کہ یہ ایک افسانوی کہانی ہے اس کے باوجود اس کے کرداروں کے ساتھ مل کر روئے بھی اور ہنسے بھی۔

ہما رائے کا ناولٹ قطعی متاثر نہیں کر سکا، افسانوں میں سائرہ غفار اور نظارت نصر کے افسانے پسند آئے، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ اور میری ڈائری کی ہر تحریر اچھی تھی عین غین نے بھی خوب محفل لگائی، دستر خوان میں آپی پلیز کچھ سوپ بنانے کی تراکیب شائع کریں۔

زباریہ شیخ خوش آمدید، دسمبر کے شمارے کا ٹائٹل آپ کو پسند آیا، ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی، لیکن اس ماہ آپ کو تحریریں کچھ خاص پسند نہیں آئی، ہمیں افسوس ہے، انشا اللہ آئندہ ان کو مزید بہتر کرنے کی کوشش کریں گے، آپ کی فرمائش اس ماہ پوری کی جا رہی ہے، سوپ بنائیں، پیئیں اور بتائیں کہ کچھ سردی کا احساس کم ہوا، ہو گیا ہے نہ تو بس اب جلدی سے کاغذ قلم اٹھائیں اور لکھیں جنوری 2012ء کے شمارے پر اپنی رائے ہم منتظر ہیں یہ جاننے کے لئے کہ سالگرہ نمبر آپ کے ذوق پر پورا اترا یا نہیں خوش رہنا اور اپنا خیال رکھنا شکریہ۔

ماریہ حسن: چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں۔

حنا آٹھ دسمبر کو ملا دسمبر کی مناسبت سے ٹائٹل بے حد پسند آیا اس کے بعد آگے بڑھے، اسلامیات میں حمد و نعت، پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں ہماری معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

انشاء نامہ پسند آیا، اُم مریم کا نیا سلسلے وار ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' کچھ زیادہ ہی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے یوں لگتا ہے جیسے کردار ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے ہوں، فوزیہ غزل کا سلسلے وار ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' کافی اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے، مکمل ناول میں سندس جبیں کا ناول پڑھ کر بے حد مایوسی ہوئی، سندس سے ہمیں ایسی تحریر کی توقع نہیں تھی، ہما عامر نے اچھی کوشش کی بہر حال کچھ بہتر تھی، ان کی تحریر، مدیحہ تبسم نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ کرداروں کو ایک چھت تلے اکٹھا کیا، بے حد بے حد خوبصورت طرز تحریر مدیحہ کی، مدیحہ کی تحریر کی نمایاں خوبی تحریر کی سادگی مجھے وہ کبھی بھی اپنے کرداروں کے ذریعے بلاوجہ تحریر کو طویل نہیں کرتی مدیحہ جی ہماری طرف سے بے حد مبارک باد، ہم آپ سے آئندہ بھی ایسی تحریروں کی توقع رکھتے ہیں۔

افسانوں میں نظارت نصر، صبا احمد اور مہشرہ ناز کی تحریریں پسند آئیں، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح سبھی اچھے تھے۔

آپی مجھے آپ سے بات کرنی ہے تو کیا آپ مجھے اپنا نمبر دیں گی پلیز ضرور دیجئے گا مایوس نہ کیجئے گا۔

ماریہ حسن، اس محفل میں خوش آمدید دسمبر کا حنا آپ کے ذوق پر پورا اترا، ہماری محنت وصول ہوئی، ہم سے بات کرنے کے لئے آپ صبح گیارہ سے چار کے درمیان کسی بھی وقت 042-37321690 اور 042-37310797 پر رابطہ کر سکتی ہیں، آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk